



ژونگ

تفیات اور محنتی علوم

شہزاد احمد



ترتیب

ابتدائی

	کتاب اول	نفسیات
19	پہلا باب	تعارف
37	دوسرا باب	نفسیاتی اقسام
59	تیسرا باب	لا شعور کے آرکی ٹائپ
86	چوتھا باب	مذہب اور فردیت کا عمل
105	پانچواں باب	نفسی طریق علاج
120	چھٹا باب	خواب اور ان کی تعبیر
134	ساتواں باب	نفسیات اور تعلیم
152	آٹھواں باب	تحلیل نفسی کا دلی عمد

کتاب دوم

	نواں باب	تختی علوم
186		ژونگ اور تختی علوم
235	دسواں باب	تختی علوم اور ژونگ

245	(ا) عرفانیات	
252	(ب) کیمیاگری	
260	(ج) منزل	
264	(د) قرب موت کی واردات	
269	(و) مرنے والوں کی کتاب	
283	(ز) آئی چنگ	
294	ہم و قسیت	میدار حواں باب
309	اژن طشتری سے اژن کھولے تک	بار حواں باب
345	فصل متیلہ	تیر حواں باب
	کتابیات	

245	تالیف	67
252	معارف	78
260	معارف	83
264	معارف	88
269	معارف	93
283	معارف	98
294	معارف	103
309	معارف	108
345	معارف	113

245	معارف	118
252	معارف	123

ابتدائیہ

1951ء میں جب میں نے ایم اے نفسیات میں داخلہ لیا تھا تو جناب سیف الدین سیف نے اس کی بہت مخالفت کی تھی اور مجھے کئی بار سمجھایا تھا کہ اگر تم شاعری میں دلچسپی رکھتے ہو تو نفسیات مت پڑھو۔ یہ قہارے اندر کے شاعر کو ہلاک کر دے گی، مگر مرے ذہن پر نفسیات کا بھروسہ اس بڑی طرح سوار تھا کہ میں نے ان کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ سیف صاحب کو فلسفے میں کچھ دلچسپی تھی اور وہ کتابیں تو کم پڑھتے تھے مگر بحث مباحثے میں حصہ بہت لیتے تھے۔ اور ان کا نقطہ نظر عقلی اثباتیت (Logical Positivism) کا رویہ لے ہوئے تھا اور انیسویں صدی کی عقلیت (Rationalism) ان کے ذہن پر بڑی طرح حاوی تھی، مگر پاکستان بننے کے بعد ان کی دلچسپی فلسفے میں کم ہوتی گئی اور وہ غلوں میں زیادہ سے زیادہ الجھنے چلے گئے۔ زندگی کے بارے میں جو نظریے انہوں نے پاکستان بننے سے پہلے تشکیل دیا تھا اس میں بہت کم تبدیلی آئی اور ان کی فلسفیانہ بحث بھی رفتہ رفتہ غائب ہوتی چلی گئی۔ مگر موانع نفسیات پڑھنا انہیں بھر بھی پسند نہ آیا۔ البتہ زندگی کے آخری چند برس میں جب انہوں نے میری ایک کتاب ”ذہن انسان کا حیاتیاتی پس منظر“ پڑھی تو انہیں وہ کتاب دلچسپ لگی مگر اب وہ زندگی کے اس حصے میں تھے جب وہ نئے سفر کا آغاز کرنے کی خواہش نہیں رکھتے تھے۔

کئی برس تک سیف صاحب کو میں نے ایک آنیڈیل شخصیت سمجھا تھا ان کے مباحث کو سنا تھا اور ان کے فلسفیانہ سوالوں کو بہت سمجھیدی سے لیا تھا۔ مجھے بعد میں اندازہ ہوا کہ خود سیف صاحب ان سوالوں کے بارے میں زیادہ سنجیدہ نہیں ہیں لیکن ان مباحث نے میرے اندر تشکیک کا ایک طوفان اٹھا دیا تھا۔ ان دنوں میں نے تھوڑا بہت فلسفہ بھی پڑھنا

شروع کر دیا اور میں اپنی تفکیک میں پختہ ہونا چلا رہا تھا۔

زندگی کے اس حصے میں جب انسان کو یقین کی ضرورت ہوتی ہے اگر تفکیک بدلنے پہلے گئے تو یہ ایک طرح کی ہمد وقت اذیت ہے، جو انسان کو دینہ دینہ کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ ایم اے نفسیات کرنے کے دوران میں بہت سی ذہنی افقوں سے گزرا تھا۔ اور ان سب کی وجہ تفکیک کا رویہ تھا۔ حالات بھی ایسے تھے کہ برصغیر بھارت بھارت تقسیم ہوا تھا۔ سرحد کے دونوں طرف معصوم انسانیت کا خون بہایا گیا تھا، مگر خاص طور پر پاکستان میں مساحرین کا مسئلہ بہت شدت اختیار کئے ہوئے تھا۔ ہم بھی امر قمر سے ہجرت کر کے لاہور آئے تھے اور بے پناہ مالی مشکلات کا شکار تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب القاد کے سلسلے میں دائرہ فتنی کا رویہ خاصہ شدید ہو گیا تھا۔ جدید غزل کا آغاز بھی ردِ باہد الطبیعیات کے طور پر ہوا تھا۔ حالانکہ غزل کسی باقاعدہ باہد الطبیعیات کے بغیر مشکل ہی سے سانس لے سکتی ہے۔

یہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے ڈونگ کی کتاب "جدید انسان روح کی تلاش میں" (Modern Man In Search of A Soul) کس کے کہنے پر پڑھی تھی، مگر اس کتاب نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا اور یقین کا ایک دروازہ میرے اندر کھل گیا تھا۔ ایک بار پھر مجھے زندگی باطنی محسوس ہونے لگی تھی۔ مذہب میں میری دلچسپی بڑھی تھی اور فلسفیانہ مباحث میں کھویا ہوا سکون مجھے کسی حد تک نفسیات اور خصوصاً ڈونگ کی وجہ سے واپس ملا تھا۔ نفسیات میں ایم اے کرنے کے بعد نوکری نام کی کوئی شے دور دور تک نہیں تھی۔ لہذا میں نے فلسفہ کا ایم۔ اے کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اقبال کے کلام کے سلسلے میں میرا رویہ متعادل تھا۔ حالانکہ اقبال کا بہت سا کلام خصوصاً شکوہ جواب شکوہ مجھے زبانی یاد تھے۔ انہی دنوں مجھے اقبال کے پیکچرز دیکھنے کا موقع ملا۔ مجھے پہلی بار یہ اندازہ ہوا کہ اقبال کے کلام کے معانی کس قدر پہلو رکھتے ہیں۔ یہ مجھ اتفاق ہے کہ میں اقبال کے کلام سے ان کے فلسفے کی طرف نہیں گیا تھا بلکہ ان کے فلسفے نے ان کے کلام کے لئے میرے دل میں بے پناہ محبت پیدا کر دی تھی۔ جب سے اب تک میں ڈونگ اور اقبال کے شعرے نکل نہیں پایا۔ 1951ء ہی کے دوران میں نے وولف شیکل (Wilhelm Stekel) کے بارے میں ایک مضمون لکھا تھا جو ہمارے استاد کاظمی عمر اسلم صاحب کو بہت پسند آیا تھا۔ اگلے برس میں نے مذہبی واردات کے بارے میں ایک مختصر سا مضمون لکھا جو بعد میں دو بار Revise کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے فرانیز کے نظریہ

چلت مرگ پر مضامین کا ایک سلسلہ لکھا۔ اور 1962ء میں یہ کتابی شکل میں شائع ہوئی۔ یہ پاکستان بننے کے بعد اس قسم کے موضوعات پر پہلی کتاب تھی۔ اس کے بعد طویل عرصے تک میں نے کوئی مضمون نہ لکھا۔ روزگار کا سلسلہ ایسا تھا کہ کچھ نہ کچھ تو لیتا تھا مگر کچھ نہ پاتا تھا۔ 1977ء کے قریب میں نے کچھ ہلکے پھلکے مضامین ”دوسرا رخ“ کے نام سے لکھے۔ ان پر مشتمل کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔

1982-83ء میں میں نے پھر سے نفسیات اور حیاتیات کے حوالے سے مضامین لکھنے شروع کئے۔ 1984ء میں مجھ پر دل کا دورہ پڑا جو چان لیا اجابت ہوا مگر مجھے کسی طرح پھر سے سانس لینے کے قابل بنا دیا گیا۔ کوئی ایک برس زندگی اور موت کی کشمکش میں گزرا۔ ان دنوں مجھے محسوس کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ میری بیماری کی نوعیت ایسی ہے کہ اس سے جانبر ہونا بہت مشکل ہے، مگر مجھے کبھی ایک لمحے کے لئے بھی یہ محسوس نہ ہوا کہ میں کسی بہت بڑے خطرے سے دوچار ہوں۔ جب میں ہوتا نہیں تھا تو ذہنی طور پر کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا تھا۔ پھر میرے ڈاکٹر نے مجھے اجازت دے دی کہ اگرچہ میں پل پھر تو نہیں سکتا لیکن اگر چاہوں تو تھوڑا بہت لکھنے پڑھنے کا کام کر سکتا ہوں۔ میں نے کوئی چار ہفتے میں ایک کتاب لکھی ”سائنسی انتخاب۔۔۔“ نقیین سے امکان تک“ اور آدمی سے زیادہ ”ذہن انسان کا حیاتیاتی پس منظر“ بھی مکمل کی۔ یہ کتاب اب ”ذہن انسانی حدود اور امکانات“ کے نام سے شائع شدہ ہے۔ پھر تراجم کا ایک سلسلہ شروع ہوا کیونکہ روزگار کا ذریعہ یہی تھا۔ میں نے آغاز تو اشفاق احمد صاحب کے ادارے اردو سائنس بورڈ سے کیا مگر زیادہ کام مجھے سراج ضیر مرحوم کے ادارے ادارہ ثقافت اسلامیہ سے ملا۔ اس دوران ڈونگ سے میری دلچسپی پھر سے بیدار ہوئی۔ اس کی ایک وجہ تو ڈاکٹر محمد اجمل صاحب کی ایک کتاب تھی، جس کا میں نے اردو ترجمہ ”نفسی طریق علاج میں مسلمانوں کا حصہ“ کے نام سے کیا۔ سراج ضیر سے میرا تعلق خالصتاً علمی حوالے سے تھا۔ وہ جن علوم کو بہت اچھی طرح سے جانتے تھے، مجھے ان کے بارے میں ابتدائی علم بھی نہیں تھا۔ لہذا میں نے عقلی علوم اور سیرت میں مطالعے کی حد تک دلچسپی لینی شروع کی۔ اس زمانے میں آر تھر کوستلر (ARTHER KOESTLER) اور کولن ویلسن (COLIN WILSON) میرے محبوب لکھاری تھے۔ خصوصاً آر تھر کوستلر کے لکھنے کا انداز مجھے بے حد پسند تھا اور میں اس سے بہت متاثر بھی ہوا تھا۔ اردو میں مجھے حسن عسکری صاحب کی

تربیت اچھی لگتی تھی۔ اگرچہ ان کے سوا سے مجھے اتفاق نہیں تھا۔ اسی دوران نظریاتی طبیعیات میں مجھے گہری دلچسپی پیدا ہوئی۔ اگرچہ میں ریاضی نہیں جانتا تھا مگر اب ایسی کتابیں بازار میں آنے لگی تھیں، جو مجھ جیسے غیر ریاضی دان کی سمجھ میں بھی آ سکتی تھیں۔ ادیبوں اور شاعروں کے حلقے میں ڈاکٹر وزیر آغا صاحب کے علاوہ کوئی ایسا نہیں تھا جس سے میں اس سلسلے میں باقاعدہ گفتگو کر سکتا۔ یہاں میں ڈاکٹر محمد افضل سابق وزیر تعلیم کا ذکر بھی کرنا چاہوں گا جنہوں نے مجھے بعض کتابیں پڑھنے کا مشورہ دیا تھا۔ طبیعیات کا مطالعہ کرتے کرتے مجھے ڈاکٹر عبدالسلام کے بعض مضامین پڑھنے کا موقع ملا۔ وہ صرف سائنس دان ہی نہیں ہیں، تیسری دنیا کے ممالک کے درد کو بھی پوری طرح محسوس کرتے ہیں۔ اور ان کی پسماندگی کو ختم کر کے انہیں ترقی یافتہ بنانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ میں نے ان کے چند مضامین کا ترجمہ کیا، جو ”ادب اور حقیقت“ کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں میں نے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے خصوصاً وہ مضامین منتخب کئے جو پاکستان کی ترقی کے لئے رہنما ثابت ہو سکتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر ان کی درد مندی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کاش ہم ان کے سائنسی اور اقتصادی نظریات سے فائدہ اٹھا سکیں۔

آج کل شاعری اور سائنس کا مطالعہ میرے دو محبوب کام ہیں۔ جب میں پریشان ہوتا ہوں یا آپریشن کا فکد ہوتا ہوں، تو فوکس پڑھتا ہوں۔ اسے پڑھتے ہوئے مجھے ویسا ہی لطف آتا ہے جیسا اچھی شاعری پڑھنے سے آسکتا ہے۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے مسائل، جو مجھے گھیرے ہوئے ہوتے ہیں، میں ان کو بھٹک دیتا ہوں اور مجھے اپنے مسائل سے بچیلی ہوئی کائنات کی وسعت اور بے کناری کا شدید احساس ہوتا ہے، میں محسوس کرتا ہوں کہ اتنے بڑے کاسموس میں میری زمین کی میرے نظام شمسی کی اور کنکشن کی کیا حیثیت ہے! ایک طرف تو مجھے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے اور دوسرے طرف میں محسوس کرتا ہوں کہ امکانات کا ایک لامتناہی سلسلہ میرے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اور میں اکیلا نہیں ہوں۔ کسی حد تک میں خوش قسمت بھی ہوں کہ میں اس کے بارے میں چند باتوں کو جانتا ہوں۔ پھر مجھے یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ میرے اندر بھی ایک کائنات ہے اور یہ کائنات مجھے کسی طرح اس کائنات سے کم وسیع و عریض محسوس نہیں ہوتی۔ جو میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اور لامحدود ہے۔ انسان کے طور پر میں، جہان کبیر اور جہان صغیر کے بارے میں آنکھیں رکھنے والی میں شاید واحد باشعور مخلوق ہوں۔

اگر میرے سوا کوئی موجود ہے، تو مجھے اس کا علم نہیں ہے اور شاید وہ میرے بارے میں بھی نہیں جانتی۔ میری خواہش ہے کہ میں بھی طبیعیات پر کوئی کتاب لکھوں۔ وہ طبیعیات جس نے مجھے نئی زندگی دی ہے اور اب تو وہ میری شاعری کا ایک موضوع بھی ہے۔

میں نے یہ کہانی اس سلسلے میں بیان کی کہ اس میں منظر کو کسی حد تک سمجھا جاسکے۔ جس کے حوالے سے مجھے ڈونگ پر کتاب لکھنے کا خیال آیا۔ فرائیڈ کے بارے میں میری ایک کتاب ”فرائیڈ کی نفسیات کے دو دور“ 1994ء میں شائع ہوئی تھی اور اسے پسند کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ مطالبہ بھی ہوا تھا کہ میں ڈونگ پر بھی کچھ لکھوں۔ کوئی ایسی کتاب جو ڈونگ کے بنیادی خیالات کو بیان کر سکتی ہو۔ ڈونگ کا ذکر تو کسی نہ کسی حوالے سے اردو ادب میں آتا ہی رہتا ہے مگر ڈونگ کے بارے میں بہت کم مواد موجود ہے۔

یہی حال فرائیڈ کا بھی تھا۔ اس کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔ میں نے کوشش کی تھی کہ فرائیڈ کو ان حوالوں سے بیان کروں، جنہیں فرائیڈ کے سلسلے میں مند مانا جاتا ہے۔ میں نے اپنے طور پر فرائیڈ کی کوئی توجیہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ البتہ اس پر تنقید کرتے ہوئے بعض استدلال میں نے اپنے طور پر کئے تھے۔

اگرچہ فرائیڈ پر میری اس کتاب کو مجموعی طور پر پسند کیا گیا مگر چند دوستوں نے یہ بھی کہا کہ فرائیڈ پر کتاب لکھنے کی ضرورت کیا تھی۔ وہ تو فرسودہ ہو کر متروک (OBSOLETE) ہو چکا۔ ان کی خدمت میں میں سوائے اس کے اور کیا عرض کر سکتا تھا کہ فرائیڈ منلی کے چل کا چولہا نہیں ہے جو OBSOLETE ہو جائے۔ اگر اب تک اس سلسلے فرسودہ قرار نہیں دیا گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم فرائیڈ کے سلسلے میں یہ فیصلہ صادر کر دیں۔ امریکا میں دونوں طرح کے دوسرے موجود ہیں ایک طرف تو اب بھی فرائیڈ کی جذباتی مخالفت ہوتی ہے اور دوسری طرف اس کے جنسی نظریات پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔ ان نظریات کو بھی تسلیم کیا جانے لگا ہے جن کا تعلق انسان کے نفس کی بجائے اس کے جسم سے ہے۔ مثال کے طور پر اب ایسے لوگ بھی میسوں میں موجود ہیں جو فرائیڈ کی طرح یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کے انزال (ORGASM) کے دو ذریعے ہیں۔ پہلی دو تین دہائیوں میں اس معاملے میں فرائیڈ تھکیک کا نظریہ بتایا جا رہا تھا۔

بمروقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا کہ بطور طریب فرائیڈ اپنی پیشہ

درانہ اختلاقیات کا پوری طرح پابند تھا۔ اس کے بارے میں کوشش کے باوجود کوئی قاتل ذکر کیجھل (SCANDAL) بھی دریافت نہیں کی جاسکی۔ ڈونگ کے بارے میں ابنت یہ کہا جائے گا ہے کہ اس کے جنسی تعلقات اپنی بہت سے مریضوں کے ساتھ تھے۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کی زندگی میں ایسی کوئی کیجھل مشہور نہ ہو سکی۔ ورنہ یار لوگ ڈونگ damage کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ اس میں سچائی کس قدر ہے۔ صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ان کی ذاتی زندگی اور نفسیاتی نظریات میں کوئی لازمی رشتہ موجود نہیں ہے۔

ڈونگ پر کتاب لکھنا میرے لئے فرائیڈ سے کہیں زیادہ مشکل تھا۔ فرائیڈ پر لکھنے کا کام میں نے طالب علمی کے زمانے میں شروع کیا تھا اور اسے لکھنے میں مجھے کئی برس لگ گئے تھے۔ ڈونگ پر کچھ لکھنے کا خیال مجھے دیر تک نہ آیا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ فرائیڈ کی نفسیات اس قدر پہلو دار نہیں تھی جیسی کہ ڈونگ کی تھی۔ اور موضوعات کے لحاظ سے بھی وہ بے حد متفرع ہے اور اس کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جو ابھی تک واضح نہیں ہیں۔ ڈونگ کو یہ دعوے بھی نہیں ہے کہ وہ سب باتوں کا مضموم پوری طرح سمجھتا ہے۔ اجتماعی لاشعور کا نظریہ ایسا ہے کہ اس کی مبادیات ہی سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس کے مضموم تک کلی رسائی کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اس کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جس کو شاید ہم کبھی بھی دریافت نہ کر سکیں۔ پھر ڈونگ نے دنیا کا کوئی موضوع چھوڑا بھی نہیں ہے۔ اساطیر سے لے کر جدید طبیعیات تک اس نے سبھی موضوعات پر خاصہ فرسائی کی ہے اور مجھے ذاتی طور پر یہ دعوے بھی نہیں ہے کہ میں ڈونگ کو پوری طرح سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں نے بہتر جانا کہ میں ان ماہرین کے گفتگوں قدم پر چلوں جو ڈونگ کو دوسروں سے کہیں بہتر سمجھتے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں ہم نے ڈونگ کو سمجھنے کے لئے دو بنیادی کتابیں پڑھی تھیں۔ ایک تو جیکوبی (JACOBI) کی کتاب تھی۔ (THE PSYCHOLOGY OF C.G. JUNG) اور دوسری فرائیڈ فورڈم (FRIEDA FORDHAM) کی کتاب

(An Introduction to Jung's Psychology)۔ اس کا دیاچہ بھی ڈونگ نے خود لکھا تھا اور اس میں یہ کہا تھا کہ فرائیڈ فورڈم نے اس کے خیالات کو صحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ چنانچہ میں نے مناسب سمجھا کہ فرائیڈ فورڈم کے ساتھ قدم بہ قدم چلنے کی کوشش

کرد۔ کتب کا پہلا حصہ ”ڈونگ کی نفسیات“ اسی کتب پر انحصار کرتا ہے۔ ہیکوہی کی کتب اگرچہ بعد میں کبھی مکی تھی اور بہت زیادہ ILLUSTRATED بھی ہے، مگر وہ ایسے لوگوں کے لئے ہے جو ڈونگ کی پیچیدگیوں کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا موجودہ کتب کو ڈونگ کے طے کی ایک ابتدائی کوشش ہی سمجھنا چاہئے۔ مجھے توقع ہے کہ میری اس کتب کے بعد ڈونگ کے بارے میں زیادہ ADVANCE تحریریں لکھی جاسکیں گی۔

موجودہ کتب کا دوسرا حصہ ڈونگ اور عقلی علوم کے باہمی رشتے سے متعلق ہے۔ جب فرانیٹز نے لاشعور کو متعارف کرایا اور اس کو ایک سائنسی موضوع کی شکل دی تو یہ گویا اپنی ذات کے اندر جمائے کی ایک سنجیدہ کوشش تھی۔ یہ واقعہ اس زمانے میں رونما ہوا جب نفسیات کو زیادہ سے زیادہ میکاکی اور شماراتی بنیادوں پر استوار کیا جا رہا تھا۔ نیوٹن (NEWTON) کے اجراع میں انسان کے ایسے خواص و صوفے جارہے تھے، جو فعلیاتی بنیادوں پر کبھے اور سمجھائے جاسکیں۔ امریکا کے اندر کرداریت (BEHAVIORISM) کا کتب فکر اور روس میں پاولو (PAVLON) دو ایسے ذریعے تھے، جو انسان کو کسی طرح کی بھی باطنی اہمیت دینے کو تیار نہ تھے۔ یہ گویا سائنس کے اندر عقلی اثباتیت (LOGICAL POSTIVISM) تھی۔ جس کی موجودگی کو طے، سائنس اور نفسیات بھی میں محسوس کیا جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا گویا انسان کو روبات (ROBOT) ثابت کر دیا جائے گا۔ مگر خود سائنس کے اندر رد عمل ظاہر ہوا اور ہائیزن برگ کا اصول لائقین ہونے کا آیا۔ فرانیٹز نے ایک بار پھر باطن کی اہمیت کو واضح کیا اور اس سارے عمل کے رد عمل کے طور پر عقلی علوم کے بارے میں دلچسپی کا اہیا بھی ہوا۔ ڈونگ خاص طور پر اس میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اجتماعی لاشعور کی دریافت کے ساتھ ہی یہ ناکزیر تھا کہ عقلی علوم تک رسائی حاصل نہ کی جائے۔ چنانچہ بہت سے روایتی محققین ڈونگ کو سائنسدان نہیں مانتے، وہ اسے فلسفی اور پیغمبر تو کہتے ہیں مگر سنجیدہ عمل دان تو نہیں سمجھتے۔ یہ انسان کو سمجھنے کا ایک میکاکی رویہ ہے جس کا مقابلہ ڈونگ نے بڑی بہادری سے کیا ہے اور میرے خیال میں اس عمل پر اس نے کامیابی بھی حاصل کی ہے۔

اندروں بینی اور بیروں بینی کی انسانی تقسیم بھی اسی حوالے سے کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل کا مطالعہ آپ آئندہ صفحات میں کریں گے مگر خود نفسیات کے اندر رد عمل کا جائزہ لینے ہوئے، ڈونگ نے خود کو اور اؤر کو اندروں بینی کہا ہے۔ مگر فرانیٹز کو بیروں بینی کے کھاتے میں

ڈال دیا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے ڈونگ یہ بھی بھول گیا کہ انسان کے نفس کے اندر سب سے زیادہ اندروں بنی کارنامہ فرائیڈ نے انجام دیا تھا۔ جس نے لاشعور کو سائنسی حوالے سے اہمیت دی تھی۔ البتہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ لائبر نے چونکہ نفسیات کو ایک سلتی عمل کے طور پر دیکھنے کی کوشش کی تھی اس لئے اسے ہیروں میں سمجھ لیا جائے۔ مگر یہ بات انتہائی حیرت انگیز ہے کہ ڈونگ یہ سامنے کی بات نظر انداز کر گیا۔ شاید وہ فرائیڈ کو لاشعور دریافت کرنے کا کریڈٹ دینے کو تیار نہیں تھا۔ فرائیڈ اور ڈونگ کے مابین آویزش محض نظریاتی سطح پر ہی نہیں تھی۔ اس میں بہت سے ذاتی عوامل بھی شامل تھے اور جذبات کو بھی عمل دخل تھا۔ لہذا ہم ڈونگ کی تنقید کو سو فیصد معروضی نہیں سمجھ سکتے۔ خود فرائیڈ بھی کئی بار ڈونگ سے متاثر ہوا تھا مگر اس نے بھی کھل کر اس کا اعتراف نہ کیا۔ کہا جاسکتا ہے کہ فرائیڈ بہت حد تک اس سائنسی رویے کا نمائندہ تھا جو بیسویں صدی کے آغاز میں موجود تھا مگر ڈونگ اس سائنسی رویے کی نمائندگی کرتا ہے جو اب نظریاتی سائنس کے اندر رواج پائے ہوا ہے۔ اس رویے کو تبدیل کرنے میں ڈونگ نے بہت سی اہم کردار ادا کیا ہے۔ میں نے عقلی علوم کا حوالہ ڈونگ کی زندگی میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس باب کا عنوان ”ڈونگ اور عقلی علوم“ رکھا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہو گیا تھا کہ خود ان عقلی علوم کو جن میں ڈونگ کی دلچسپی ہے اس حوالے سے بھی دیکھا جائے کہ انہیں عام طور پر کیا سمجھا جاتا ہے اور ڈونگ نے ان کی کیا توجیہ کی تھی۔ اس باب کا عنوان ”عقلی علوم اور ڈونگ“ ہے۔ بظاہر ڈونگ کی نفسیات خاصی بکھری بکھری نظر آتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ ایک فردیت (INDIVIDUATION) کی حامل ہے۔ منزل کے مختلف حصے اگرچہ اپنی صورت اور نوعیت میں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں مگر آخر کار ایک ہی بنیادی کل بناتے ہیں۔ جسے اس کی مجموعی کارکردگی کی مدد سے جانا جاتا ہے۔

ڈونگ کی معروف ترین اصطلاح آرکی ٹائپ (ARCHETYPE) کا میں نے ترمیم نہیں کیہ حالانکہ ڈاکٹر محمد اہل صاحب نے اس کا ترمیم غلطیاً مثال کیا تھا اور پھر ڈاکٹر سہیل احمد خان صاحب نے اسے قبول بھی کر لیا تھا مگر مشکل یہ آچکی کہ یہ ترمیم مقبولیت حاصل نہ کر سکا۔ سو میں نے یہی بہتر چاہا کہ خود ڈونگ کی اصطلاح ہی استعمال کر لی جائے۔ اس کتاب کا مقصد اصطلاح سازی بھی نہیں ہے یہ صرف ایک کوشش ہے کہ ڈونگ کو اردو میں اس طرح

مختل کیا جائے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے مفہیم تک رسائی حاصل کر سکیں۔ مجھے ڈاکٹر عبدالسلام کی یہ ہدایت بھی یاد تھی کہ زیادہ تر اصطلاحات کو ان کی بین الاقوامی صورت ہی میں قائم رکھا جائے، تاکہ پڑھنے والا ایک ہی بات کے لئے کئی اصطلاحوں کے پتھر میں نہ پڑے۔ بقول ڈاکٹر عبدالسلام عربی اور فارسی میں بھی اب یہ رجحان موجود ہے کہ وہاں عام طور پر سائنسی اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر RELATIVITY کو اضافیت نہیں کہا جاتا۔ ربی توحی کہہ دیا جاتا ہے۔ اومان اور حقیقت میں جو دیباچہ خود ڈاکٹر عبدالسلام نے اردو میں لکھا ہے اس کا مطالعہ اس سلسلے میں کیا جاسکتا ہے۔

”فرائیڈ کی نفسیات کے دو دور“ میں میں نے کوئی ڈیڑھ سو صفحات کے حواشی لکھے تھے اور کوشش کی تھی کہ جدید عمیق نفسیات میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کے بنیادی معانی اردو میں مختل کر دیے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ کچھ مختصر احوال معروف نفسیات دانوں کے بھی لکھ دیے گئے اور بعض سائنسی اصطلاحات کی تشریح بھی کر دی گئی ہے۔ موجودہ کتاب میں میں اس سارے عمل کو دہرانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے مھنٹ ڈونگ اور مخفی علوم کے باب میں چند حواشی لکھے گئے ہیں۔ باقی حوالوں کے لئے فرائیڈ کی نفسیات کے دو دور دیکھی جاسکتی ہے۔ مخفی علوم اپنے طور پر ایک بڑا موضوع ہے کہ اس پر درجنوں کتابیں اردو میں بھی ہونی چاہئیں۔ اس کے حق میں اور اس کے خلاف بحث سامانہ موجود ہے۔ ہم مشرق والوں کا قدرتی جھکاؤ مخفی علوم کی طرف ہے۔ مگر اس سلسلے میں معروضی مطالعے کا فقدان ہے۔ عام کتابوں میں صرف قصے کہانیاں ہی نظر آتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ اس سلسلے میں بھی ہمیں مغرب کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ مشرق والوں نے تو اس سربانے کو بھی ضائع کر دیا ہے جو ان کے لئے طرہ امتیاز ہو سکتا تھا۔ ہمیں زندگی کے سلسلے میں زیادہ سمجیدہ رویے کی ضرورت ہے اور الیہ یہ ہے کہ یہ کام اب ہم مغرب کی مدد کے بغیر نہیں کر سکتے۔ ہم اب اس صورت حال میں ہیں جس میں قرون وسطیٰ کے دوران مغرب تھا مگر مغرب نے مشرق سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا تھا۔ کاش ہم بھی یہ کام کر سکیں۔ علم کسی کی میراث نہیں ہے یہ ساری انسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہے۔

میں نے اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ چیزوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معروضی رویہ اختیار کیا جائے مگر ہر جگہ یہ ممکن نہیں تھا۔ مشرق میں رہنے والوں کا مزاج بھی

کچھ ایسا ہے کہ ہم بار بار موضوعی ردیہ اختیار کرتے ہیں۔ کبھی موقع ہوا تو عقلی علوم پر زیادہ تفصیل سے لکھنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال میں نے جو مواد اس کتاب میں جمع کیا ہے وہ ایسے مافقہ سے لیا گیا ہے جو مغرب سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان کے دل کے کسی گوشے میں مشرقی رویوں کے لئے گنجائش موجود ہے۔

مجھے خوشی ہوئی اگر آپ اس کتاب کے بارے میں مجھے کچھ بتانا چاہیں۔

۷ نومبر ۱۹۹۶ء

شیراز احمد

31۔ ڈی آفیسر کلاونی

نارتھ روڈ، لاہور

پھانڈی 54810

فون۔ 6660233

کتاب اول

نفسیات

تعارف

اس باب میں کوشش کی گئی ہے کہ سی جی (کارل گسٹاؤ) ڈونک کی نفسیات کو بہت سی سادہ زبان میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اس طرح کا سادہ اختصار یوں لگتا ہے کہ جیسے پوری دنیا کا نقشہ کانڈ کے ایک ورق پر کھینچ دیا گیا ہو، اس میں نفسیات کی صحیح نوعیت کے بارے میں اس قدر کم معلومات فراہم کی گئی ہیں، جیسی کہ زمین کے نقشے میں سمندروں اور براعظموں کے بارے میں فراہم کی جاتی ہیں۔ تاہم نقشہ ایک آغاز تو ہے، ایک ایسا خاکہ ہے جس کے اندر بعد میں حاصل ہونے والی معلومات سے رنگ بھرا جا سکتا ہے۔ اگر یہ خاکہ دھندلایا ہوا اور غیر واضح ہو تو اس سفر کی بعد کی منازل اس کو واضح اور روشن کر سکتی ہیں۔ لہذا یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ پہلے باب کو اسی بیان کی روشنی میں پڑھا جائے اور اگر قاری ضرورت محسوس کرے تو بعد میں اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

ڈونک کی نفسیات، سب سے پہلے تو ڈونک کے ان تجربات پر مبنی ہے، جو انسانوں سے حاصل ہوئے ہیں۔ اس میں ہر طرح کے لوگ ہیں عام (نارمل) لوگ، نوروٹک (مصابی) مریض (NEUROTICS) اور نفسی (اختلالی) مریض (PSYCHOTICS)۔ یہ کسی طرح کا نفسی امراض مطالعہ (PSYCHO-PATHOLOGY) نہیں ہے۔ اگرچہ اس میں وہ تجزیہ (EMPIRICAL) مواد ضرور استعمال کیا گیا ہے جو امراضیات (PATHOLOGY) کی مدد سے حاصل ہوا ہے۔ مگر اس کے نظریات اس کے اپنے الفاظ میں ”انسانوں کے ساتھ نئے سائنسی تجربات کی بنیاد پر ایک تشکیل (FORMULATION) بنانے کی کوشش ہیں اور اس کے بارے میں بعض تجاویز ہیں۔“ مگر کوئی ایسا سادہ فارمولا نہیں ہے، جس سطح تک اسے لایا جاسکے، اگر

ایک نقطے پر توجہ مرکوز کی جائے تو اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ وضاحت ہو جاتی ہے وہ نفسی اعمال کا تہا پہا جس پر یہ مشتمل ہے فکروں سے جو جمل ہو جاتا ہے۔ اگر پری بیژن (PRECISION) یا قطعیت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور ذہنی تجربات کی تعریف کو متعین کرنے کی سعی کی جائے، تو وہ بہت کچھ ضائع ہو جاتا ہے، جو قدرتی طور پر اس سے متعلق ہے۔

ذہن (MIND) اور ذہنی عوامل کے بارے میں بات کرتے ہوئے ڈونگ نے سائیکی (PSYCHE) یا نفسی اور سائی ٹک (PSYCHIC) کی اصطلاحات برتی ہیں۔ ذہن اور ذہنی عوامل کی اصطلاحات اس لئے استعمال نہیں کی گئیں کہ ان کا تلامذہ بنیادی طور پر شعور (CONCIOUSNESS) کے ساتھ ہے۔ مگر نفسی اور سائی ٹک کی اصطلاحیں شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ معروف لاشعوری مظہر عام طور پر وہ لوگ تسلیم نہیں کرتے، جو اس سے بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا کوئی تعلق ایگو (EGO) کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر وہ شعور میں غفل ہوں، جیسے مثال کے طور پر اس وقت ہوتا ہے جب سخت ہنڈ باتی پہچان ہو اور وہ اپنے سبب کے حساب میں بہت بڑا ہو اور کوئی ایسا شخص جو ان کی لاشعوری تحریک کے بارے میں آگاہی نہ رکھتا ہو، ان کی نوعیت کو نہ سمجھ سکے گا ہم کہتے ہیں ”مجھے معلوم نہیں میرے سر پر کون سا بحوث سوار تھا“ لاشعوری اظہارات (MANIFESTATION) محض امراض تک محدود نہیں ہیں، غافل انسان بھی مسلسل ایسے محرکات لحہ کے زیر اثر ہوتے ہیں جن کے بارے میں ان کو قطعاً کوئی علم نہیں ہوتا۔

نفس کے لاشعوری پہلو شعور سے بالکل مختلف ہوتے ہیں، مگر وہ شعور کے لئے تعدیلی (COMPENSATORY) ہوتے ہیں۔ ڈونگ کے مطابق شعوری ذہن لاشعوری نفس پر انحصار بھی کرتا ہے اور اس کا نتیجہ بھی ہوتا ہے۔ یہ شعوری نفس شعوری ذہن سے پہلے وجود رکھتا ہے۔ اور وہ اپنے افعال شعور کی شراکت میں یا اس کے بغیر انجام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کے برعکس جو ذہن کو جانوی اظہار یا جانوی مظہر (EPIPHENOMENON) یا مشین کے اندر بحوث (GHOST IN THE MACHINE) سمجھتے ہیں، ڈونگ نفس کی حقیقت پر اصرار کرتا ہے۔ یہ کسی بھی طرح طبعی یا جسمانی سے کم نہیں ہے اور اپنی ساخت (STRUCTURE) رکھتی ہے اور اپنے خاص قوانین کے تحت کام کرتی ہے۔

”جو کچھ بھی میں تجربہ کرتا ہوں، نفس ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جسمانی تکلیف بھی ایک نفسی واقعہ ہے، جس کا تعلق میرے تجربے کے ساتھ ہے۔ میرے نفسی تاثرات جو کچھ بھی وہ مجھ پر وارد کرتے ہیں، انھیں (SPACE) میں موجود ایسی اشیاء جو میرے اندر داخل نہیں ہو سکیں، یہ بھی ایک نفسی تشکل (IMAGE) ہے اور یہی میرے شعور کے فوری معروض ہیں۔ میرا نفس حقیقت کو تبدیل بھی کرتا ہے، بھٹاتا بھی ہے اور یہ بھی کچھ اس حد تک کرتا ہے کہ مجھے یہ محسوس کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ مجھ کو نظر آتا ہے، اصل میں کیا ہے۔ پھر میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ رنگ، ہوا کا ارتعاش (VIBRATION) یعنی لہاں لہاں شعور (FREQUENCY) یا یہ کہ رنگ ایک طول موج (WAVE LENGTH) ہے جس کی لہاں لہاں لہائی ہوتی ہے۔ سچ بات تو یہ ہے نفس تشاکل میں اس قدر متغیر ہیں کہ ہم ان چیزوں کی ماہیت میں داخل ہی نہیں ہو سکتے۔ ہمارا تمام علم نفس سے مشروط ہے، کیونکہ وہی ایک تو فوری ہے اور احتمالی طور پر حقیقی ہے۔ یہاں ایک ہی حقیقت ہے، جس کا حوالہ نفسیات دان دے سکتے ہیں۔ یعنی نفسی حقیقت۔“

Modern Man In Search of A Soul- Basic Postulates on
Analytical Psychology).

اس سلسلے میں یہ اضافہ کرنا ضروری ہے کہ نفسی حقیقت کئی طریقوں سے اپنے آپ کو ہم پر مسلط کرتی ہے۔ ایسی بھی بیماریاں ہیں جو نفسی اسباب سے پیدا ہوتی ہیں، مگر وہ بظاہر مکمل طور پر جسمانی بیماریاں معلوم ہوتی ہیں۔ تاہم ان کی کوئی ناممکنی وجہ نہیں ہوتی۔ ذہنیاتی ہستیا کی قلع اور اندھے پن سے لے کر سر درد اور معدے کی تکلیفوں تک بہت سی چھوٹی چھوٹی بیماریاں اسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ جو شے بھی انسان بھاتا ہے، اس کا آغاز اس کے نفس سے ہوتا ہے۔ کوئی ایسی شے جو اس نے ابھی سوچنی ہے، وہ اس نے کسی خواب میں یا ویژن (VISION) میں دیکھی ہوتی ہے۔ ہماری امیدیں اور خوف ممکن ہے حقیقت کے اندر اپنی بنیاد رکھتے ہوں۔ دوسرے ان کو پہچانتے ہیں، وہ ممکن ہے سب کے سب غائبناک تخیل کی پیداوار ہوں مگر ان سے جو خوشی یا دکھ حاصل ہوتا ہے، وہ دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہوتا ہے۔ جو کچھ ہم تجربہ کرتے ہیں وہ ہمارے لئے تو حقیقی ہی ہوتا ہے اگر دوسروں کے لئے نہ بھی

ہو اور اس کی ایک اپنی جواز کاری (VALIDITY) ہوتی ہے، جو حقیقت کے برابر ہونے کے باوجود اس سے مختلف ہوتی ہے، جسے عام طور پر حقیقت سمجھا جاتا ہے۔

نفس کی حقیقت کے بارے میں یہ رویہ اس چیز سے بے حد برعکس ہے جس کو ڈونگ "سوائے رویے کے کچھ نہیں" (NOTHING BUT ATTITUDE) کا نام دیتا ہے۔ جو یہ نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ وہ نفسی اعکاسات کو مسلسل کم درجہ دیتے چلے جاتے ہیں۔ خاص طور پر وہ تجربات جن کو آسانی کے ساتھ بیرونی واقعات کے ساتھ نہیں جوڑا جاسکتا۔ ان کے بارے میں کبھی کبھی "تحلیل کے علاوہ کچھ نہیں" کا نام دیا جاتا ہے یا پھر موضوعی یا داخلی (SUBJECTIVE) سمجھا جاتا ہے۔ ڈونگ اس کے برعکس داخلی یا نفسی عمل کو بیرونی یا ماحولیاتی عمل کے برابر درجہ دیتا ہے۔

ڈونگ کا نظریہ نفس ایک ایسے نظام سے متعلق ہے جو حرکی (DYNAMIC) ہے۔ ایک مستقل حرکت ہے، مگر اس کے باوجود وہ اپنے آپ میں خودی باقاعدگی پیدا کرتا ہے، وہ اس عمومی نفسی توانائی کو لیبیڈو (LIBIDO) کا نام دیتا ہے۔ لیبیڈو کے تصور کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ وہ ایک چمچی ہوئی طاقت ہے، بلکہ اس کا وہی مطلب ہے جو طبیعیات میں طاقت (FORCE) کا مطلب ہے۔ یہ سادہ الفاظ میں مشاہدہ شدہ منظر کو بیان کرنے کا ایک پاسولہ طریقہ ہے۔

لیبیڈو دو مخالف قطبین (POLES) کے درمیان بہتا ہے اس کا موازنہ دل کے انقباض قلب (DIASTOLE) اور انقباض قلب (SYSTOLE) سے کیا جاسکتا ہے، یا پھر بجلی کے متغی اور مثبت پول کے برقی سرکت سے۔ ڈونگ عام طور پر اسے متضاد قطبین کے اخداد (OPPOSITES) کا نام دیتا ہے۔ اخداد کے اس جوڑے کے مابین جس قدر زیادہ کھنچاو ہو گا اسی قدر زیادہ توانائی بھی ہوگی۔ ایک دوسرے سے مخالفت کے بغیر کوئی توانائی بھی پیدا نہیں ہوتی۔ بہت سی سطحوں پر بہت سے تضادات کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر آگے کی طرف بڑھتے ہوئے جو توانائی کی پیش قدمی ہے، اور مراجعت (REGRESSION) یعنی پیچھے کی طرف چلا۔ شعور اور لاشعور، بیرونی (EXTROVERSION) اور دوروں بینی (INTROVERSION) "گہری اور محسوساتی و غیرہ۔ ضد کا کام باقاعدگی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ (ایہ بات ہیرکلائیٹس (HERACLITUS) نے کئی سو برس پہلے دریافت کی تھی۔ اس کی بہت

سلو سی مثل اس طریقہ کار میں موجود ہے کہ وہ رویہ جو ایک خاص اختلالی طرف جاتا ہو، آہستہ آہستہ ایک ایسی شے میں تبدیل ہو جاتا ہے جو بالکل عکس ہوئی ہے۔ شدید فحش کی کیفیت سکون میں بدل جاتی ہے۔ فطرت اکثر اوقات پسندیدگی بن جاتی ہے۔ شوک کے نزدیک باقاعدگی پیدا کرنے والا یہ قاعِل (FUNCTION) فطرت انسانی کے اندر پیدا کئی طور پر موجود ہے اور نفسیاتی عوامل کے کام کرتے رہنے کے لئے لازمی ہے۔

لیڈو کی قدرتی حرکت آگے کی طرف اور پیچھے کی طرف ہے۔ اس کے بارے میں یہ سوچا جاسکتا ہے کہ یہ حرکت سمندری لمبوں سے مماثل ہے۔ ڈونگ آگے بڑھنے والی حرکت کو جو شعور کے مطابقت کو پورا کرتی ہے پیش قدمی (PROGRESSION) کہتا ہے۔ پیچھے کی طرف جانے والی حرکت جو لاشعور کے مطالبے کو پورا کرتی ہے اس کا نام مراجعت (REGRESSION) رکھا گیا ہے۔ پیش قدمی کا تعلق اپنے ارد گرد سے مثبت تعلق پیدا کرنا ہے اور مراجعت اپنی اندرونی ضروریات سے مطابقت پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ مراجعت (بعض نظریات کے برعکس) پیش قدمی کی ایک داخل رفتی ہے جس طرح سونا جانے کے ساتھ متعلق ہے۔ جب تک لیڈو بغیر کسی رکاوٹ کے اپنا کام کرنا رہتا ہے تو قانون ENANTRIOD ROMIN کہ تحت یہ ضروری ہے کہ یہ مراجعت بالآخر پیش قدمی میں تبدیل ہو جائے، مراجعت کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ دوسری چیزوں کی طرح توجہ کا ایک وقفہ گزارنے کے بعد غیب کی حالت کی طرف واپس چلی جائے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پہلی منزل کی طرف لوٹ جائے مگر ایسا ہونا ضروری نہیں کہ یہ کوئی غلط بات ہی ہو، یہ بحالی کی صورت بھی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ کوشش کی جائے کہ لیڈو کو کسی حتمین اور سخت جمیع (CHANNEL) میں ڈالا جائے یا اگر اجناس (REPRESSION) کے عمل نے کوئی رکاوٹ پیدا کر دی ہو یا کسی وجہ سے شعوری ہم آہنگی (ADJUSTMENT) پیدا نہ ہو رہی ہو۔ (۱) ہمارے حالات ہمارے لئے بہت ہی مشکل ہو گئے ہوں تو پھر قدرتی پیش قدمی کی حرکت ہمارے ناممکن ہو جاتی ہے۔ لیڈو جب واپس لاشعور کی طرف رہتا ہے تو وہ بالآخر اس بری طرح افروزہ توانائی سے بھر جاتا ہے جو اپنا اخراج چاہتی ہے۔ شاید اس وقت لاشعور کسی رخنے کے ذریعے فنتاسیا (PHANTASY) کی صورت اختیار کرتا ہے یا پھر نیوراتی علامات پیدا ہوتی ہیں یا پھر اس کا اظہار بچکانہ انداز میں یا پھر حیوانی کردار میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔ وہ پوری طرح شعور پر مسلط

ہو سکتا ہے، مگر اس صورت میں یہ طبیعت شدید دھماکہ ہو گا یا ممکن ہے سالی کو کس (PSYCHOSIS) پیدا ہو جائے۔ جب یہ ہوتا ہے تو ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی ڈیم ٹوٹ جائے اور متعلقہ زمین پر سیلاب آ جائے۔ اختلالی صورت حال میں جب لیڈو اپنا اخراج پانے میں پوری طرح ناکام ہو جاتا ہے تو پھر زندگی کی دھامی سے گریز کیا جاتا ہے۔ یہ صورت اختلال یا سالی کو کس میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ امراضیاتی مداخلت ہے اور مداخلت مداخلت نہیں ہے۔ جو زندگی کے لئے ضروری ہے۔ انسان مشین تو نہیں ہے، جو بیٹھ ہی اپنے ماحول سے مطابقت پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اسے اپنے آپ سے بھی تو ہم آہنگی پیدا کرنی ہوتی ہے اور اپنی اندرونی دنیا سے بھی مطابقت بنانی ہوتی ہے۔ منکروی طور پر وہ اپنی اندرونی دنیا کی طرف ہی رجوع کر سکتا ہے اور اپنے آپ سے یکاگرت پیدا کر سکتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے اپنے ماحول کی صورت حال سے بھی نپٹنا ہوتا ہے۔

لیڈو ایک قدرتی توانائی ہے، وہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ مقاصد زندگی کے حصول کے لئے صرف ہوتی ہے، لیکن اس کی کچھ مقدار جو فلاح ہو جبلی پرف حاصل کرنے پر بھی صرف کی جاتی ہے تاکہ پیداواری کالوں میں لگائی جائے یا پھر ثقافتی پرف حاصل کئے جائیں۔ توانائی کا یہ رخ اس وقت متعین ہوتا ہے جب بنیادی طور پر اس تبدل کو ممکن بنایا جائے، جہاں جبلی دلچسپیوں اور فطری معروض میں مطابقت پیدا ہوتی ہو۔ یہ انتقال (TRANSFER) محض ارادہ کرنے سے نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے حصول کا راستہ خاصہ سمجھدار ہے۔ لاشعور کے اندر ایک مدت تک وضع حمل (GESTATION) کی صورت میں رہنے کے بعد، علامات یا سبیل (SYMBOL) جب جنم لیتا ہے تو وہ لیڈو کے جاذب نظر ہوتا ہے اور وہ لیڈو کی توانائی کے بننے کے لئے جھجھکتا بناتا ہے۔ سبیل کبھی شعوری سطح پر سوچا نہیں جاتا وہ تو مخشف ہوتا ہے یا وجدان سے پھوٹا ہے مگر اکثر خواب کے اندر ظاہر ہوتا ہے۔

اس توانائی کی ایک مثال جو ہوتی تو جبلی ہے مگر ثقافتی مقاصد کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ ڈونگ واٹ شان ڈس (WATCHANDIS) کی بھاری تقریب کا حوالہ دیتا ہے جو زمین میں ایک سوراخ نکالتے تھے اور نیلی عضو مخصوص کی نقل میں اس کے ارد گرد جھاڑیاں ڈال دیتے تھے اور تیز ہاتھ میں لے کر اس کے ارد گرد ٹاپتے تھے اور اپنے اعضاءے حاصل کو شہوت کے ساتھ اوپر اٹھاتے تھے اور پلی نیوا پلی نیوا داتا (3)

(PULLINIRA PULLINIRA WATAKA) پکارتے تھے۔ اس تقریب کے دوران شرکاء میں سے کسی کو اجازت نہیں ہوتی کہ وہ کسی عورت کی طرف دیکھے۔ یہ رقص جو موسم بار کے دوران ہوتا ہے۔ غیر معمولی اہمیت کا حامل خیال کیا جاتا ہے۔ رقص کرنے والے اپنی حرکت اور اونچی اونچی آوازوں کے ساتھ اپنے آپ کو وجہ کی حالت میں لے آتے ہیں۔ یوں وہ ایک سحرانگیز عمل میں شرکت کرتے ہیں، وہ زمین عورت کو گتھن کرتے ہیں، دوسری عورتوں کو اس لئے دور رکھا جاتا ہے کہ تاکہ ان کے لیڈو کا رخ عام جنسی عمل کی طرف نہ ہو جائے۔ زمین کے اندر کیا گیا سوراخ محض عورت کی فرج کا قہم اہل نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک ایسی علامت ہوتی ہے جو زمین عورت (EARTH WOMAN) کی نمائندگی کرتی ہے، جسے حمل ٹھہرانا ضروری ہے۔ یہ ایک ایسی علامت ہے جو لیڈو کو کایا پلٹ کرتی ہے۔

یہاں یہ بات خاص طور پر نوٹ کی جانی چاہئے کہ ٹونگ سہل (علامت) کے لفظ کو خاص معنوں میں استعمال کرتا ہے اور یوں وہ سہل اور سائن (SIGN) یعنی اشارے میں امتیاز کرتا ہے۔ سائن کسی حقیقی چیز کی نمائندگی کرتا ہے یا اس کا قہم اہل ہوتا ہے، جب کہ سہل کے معانی وسیع تر ہیں اور وہ نفسی حقیقت کو بیان کرتا ہے، جو بہت زیادہ قطعیت کے ساتھ بیان نہیں کی جاسکتی۔ واٹ شان ڈس زمین کے اندر جو سوراخ بناتے ہیں اس کے پارے میں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ عورت کی فرج کا نمائندہ ہے۔ مگر اس کے زیادہ گہرے معانی بھی ہیں۔ یہ سائن سے بڑی چیز ہے، یہ ایک سہل بھی ہے۔

پڑانے نہانے کے لوگوں کے نزدیک جنس میں اور زمین کھودنے میں ایک گہرا تعلق ہے، جیسے کہ بہت سے افعال جیسے شکار کھیلنا، مچھلیاں پکڑنا، جنگ کرنا وغیرہ رقص اور سحر کی تقریبات کی مدد سے تیار کئے جاتے ہیں جس کا صاف اور کھلا مطلب یہ ہے کہ لیڈو ان لازمی اعمال کے لئے تیار کیا جائے۔ جس تفصیل کے ساتھ یہ تقریبات منعقد کی جاتی ہیں، وہ یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں کہ قدرتی توانائی کو نیا راستہ دکھانے کی ضرورت ہے۔ لیڈو کی یہ کایا پلٹ (Transmutation) پذیر یہ سہل یا علامات تہذیب کے آغاز ہی سے ہو رہی ہے اس کی وجہ کوئی ایسی شے ہے جو انسان کے اندر دور تک چلی گئی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ جبلی توانائی کے ایک حصے کو الگ کر سکیں۔ پھر ہم نے ارادہ بھی تو تشکیل دے دیا ہے مگر یہ ہمارے خیال سے کہیں زیادہ کمزور ہے اور ہمیں اب تک اس امر کی

ضرورت رہتی ہے کہ ہم علامت کی طاقت کے لئے زیادہ توانائی کا رخ تبدیل کریں۔ ڈونک بعض اوقات اسے ارنیٹ کا قائل (Transcendent Function) بھی کہتا ہے۔

ڈونک کا نظریہ لاشعور زیادہ مثبت ہے، 'ان نظریات کے مقابلے میں جو اس سے متعلق ہر شے کو ایسا مدفن سمجھتے ہیں جو، قتل اعتراض بھی ہے اور طفلانہ بھی ہے۔۔۔ بلکہ وہ اسے ہمارے اندر کے حیوان سے متعلق سمجھتے ہیں۔ یعنی وہ سارے کا سارا ایسا مولو ہے جس کو بھلا دینا ہی اچھا ہے۔ یہ درست ہے کہ چیزیں لاشعور کا حصہ بن چکی ہیں اور یہ کچھ ابھر کر شعور میں آتا ہے مگر آواز کا شمار ہے اور بے شکل ہے، مگر لاشعور تو شعور کا رم (Matrix) اور اس میں زندگی کے نئے امکانات کے جراثیم موجود ہیں۔ نفس کے شعوری حصے کا موازنہ، اس جزیرے سے ہو سکتا ہے جو سمندر کے باہر ابھر آیا ہو۔ ہمیں تو صرف وہی حصہ نظر آتا ہے جو سمندر کے باہر ہے مگر اس سے کہیں وسیع تر مکر کا معلوم منطقہ تو نیچے پھیلا ہوا ہے۔ اس کی مماثلت بہت حد تک لاشعور سے ہو سکتی ہے۔

یہ جزیرہ (Ego) ہے۔ وہ جانتا ہے، ارادہ کرتا ہے، اپنے لئے میں، استعمال کرتا ہے اور شعور کا مرکز ہے۔ لیکن وہ بھی کچھ جس کا تعلق شعور سے ہے، جو کچھ میں اپنے بارے میں اور دنیا کے بارے میں جانتا ہوں یا جو کچھ میں کر سکتا ہوں یا جس پر مجھے اختیار حاصل ہو سکتا ہے، بیشہ ہی مکمل طور پر شعوری نہیں ہوتا۔ میں بھول جاتا ہوں یا اس مولو کو جان بوجھ کر دیا دیتا ہوں، جو مجھے پسند نہیں ہوتا یا جو معاشرتی سطح پر قابل قبول نہیں ہوتا۔ (دبانے کا یہ عمل یعنی اجنباس یا REPRESSION ایک مسلسل عمل ہے، جس میں جان بوجھ کر توجہ ہٹائی جاتی ہے۔ تاکہ وہ خیال، احساس یا واقعہ جسے اجنباس کے عمل میں سے گزرتا ہے کم از کم شعور سے خارج کر دیا جائے اور ہم اس قتل نہ رہیں کہ اسے دوبارہ یادداشت میں لائیں۔ دبا دینے کا عمل Supression جسے بعض اوقات اجنباس سمجھ لیا جاتا ہے۔ کسی بھی شے سے لازمی طور پر توجہ ہٹاتا ہے، مگر اس مقصد سے کہ کسی دوسری چیز پر توجہ کی جاسکے، اس صورت میں دہائی ہوئی چیز اپنی مرضی سے دوبارہ شعور میں لائی جاسکتی ہے۔) مجھے ایک طرح کا حسی اورادک بھی ہوتا ہے کہ میرے پاس شعور تک جانے کی قوت کی کمی ہے اور مجھے ایسی شے کا تجربہ ہوتا ہے، جسے میں جزدی طور پر سمجھ سکتا ہوں یا جس کے بارے میں مجھے مکمل علم حاصل نہیں ہو پاتا، یہ ذریعہ شعوری اورادک (Subliminal Perceptions) اجنباس اور بھولی ہوئی یادداشتوں

کے ساتھ مل کر ایک ایسا سرابی علاقہ (Shadow Land) تشکیل دیتے ہیں، جو انگو سے لے کر لاشعور تک پھیلا ہوا ہوتا ہے، مگر اس کا تعلق حقیقت میں انگو کے ساتھ ہونا چاہئے یا اگر ہم اپنے دوسرے علامتی حلقے کو احتمال کریں تو یہ وہ علاقہ ہے، جو ہمیشہ ہی پانی کی سطح کے نیچے نہیں ہوتا اور اسے دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ڈونگ اس سرابی علاقے کو ذاتی لاشعور (Personal Unconscious) کا نام دیتا ہے اور اسے اجتماعی لاشعور (Collective Unconscious) سے تمیز کرتا ہے اس کی مدد سے وہ نفس کے اس حصے کو واضح کرنا چاہتا ہے، جو مکمل ترین معنوں میں لاشعور ہے۔

ذاتی لاشعور کا تعلق فرد کے ساتھ ہے کہ بچپن کی تحریکات اور خواہشات کے اجناس سے صورت پذیر ہوتا ہے اور اس میں کشفی (Subliminal) اور کانت اور لاتقداد بھولے ہوئے تجربات شامل ہوتے ہیں اور ان سب کا تعلق صرف ذاتی لاشعور ہی سے ہوتا ہے۔

ذاتی لاشعور کی یادداشتیں اگرچہ پوری طرح انسانی ارادے کے بس میں نہیں ہوتیں، کیونکہ وہ دبائے جانے کی وجہ سے کمزور ہو جاتی ہیں، مگر ان کو دوبارہ یادداشت میں واپس لایا جاسکتا ہے۔ (مثلاً خواب میں) مگر کبھی وہ خود اپنی مرضی سے بھی شعور میں آ جاتی ہیں اور بعض اوقات اتفاقی تلازمہ یا کوئی حادثہ ان کو پھر سے روشنی میں لے آتا ہے۔ بعض اوقات وہ خواب اور فنتاسیا (Phantasy) میں بہرہ بھر کر آتی ہیں، مگر بہاؤ وقت خاص طور پر اس وقت جب وہ نیوروس (Neurosis) کی وجہ سے پریشانیاں پیدا کر رہی ہوں، تو پھر ان کو نکھو کر باہر نکالنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ڈونگ کا طریق کار یادداشتوں کے اس حلقے کے پارے میں تقابلی (Analytical) ہے، اس کے پارے میں ہم بعد میں تفصیل سے بات کریں گے۔

اپنے کام کی ابتدائی منازل میں ڈونگ علامتی ٹسٹ سچے (Association Tests) کو بروئے کار لا کر یادداشتوں تک رسائی حاصل کرتا تھا۔ اس علامتی ٹسٹ سے ایک خاص نفسی تشکیل سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ خیالات کے اندر یہ رجحان چلایا جاتا ہے کہ وہ کس بنیادی مرکزے (Nuclei) کے ساتھ تلازمہ بناتے ہیں اور پھر یہ علامتی خیالات جو بری طرح رنگ آمیزی کا شکار ہوتے ہیں۔ ڈونگ ان کو کمپلکس یا ابھمن (Complex) کا نام دیتا ہے۔ یہ مرکزہ ایک طرح کا نفسیاتی مقناطیس (Magnet) ہوتا ہے جس کے اندر یہ توانائی قندرتی ہوتی ہے اور وہ خود کار طریقے سے اپنی توانائی کے عکاس سے

خیالات کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ کپٹکس کے مرکزے میں دو اجزاء ہوتے ہیں۔ رجحانی (Dispositional) اور ماحولیاتی۔۔۔ اس کا تعین صرف تجربے سے نہیں ہوتا بلکہ فرد کے اس رد عمل سے ہوتا ہے جو وہ اپنے تجربے کے بارے میں رکھتا ہے۔

کپٹکس شعوری چیز بھی ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جزوی طور پر شعوری ہو، اس صورت میں ہم اس کے بارے میں کچھ تو جان سکتے ہیں مگر اس کی نوعیت کے بارے میں پوری آنکھیں نہیں ہوتی۔ یہ ممکن ہے کہ وہ لاشعوری ہو۔ اس صورت میں ہمیں اس کے بارے میں آنکھیں حاصل نہیں ہوتی اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ موجود بھی ہے۔ مگر دونوں صورتوں میں خاص طور پر اس وقت جب کپٹکس لاشعوری ہو اس کا کردار ایک آزاد شخص کی طرح ہوتا ہے اور اس کے بارے میں وہ خیالات اور اثرات جن میں وہ گھرا ہوتا ہے۔ شعور کی سطح پر آتے اور غائب ہوتے رہتے ہیں اور ان پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اگرچہ نفسی مواد کے بارے میں انہیں بیان کرتے ہوئے کوئی واضح امتیاز بتا سکتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ کچھ کپٹکس ایسے ہوتے ہیں، جن کا تعلق ذاتی لاشعور سے ہوتا ہے اور کچھ اجتماعی لاشعور سے تعلق رکھتے ہیں، یہ نفس کا اعلیٰ حصہ جو تمام انسانیت کے لئے مشترک ہے۔

ذاتی لاشعور کے مقابلے میں اجتماعی لاشعور کی کہیں زیادہ گہری پرت ہے یہ ایک انجانا مواد ہے، جس سے ہمارا لاشعور ابھرتا ہے، اگر ہم جبلتی (Instinctive) کردار کا مشاہدہ غور سے کریں۔ تو ہم اس کے موجود ہونے کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ جبلت کی تعریف کچھ یوں کی جاسکتی ہے۔ جبلت کسی عمل کے لئے ایسی انگیزش (Impulse) ہے جس میں کوئی شعوری تحریک (Motivation) موجود نہیں یا زیادہ گھج یہ ہو گا۔۔۔ چونکہ بہت سی ایسی لاشعوری تحریکات موجود ہیں، جو عمل طور پر ذاتی یا نجی ہیں لہذا ان پر جبلت کی اصطلاح کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جبلتی عمل وہ ہے جو موروثی ہو اور لاشعوری ہو، اور وہ ہمہ گیر طور پر باقاعدگی سے ہر جگہ وقوع پذیر ہوتا ہو۔ جبلت کے بارے میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے اور تسلیم کیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ نہیں ہے کہ ہم بعض مخصوص حالات میں عمل کے ایک خاص خاکے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔ لہذا ہم یہ سمجھتے ہیں اور زندگی میں یہ تجربہ کرتے ہیں کہ ہمارا کردار تاریخ سے متعین ہوتا ہے۔ یہ کہنے سے ڈرنا کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ تجربہ اپنے طور پر موروثی

ہے بلکہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ دماغ انسان کے قدیم تجربات کے اثرات کی بنا پر صورت پذیر ہوا ہے۔ اگرچہ ہماری وراثت (Inheritance) فعلیاتی (Physiological) راستوں پر مشتمل ہے۔ مگر اس کے باوجود ہمارے اب وجد کے ذہنی عمل نے ان راستوں کو تحقیق کیا۔ اگر فرد کے اندر یہ نشانات دوبارہ ابھر کر شعور میں آتے ہیں، تو وہ ایسا صرف ذہنی عمل ہی کی شکل میں کر سکتے ہیں اور یہ اعمال اسی صورت میں شعوری بن سکتے ہیں کہ وہ فروخت (Individuation) کے حوالے سے ابھر آئیں اور یوں وہ انفرادی اکتساب (Acquisition) محسوس ہوں، وہ ہر حال پہلے سے موجود نشانات (Traces) ہیں، جو محض انفرادی واردات (Experience) سے بروئے کار آتے ہیں۔ ہر متاثر کرنے والی واردات اسی نوعیت کا تاثر ہوتا ہے۔ ایک قدم اور لاشعوری (اسنور) کی قسم میں۔

یہ رجحان جسے ایک لازمہ (Necessity) بھی کہا جاسکتا ہے۔ زندگی کو اس انداز میں دیکھنا اور اس کی تفصیل اس طرح کرنا کہ اس کے ساتھ ان کی گزری ہوئی تاریخ مشروط ہو جائے ڈوئنگ اسے آرکی ٹائپ (Archetypal) کا نام دیتا ہے۔ آرکی ٹائپ (Archetype) ضم (Apprehension) کی پہلے سے موجود انتہیں (Forms) ہیں۔ (وہ شعور سے پہلے موجود تھیں) یا پھر ان کو وجد ان کی خلقی یا مادر زاد (Congenital) حالت بھی کہا جاسکتا ہے۔۔۔۔ جس طرح جبلتیں (Instincts) انسان کو زندگی میں ایک خاص کردار پر مجبور کرتی ہیں۔ وہ مخصوص طور پر انسانی کردار ہوتا ہے۔ اسی طرح آرکی ٹائپ، انسان کے وجد ان اور ضم کو ان چیزوں کی طرف لے جاتی ہیں جو خصوصی طور پر انسانی ہوتی ہیں۔

آرکی ٹائپ لاشعوری ہوتے ہیں، لہذا ان کا صرف اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے۔ مگر ہم بعض مخصوص ایچ یا قشال کے ذریعے ہی اس سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایچ یا قشال کے اندر وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک زمانے میں ڈوئنگ ان کو اولین یا قدیم ترین قشال (Primordial Image) کے نام سے پکارتا تھا (یہ اظہار یہ اس نے جیکب برک ہارٹ Jacob Burckhardt سے لیا تھا)۔ مگر اس کے بعد اس نے آرکی ٹائپ کی اصطلاح نکھنی شروع کر دی اور اس میں جامع طور پر شعور اور لاشعور دونوں پہلو شامل تھے۔

اب ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اولین قشال یا آرکی ٹائپ اس وقت ابھرے تھے جب ہزاروں برس پہلے انسان کا دماغ اور انسانی شعور حیوانی سطح سے اوپر اٹھ رہے تھے (ڈوئنگ تو یہ

بھی کہتا ہے کہ یہ مفروضہ بنانے میں ہمارے رستے میں کوئی شے حائل نہیں ہے کہ بعض آرکی ٹائپس خود جانوروں کے ہاں بھی موجود ہیں۔ آرکی ٹائپ نتیجہ ہیں ان تحریکات کا جو بار بار وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ جس طرح سورج روز نکلتا ہے اور روز غروب ہوتا ہے۔ یا موسموں کی تبدیلی جو بہت جھڑ اور بہار کی صورت میں بار بار ظہور پذیر ہوتی ہے، یا پھر بارش جو حارہ (Torrid) کے منفقے میں بہت بار ہوتی ہے، یا پھر پیدا کش اور موت، یا ساتھی کی تلاش، خوراک کی جستجو یا خطرات سے فرار، یہ ہر حال فنتاسیا (Fantasies) ہے، تجربے کا واقعاتی تصور نہیں ہے جو باقی رہ گیا ہو۔ اس میں خاص طور پر شکست و فحش، امید و بیم، خوشی اور غم کا وہ تاثر ہے جو ہمارے لہذا پیداوار کا قہہ وہ لوگ جنہوں نے ابھی بولنا نہیں سیکھا قہہ وہ شکاری جن کا تعلق پتھر کے قدیم زمانے سے بھی پہلے کے زمانے سے ہے اور جن کے ذہن کی صلاحیت کم از کم ہماری ذہنی قابلیت کے اسکاٹلی طور پر قریب تھی، اس ذہن پر ظاہر ہو چکے تھے۔

آرکی ٹائپ کا تجربہ تشکل اور جذبہ (Emotion) دونوں سطحوں پر ہوتا ہے اور ان کے اثرات خاص طور پر ایسے عوامل میں نظر آتے ہیں جو اہم انسانی صورت حال ہے۔ مثلاً پیدا کش اور موت، قدرتی رکاوٹوں پر قابو پانا، زندگی کا کوئی عارضی زمانہ مثلاً لڑکپن، انسانی خطرات، یا مرعوب کرنے والے تجربات۔ ان حالات میں کوئی آرکی ٹائپ تشکل، ایسے تجربات سے متعلق جو کسی اور نے (Auvegne) عام میں ہوئے ہوں، وہ جدید انسانوں کے خواب میں در آتے ہیں۔

خواب کے مسائل سے متعلق مسائل یا خوابوں کی توجیحات (Interpretation) بعد میں زیر بحث لائی جائیں گی، مگر فی الحال اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ ٹوئنگ خوابوں کو نفس کی قدرتی اور اضطراری پیداوار سمجھتا ہے، اور وہ اس قائل ہیں کہ ان کو سمجھنے کی سہولت اور وہ خود بھی اثرات پیدا کرنے کی اہلیت رکھتی ہیں، خواہ نہ ہی اس کا اعتراف ہو اور نہ ہی اسے سمجھا جائے۔ خوابوں کی زبان علامتی ہے اور وہ مسلسل تشاکل (Analogies) کا استعمال کرتی ہیں۔ لہذا وہ اکثر اوقات غیر واضح ہوتی ہیں اور بظاہر ان کا کردار معانی سے عاری ہوتا ہے۔

انجائی لاشعور کے جدید ہونے کا ایک ثبوت عام انسانوں کے خوابوں میں اساطیر (Mythologies) کے تشکل کا ہونا ہے۔ یہ وہ تشکل ہیں جن کا شعوری سطح پر اسے کبھی کوئی تجربہ نہیں ہوا ہوتا یہ ثابت کرنا بعض اوقات بہت مشکل ہوتا ہے کہ ایسا کوئی علم کیا موجود رہا۔

تھا (یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس بات کا امکان ہر حال موجود ہے۔ عقلی نسیان بحہ Cryptomnesia) بعض طرح کی ذہنی بتاریخوں میں اساطیری تشکل کی حیران کن حد تک مماثلت پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر اسے کسی طرح بھی فرد کے ذاتی تجربے کے ساتھ متعلق نہیں کیا جا سکتا۔

ژونگ اس سلسلے میں ایک مریض کی مثال دیتا ہے، جو ایک ذہنی ہسپتال میں تھا اور ۱۹۰۶ء میں اس نے اس مریض میں دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ یہ شخص پاگل تھا، اور کئی بار تو وہ بے حد پریشان ہو جاتا تھا، مگر جب وہ ڈراما سکون میں ہوتا تھا تو وہ اپنے کچھ ویژن (Vision) بتایا کرتا تھا اور بہت سی غیر معمولی علامتی تشاکل اور خیالات بیان کیا کرتا تھا۔ ۱۹۱۰ء تک ان علامتوں پر کوئی روشنی نہ ڈالی جاسکی۔ مگر ژونگ کو یونانی پے پلے رس (Papyrus) شے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ان تحریروں کو حال ہی میں پڑھا گیا تھا (Deciphered) اور ان میں بھی وہی مواد موجود تھا۔ اس بارے میں ژونگ کہتا ہے۔

”اس مریض کا وہ ویژن جو اس نے ۱۹۰۶ء میں دیکھا تھا اور وہ یونانی متن جو ۱۹۱۰ء میں تصحیح کیا گیا تھا ان کے درمیان اس قدر زیادہ زمینی واسطہ موجود ہے کہ ان کو عقلی نسیان کے ذمرے میں نہیں لایا جا سکتا اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں نے ان خیالات کو منتقل کیا تھا۔“

ژونگ نے اساطیری دیا (MYTH) کے مطالعے پر بہت وقت صرف کیا، کیونکہ وہ ان کو انسان کا بنیادی اظہار خیال کرتا تھا۔ جب کوئی دیا بنا بن جاتی ہے اور لفظوں میں بیان کر دی جاتی ہے تو یقیناً شعور نے اس کی صورت گری کی ہوتی ہے لیکن اساطیری روح، وہ حقیقی اچھ جس کا اظہار ان کے ذریعے ہوتا ہے اور وہ جذبات جو وہ بیان کرتی ہے، یا جگاتی ہے اور اس کے موضوعی مواد (Subject Matter) کا بہت بڑا حصہ بھی لا شعور ہی سے آیا ہوا ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ عام طور پر یہ گلتا ہے کہ اساطیر قدرتی واقعات کو بیان کرتے ہیں۔ جیسے کہ مثال کے طور پر سورج کا طلوع ہونا یا غروب ہونا یا موسم بہار کا اپنی تمام تر زرخیزی کے ساتھ لوٹ آنا مگر ژونگ کے خیال میں اس سے کہیں زیادہ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ خود انسان نے ان چیزوں کا تجربہ کس طرح کیا ہے۔ چنانچہ سورج کا طلوع ہونا سمندر میں سے کسی

خداوند ہیرو (God hero) کی پیدائش بن جاتا ہے۔ وہ اپنا رتھ (Charlot) آسمان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلاتا ہے، اور پھر شام کے وقت اڑدھاماں (Dragon Mother) اس کو پیسے دینے کے لئے تیار کھڑی ہوتی ہے۔ جب وہ اڑدھاماں کے جھٹ میں جاتا ہے تو پھر وہ سمندر کی گہرائی کا سفر کرتا ہے، اور پھر بادشہب (Serpent Of Night) سے خوفناک لڑائی کے بعد اگلی صبح وہ پھر سے پیدا ہو جاتا ہے، یہ بہت وسیع جینے پر پھیلا ہوا اساطیری موضوع (Theme) ہے جو بدیہی طور پر سورج کے طلوع ہونے اور غروب ہونے کے عمل کی عکاسی بھی کرتا ہے اور اس کے جواز کو بھی بیان کرتا ہے مگر اس کے ساتھ جو جذباتی مواد وابستہ ہے وہ اسے محض بیان کی سطح سے بہت اوپر اٹھا دیتا ہے۔ قدیم انسان اپنی ذات اور اپنے ماحول کے مابین واضح امتیاز نہ کر سکتے تھے۔ وہ بقول لیوی بروئر (Levy Bruhz) ایسی صورت حال میں رہتے تھے، جسے ہر اسرار شراکت (Participation Mystique) کہا جاسکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بیرونی دنیا میں ہوتا تھا وہی کچھ باطن میں بھی ہوتا تھا اور جو کچھ باطن میں ہوتا تھا وہی کچھ بیرونی دنیا میں بھی وقوع پذیر ہوتا تھا۔ چنانچہ بہتہ اس شے کا اظہار ہے، جو ان کے اندر وقوع پذیر ہو رہی ہے، جیسے کہ سورج طلوع ہوتا ہے اور آسمان پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلا جاتا ہے اور رات کو آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ ان عوامل کا انعکاس (Reflection) بھی ہے اور ان کی وضاحت بھی ہے۔

چونکہ اساطیر اجتماعی لاشعور کا بلاواسطہ اظہار ہیں۔ لہذا وہ سب لوگوں اور سب زمانوں میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔ جب انسان تخلیق کے اساطیر کے اس عمل سے بیگانہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کا تعلق اپنی ذات کی تخلیقی قوت سے کٹ جاتا ہے۔ مذہب، شاعری، لوک ورثہ اور پریوں کی کہانیاں اس صلاحیت پر انحصار کرتی ہیں، تمام مذاہب میں آرکی چنپ ہی اپنی نوعیت کا مرکزی مواد ہیں، مگر اساطیر کی طرح شعور نے بھی اس مواد کی صورت گری میں حصہ لیا ہے، قدیمی مسکوں (Cults) یہ عنصر ان مذاہب سے کہیں زیادہ موجود ہے، جو اعلیٰ سطح کے ہیں اور زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ اجتماعی لاشعور کا زیادہ بلاواسطہ اظہار اس وقت ہوتا ہے جب آرکی چنپ یا قدیم ترین تشابہات یا تو خوابوں میں آتے ہیں یا ذہن کی غیر معمولی حالتوں میں یا پھر نفسی طور پر مریضانہ فنتاسیا (Fantasy) میں۔ پھر ان تشابہات میں اپنی ہی قوت اور توانائی ہوتی ہے۔ وہ حرکت بھی

کرتی ہیں اور پولتی بھی ہیں، انہیں اور اک بھی ہوتا ہے اور ان کے مقاصد بھی ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں بھاتی ہیں اور ہمیں عمل کی طرف لے جاتی ہیں حالانکہ وہ عمل طور پر ہمارے شعوری ارادوں کے خلاف ہوتا ہے۔ وہ تجزیہ اور تعمیری دونوں ہی عوامل کو تیز تر کر دیتی ہیں۔ وہ آرت کا شاہکار بناتی ہیں اور انتہائی بھیڑپال کو بھی فروغ دیتی ہیں، کیونکہ یہ وہ چھپا ہوا خزانہ ہے جس سے انسانیت نے بیش اور ہر طرح بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ وہیں سے اس کو دیوتا اور بحوت پرست (Demons) ملے اور وہیں سے ان اعلیٰ خیالات کا حصول بھی ہوا ہے جس کے بغیر انسان انسان نہیں کہلا سکتا لہذا ڈونگ کے خیال میں لاشعور کوئی کوڑاواں نہیں ہے جس میں انسان اپنا کوڑا کرکٹ پھینکتا ہو، بلکہ وہ تو شعور کا منبع ہے جس سے انسان کی تعمیری و تخریبی انگلیں جنم لیتی ہیں۔

اجتماعی لاشعور کی تعریف کرنا (Define) ناممکن کو ممکن بنانے کے مترادف ہے، نہ تو ہم اس کی حقیقی حدود کا اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی اصل فطرت کو جان سکتے ہیں، جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ محض یہ ہے کہ ہم اس کے مظاہر (Manifestations) کا مشاہدہ کریں، ان کو بیان کریں، اور جہاں تک ممکن ہو ان کو سمجھنے کی کوشش کریں اور ڈونگ کی نفسیات کا زیادہ حصہ یہی کچھ ہے۔ آرکی ٹائپ کے بارے میں وہ کہتا ہے۔ ”بلاشبہ ہمارا خیال بھی انہیں پوری طرح اپنی گرفت میں نہیں لے سکتا کیونکہ اس نے کبھی ان کو ایچلو نہیں کیا۔“ تاہم یہ ممکن ہے کہ بہت سی اشکال کو ایک دوسرے سے الگ کیا جائے۔ خاص طور پر وہ جو خوابوں اور کمائیوں میں بار بار ظاہر ہوتی ہیں اور انسانوں کے لئے خصوصی اہمیت رکھتی ہیں، اور جن کا تعلق تاریخی متوازیوں (Parallels) کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے، اس تعلق میں وہ اساطیر بھی شامل ہیں جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ گہرے حقیقی مطالعے کے بعد ڈونگ نے بعض ایسے آرکی ٹائپس کی نشاندہی کی ہے جو انسانی خیالات اور کردار پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان نام پر سونا (Persona)، سلیا، شیڈو (Shadow)، انیما (Anima) اور اینی مس (Animus) یا پھر ڈیوا (Old Wiseman) دھرتی ماں (Earth Mother) اور سلف یا ذات (Self) رکھا ہے۔

یہاں ایک بار پھر ہمیں یہ یاد کرنا ہے کہ جب ہم اجتماعی لاشعور کے آرکی ٹائپس کی بات کرتے ہیں تو ذہن کے اندر کوئی الگ الگ خاتمے بنے ہوئے نہیں ہوتے اور آرکی ٹائپ کے

ذاتی یا انفرادی پسندی ہو سکتے ہیں۔ اپنا تفصیل مشروط ہے اس طویل تجربے کے ساتھ جو مرد، عورت یا عورتوں کے بارے میں رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ ذاتی تجربہ بھی منسلک ہے جو انسان عورت یا بہت سی عورتوں کے بارے میں رکھتا ہے۔ مگر بعض آرکی ٹائپ ذاتی ہونے سے کہیں زیادہ انتہائی ہوتے ہیں اور دوسرے، پر سونا اور شیڈو کی طرح زیادہ تر ذاتی عناصر کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ بات اس وقت واضح ہوتی ہے جب ان آرکی ٹائپس کو زیادہ تفصیل میں بیان کیا جائے مگر اس تفصیل میں جانے سے پہلے ہمزہ ہو گا کہ ہم ڈونگ کی تقریروں کا مطالعہ شعوری ذہن کی ساخت کے حوالے سے کریں۔

حواشی

۱۔ لاشعور کے موجود ہونے کی تصدیق اب جامع طور پر لازمی ٹسٹ (Association Test) پر مبنی مطالعے سے کی جا سکتی ہے۔ اس کا مواد چٹھم (Hypnosis) تارکوسس (Narcosis) اور تفصیلی خواب (Dream Analysis) سے حاصل ہوا ہے۔ اس کے علاوہ وہ عوامل جن میں دولت شخصیت (Dual Personality) قحاطی خرابیاں (Functional Disturbances) اور ذاتی اور اعصابی فزور (Disorder) کا اجناس (Dissociation) مگر اس بحث کو موجودہ کتب میں شامل کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اگر مزید مطالعے کی ضرورت ہو تو (Essence Of Psychology) کو دیکھا جائے۔ ڈونگ کے Collective Papers جلد ۹۔

۲۔ لیبڈو ایک لاطینی لفظ ہے جس کا مطلب عمل طور پر جنسی معافی کا حاصل ہونا نہیں ہے (اگرچہ اسے اکثر اوقات انہی معافی میں استعمال کیا جاتا ہے) اس کا مطلب عمومی معنیوں میں خواہش، آرزو یا انگیزش (Urge) ہوتا ہے۔

۳۔ اس کا لاطینی ترجمہ Non Fossa Non Fossa, Sed Cunnus دیکھا گیا۔ میں لاطینی تو نہیں جانتا ایک دوست کے ساتھ مل کر انداز کیا گیا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے 'لا لجز' 'لا لجز' جاگ فرج۔

The Psychological Foundations Of Belief In Spirits

(Collected Work) جلد آخر۔ کپلکس کے موجود ہونے کا اندازہ ملازمت کے تجربے کی حد سے بہت آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ اور یہ تجربہ کیا بھی بہت سادہ انداز میں جاتا ہے۔ جس شخص کا امتحان لیتا مقصود ہو، تجربہ کرنے والا اس کے سامنے بعض الفاظ پڑھتا ہے اور جو امتحان دے رہا ہو اسے فوری طور پر یہ بتانا ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں کیا آتا ہے یہی اس کا ملازمہ ہے۔ رد عملی وقت (Reaction Time) وہ وقت جو تجربہ کرنے والے کے لفظ پڑھنے اور امتحان دینے والے کے جواب کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی پیمائش ایک ٹاپ ولچ کی مدد سے کی جاتی ہے۔ عام طور پر یہ توقع کی جاتی ہے کہ عام سادہ سے لفظ کے رد عمل میں بس تھوڑا سا وقت لگے گا اور مشکل اور کیاب الفاظ کے رد عمل کے لئے زیادہ وقت درکار ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وجہ سے رد عملی وقت میں جو فرق پڑتا ہے وہ دوسری اہم وجوہات سے کہیں زیادہ غلط ہوتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ بعض سادہ تحریری الفاظ کے رد عمل کو بروئے کار لانے کے لئے طویل وقت کی غیر معمولی ضرورت پڑ جاتی ہے مگر باقی سادہ الفاظ کے رد عمل میں کوئی وقت بالکل ہی نہیں لگتا۔ جب امتحان دینے والے کی اعتزادی نفسیات کا مطالعہ کمرائی میں کیا جائے، تو یہ کہتا ہے کہ طویل وقت کے وقفے کی وجہ کوئی ایسی جذباتی مداخلت ہوتی ہے، جس کا تعلق یا تو محرک لفظ سے ہوتا ہے یا پھر دینے جانے والے جواب سے۔ جذبات کا انحصار بیشہ اس حقیقت پر ہوتا ہے کہ محرک لفظ کا واسطہ کسی کپلکس کے ساتھ ہے۔

اگر بالکل ہی ٹھیک ٹھیک بات کی جائے تو کپلکس کا تعلق دونوں مخلوق یا اشیاء سے ہوتا ہے۔ بلور کپلکس (Mother Complex) مثال کے طور پر اچھی دیر تک ذاتی ہوتا ہے، جب تک اس کا تعلق ہماری جسمانی ماں سے ہو اور اس وقت اجتماعی ہو جاتا ہے جب اس کا تعلق آرکی چنپ ماں (Archetypal Mother) سے ہوتا ہے۔

کرسٹوف جیکب برک ہارٹ (Christoph Jacob Burckhardt) (1776-1840) سوس آرٹ اور کلچر کا تاریخ دان تھا وہ ایک پروفیسر پادری کا بیٹا تھا، اس نے برلن اور یون کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی تھی۔ 1843ء کے بعد سے وہ ہیل یونیورسٹی میں کلچر دینے لگا اور پھر 1848ء میں تاریخ کا پروفیسر بنا دیا گیا اس کے تین برس بعد وہ زیورخ (Zurich) چلا گیا اس کا اہم ترین کام The Civilization Of The Renaissance In Italy (اولی میں نشوونما کی تفسیر) ہے۔

(۱۸۶۰ء) یہ بعد میں نکھس جانے والی تاریکیوں کے لئے ایک مثالی نمونہ بن گیا، کیوں کہ اس نے جامع انداز میں اور بڑے منظم طریقے سے اس عمل کا تجربہ کیا تھا۔

کئی بھی شے جو پڑھی گئی ہو، دیکھی گئی ہو، یا سنی گئی ہو اور بعد میں بھول جائے، پھر وہ لاشعوری طور پر ظاہر ہو جائے۔

شہ: لیا نرمل جیسا آبی پودا جو سج (Sedge) گھاس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ جنوبی یورپ، شام اور افریقہ میں پایا جاتا ہے۔ اس کے پھل، پھولوں کے پتھروں کے اندر ہوتے ہیں۔ ایک کانٹہ جو قدیم باشندے اس پودے کی ڈنڈیوں سے بناتے تھے اور 2400 قبل مسیح میں بھی مصر میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کانٹہ پر نکھس ہوئی قدیم دستاویز یا مخطوط۔

نفسیاتی اقسام

شعوری ذہن میں کے بارے میں ڈونگ کا حصہ زیادہ تر اس کی کتاب نفسیاتی اقسام (Psychological Types) میں موجود ہے۔ انسانوں کی جماعت بندی مختلف اقسام میں کرنا طویل تاریخ رکھتا ہے۔ کوئی دو ہزار برس ہوئے ایک یونانی طبیب جالینوس (Galen) نے انسانوں کو مزاج کے لحاظ سے چار اقسام میں تقسیم کرنے کی کوشش کی تھی، اور اس بیان میں جو اصطلاحات استعمال ہوئی تھیں (اگرچہ نفسیاتی اعتبار سے وہ غیر متعلق ہیں) دسوی مزاج (Sanguine) بلغمی مزاج (Phlegmatic) صفراوی یا گرم مزاج (Choleric) سوداوی مزاج (Melancholic) پر مشتمل تھیں اور یہ اب ہماری روزمرہ کی گفتگو کا حصہ ہیں۔ ایسی بہت سی کوششیں موجود ہیں، جن میں جدید علم کو بہ نظر رکھتے ہوئے اقسام بتائی گئی ہیں، مثال کے طور پر کرسچ مر (Krestchmer) کی تشکیل دی ہوئی تقسیم ہے، اور پھر ڈونگ کی کی ہوئی تقسیم جس میں اس نے انسانوں کو درون ہیں (Introvert) اور بیرون ہیں (Extrovert) میں تقسیم کیا ہے، اب تک خاصی شہرت حاصل کر چکی ہے۔ اگرچہ اسے پوری طرح سمجھا نہیں گیا۔ ڈونگ زندگی کے بارے میں دو مختلف رویوں میں امتیاز کرتا ہے، یہ دو طریقے ہیں جن کے ذریعے اپنے ارد گرد کے سلسلے میں رد عمل ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں ڈونگ کا خیال ہے کہ یہ تقسیم خاصی واضح ہے اور ہر جگہ اس کی کارفرمائی دیکھی جاسکتی ہے۔ وہ کہتا ہے :

”انسانوں کی ایک پوری جماعت ہے جو کسی خاص صورت حال کے رد عمل میں یوں گریزاں ہو جاتی ہے۔ جیسے وہ اسے نہیں کہہ رہی ہو اور پھر اس کے بعد وہ کسی رد عمل

کا انحصار کرتی ہے۔ دوسری طرف ایک ایسی جماعت بھی ہے جو اس صورت حال میں آگے آتی ہے اور اس کا یہ رد عمل فوری ہوتا ہے اور انہیں اس بات کا پورا یقین ہوتا ہے کہ ان کا رد عمل درست ہے۔ چنانچہ پہلی جماعت کا کردار ایسا ہے کہ وہ معروض (Object) کے سلسلے میں حقیقی رد عمل رکھتا ہے اور دوسرے کا رد عمل مثبت ہوتا ہے۔ پہلی جماعت دروں چیزوں کی ہے اور دوسری جماعت بیرون میں رویے کی حامل ہے۔^۴

(جدید انسان روح کی تلاش میں)

بیرون جی کا رویہ اس امر کا غماز ہے کہ لیبیدو (Libido) کا رخ باہر کی طرف ہے، انسان واقعات میں دلچسپی لیتا ہے، پھر اسے لوگوں اور چیزوں کے ساتھ تعلق بھی عزیز ہوتا ہے اور وہ ان پر انحصار بھی کرتا ہے، جب یہ رویہ کسی کی عادت بن جاتا ہے تو ڈونگ اسے بیرون بین (Extrovert) کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہ قسم بیرونی عناصر سے اثر قبول کرتی ہے اور اپنے ماحول سے بے حد متاثر ہوتی ہے۔ بیرون بین قسم معاشرتی یا سوشل ہوتی ہے اور غیر ماحول میں بھی اچھبیت محسوس نہیں کرتی۔ وہ خواہ مرد ہو یا عورت دنیا سے اس کے تعلقات بہتر سطح پر ہوتے ہیں اور جب وہ اس سے اختلاف بھی رکھتی ہو تو، اس کے باوجود بھی اس کا تعلق کمزور نہیں پڑتا گریزاں ہونے کی بجائے (جیسی کہ اس کی مخالف قسم ہوتی ہے) وہ لڑتا اور الجھتا پسند کرتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ دنیا اس کی مرضی کے مطابق ہو جائے۔

درون جی کے رویے میں، اس کے برعکس، لیبیدو کا رخ اندر کی طرف ہوتا ہے اور توجہ ذاتی عناصر پر مبذول ہوتی ہے۔ اثر انداز ہونے والا عنصر یا منفی ضرورت ہوتی ہے۔ جب یہ رویہ عادت کی شکل اختیار کرے تو ڈونگ اس کو درون بین (Introvert) کے نام سے پکارتا ہے۔ اس قسم کو دوسروں کے ساتھ رشتوں اور چیزوں پر اعتبار نہیں ہوتا اور یہ غیر سوشل ہوتی ہے اور عمل کی بجائے فوض (Reflection) پر زیادہ توجہ مبذول کرتی ہے۔ اس قسم کے افراد دوسروں کو کم اہمیت دیتے ہیں، اور اپنی مخالف اقسام میں مثبت قدروں کی بجائے منفی اقدار تلاش کرتے ہیں اور اس عادت کی وجہ سے بیشتر غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ایک خاص وقت گزرنے پر ان کے ہاں کوئی معاونہ فلسفہ بھی تشکیل پا جاتا ہے، وہ نفسیاتی تصادم

(Conflict) کے بھی شکار ہو جاتے ہیں، زندگی کے بارے میں ان کا رویہ مختلف ہوتا ہے اور ان کی اقدار (Values) بھی جدا گانہ ہوتی ہیں۔

مغرب میں ہم بیروں جینی کے رویے کو فوقیت دیتے ہیں اور اسے اچھی اچھی اصطلاحوں کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں، وہ بہت چلتا پھرتا ہے، معاشرے سے پوری طرح مربوط ہے۔ جبکہ دروں میں کے رویے کو ہم خود پسندی بلکہ اکثر اوقات افسردہ دلی (Morbidly) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مشرق میں کم از کم ماضی قریب تک دروں جینی کا رویہ کہیں زیادہ صوبہ رویہ تھا اس بنیاد پر ہم مغرب کے نصف کرے کی مادی اور تکنیکی ترقی کو بھی بیان کر سکتے ہیں اور اس کے برعکس مشرق کی مادی غربت ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کی روحانی ترقی بھی ہے۔

نفسیاتی اقسام میں ڈونگ ان دونوں رویوں کے اثرات کو تاریخی حوالے سے بیان کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ ان رویوں نے کس طرح فلسفیانہ تفکیرات اور مذہبی ارتقاء میں حصہ لیا۔ پھر وہ ان کے اثرات شاعری، جمالیات اور بالآخر نفسیات میں بھی تلاش کرتا ہے، اس کے خیال کے مطابق نفسیات کے مختلف مکاتب فکر میں یہ فرق ہے۔ اور خاص طور پر فرائیڈ (Adler) اور خود اس میں، وہ بنیادی رویوں ہی کا فرق ہے۔ فرائیڈ کا رویہ بیروں جینی کا رویہ ہے کیونکہ وہ کردار سازی کے فعال عمل کو باہر کے لوگوں اور واقعات سے متعلق کرتا ہے۔ ولٹر کا رویہ دروں جینی کا رویہ ہے، کیونکہ وہ باطنی رویے کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور حصولِ قوت کے ارادے (Will To Power) کی بات کرتا ہے۔ خود ڈونگ کے رویے کو بھی دروں جینی کا رویہ کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جس عنصر میں ڈونگ کی دلچسپی سب سے زیادہ ہے اس کا تعلق اندرونی دنیا سے ہے۔ خاص طور پر اجتماعی لاشعور سے۔

اس کو شش میں کہ انسانوں کو ایسی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جو پہچانی جاسکتی ہوں۔ ڈونگ کا تعلق شعور کی نفسیات سے ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کو بیروں میں یا اندروں میں کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شعوری سطح پر اس کا تعلق ایک قسم سے ہے یا دوسری قسم سے۔ ایک متوازن رویے میں اندروں میں اور بیروں میں کے رویے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ مگر اکثر اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک رویہ کو ترقی مل جاتی ہے مگر دوسرا لاشعور میں رہ جاتا ہے مگر یہ لاشعوری رویہ کبھی نہ کبھی اپنا اظہار ضرور کرتا ہے اگرچہ یہ اظہار کمتر سطح کا ہوتا ہے۔

مثیل کے طور پر ایک شخص جو عام طور پر خاموش طبع اور تخیلی پسند ہو یعنی اندروں میں ہو وہ کسی ایسی بات پر جس میں اس کو واقعی دلچسپی ہو بہت زیادہ سرگرمی دکھائے، مگر اس کے باوجود بھی اس کا تعلق اپنے ارد گرد سے ویسا گہرا نہیں ہو گا۔ جیسا کہ ایک بیروں میں کا ہوتا ہے۔ وہ کسی ایسے خاص شخص سے ٹایاب چرچے کے بارے میں بات کرے گا۔ جس کو ان سے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں ہو گی یا وہ کسی اکتائے ہوئے مسلمان کو قدیم مخطوطے (Manuscripts) دکھائے گا۔ جس کو یہ اندازہ بھی نہیں ہو پائے گا کہ اس کو ڈکھاؤ میں رکھا گیا ہے۔

دروں میں تفریق ابتدائی زندگی ہی سے واضح ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس بات یقین کرنے کے جواز بھی موجود ہیں کہ ان کو پیدائشی سمجھ لیا جائے۔ ایک ہی خاندان میں دروں ہیں اور بیروں ہیں بچے دیکھے جاسکتے ہیں۔ بعض اوقات مؤخر الذکر قسم کے لئے خاص الجھن کا باعث ہوتے ہیں جو اپنے ایسے بہن بھائیوں سے جو زیادہ میل جول رکھنے والے ہوں، خاصہ پریشان رہتا ہے۔

”سب سے پہلے جس خاصیت سے ایک بیروں میں بچے کو پہچانا جاسکتا ہے جو اپنے ماحول کے ساتھ اس کا مطابقت پیدا کرتا ہے اور یہ بھی کہ وہ مختلف چیزوں کو کیا اہمیت دیتا ہے اور ان پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے۔ چیزوں کے سلسلے میں شرمیلہ پن بہت کم ہوتا ہے، وہ بڑے احمق کے ساتھ چیزوں کے درمیان رہتا ہے اور حرکت کرتا ہے۔ اس کا ادراک بہت تیز ہوتا ہے مگر احمق (HAPHAZARD) ہوتا ہے۔ ظاہر کہ اس صورت میں اس کی پیش قدمی بیروں میں بچے سے کہیں زیادہ تیز رفتار ہوتی ہے کیونکہ وہ کم متلا ہوتا ہے اور اصولی طور پر بے خوف اور بڑا ہوتا ہے۔ ظاہر وہ اپنے اور اشیاء کے درمیان میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتا لہذا وہ آزادی کے ساتھ ان سے مکمل سکھتا ہے اور ان کی مدد سے تربیت حاصل کر سکتا ہے، جو جس کام کا بھی ارادہ کرے اسے آخر تک لے جاسکتا ہے، اور ایسا کرتے ہوئے وہ خطرات بھی مول لے لیتا ہے، ماحول اس کے لئے اشتیاق کا باعث بن جاتا ہے۔“

اس قسم کے بچے والدین اور اساتذہ میں بہت مقبول ہوتے ہیں، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ماحول سے مطابقت پیدا کر چکے ہیں اور ان کو ذہین تر سمجھا جاتا ہے، خواہ وہ حقیقی

طور پر اتنا ذہین نہ بھی ہوں، نشوونما اور ترقی پذیری کے زمانے میں ایسے بچوں میں یہ اہلیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے بارے میں بہتر تاثر قائم کریں۔

دروں میں بچہ شرمیلا ہوتا ہے، ہنگامہٹ کا شکار ہوتا ہے، اسے نئی صورت حال پسند نہیں ہوتی، وہ نئی اشیاء کا سامنا بھی بہت محتاط ہو کر کرتا ہے۔ بعض اوقات اس میں خوف بھی شامل ہوتا ہے، وہ اکیلے ہی کھیلتے رہنے کو فوقیت دیتا ہے، دوست بھی بنائے تو زیادہ نہیں بناتا، ایک آدمی پر ہی اکتفا کرتا ہے، چونکہ وہ وسیع بنانے پر تعلق پسند ہو جاتا ہے، اس لئے ایسے بچے کے والدین اس کے بارے میں تشویش کا شکار ہو جاتے ہیں، مگر وہ ویسے ہی نارمل (NORMAL) اور ذہین ہوتے ہیں، جیسے کہ بچوں کی دوسری اقسام، وہ سوچنے سمجھنے والے اور غور و خوض کرنے والے ہوتے ہیں اور عام طور پر ان کی زندگی عقیدے سے معمور ہوتی ہے، ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ ان کو بظاہر نظر نہ آنے والے طبقے کو ترقی دینے کا موقع فراہم کیا جائے اور انہیں دنیا کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے کچھ وقت فراہم کر دیا جائے۔

بہروں میں نوجوان لئے بٹلے والے ہوتے ہیں، وہ لوگوں کو آگے بڑھ کر ملتے ہیں، وہ ہر شے اور تمام چیزوں میں دلچسپی رکھتے ہیں، ایسے گروہ کا نوجوان تھکیوں، گروہوں اور معاشرتی اجتماعات کو پسند کرتا ہے اور پارٹیوں میں حصہ لیتا ہے اور عام طور پر فعال اور مجموعی طور پر مددگار ہوتا ہے، یہی وہ قسم ہے جو ہماری معاشرتی زندگی کو سرگرم رکھنے میں فعالیت نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ بہروں میں دانشور بھی ایسی ہی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ کام کرنے میں لذت محسوس کرتے ہیں وہ اپنی تعلیمات اور خیالات کو دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور ایسا کرنا ان کا پسندیدہ شغل ہوتا ہے اور دنیا کے ساتھ ان کا پسندیدگی کا رویہ ان کو ایسا کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

بہروں میں لوگ رجحانیت پسند (Optimists) اور ذوق و شوق رکھنے والے ہوتے ہیں، اگرچہ ان کا یہ ذوق و شوق زیادہ دیرپا نہیں ہوتا، یہی بات دوسروں کے ساتھ ان کے تعلق کے بارے میں بھی درست ہے۔ تعلقات جلدی جلدی بناتے ہیں اور اسی انداز سے توڑ بھی دیتے ہیں۔

بہروں بچوں کی یہ کمزوری اس رجحان کی وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ سلیمت کا شکار ہوتے ہیں، ان کا ذوق و شوق زیادہ دیر تک قائم رہتا والا نہیں ہوتا، اپنا بہتر تاثر قائم کرنے کے لئے ان

کو لوگوں کی موجودگی پسند ہوتی ہے، اور وہ لوگوں کے درمیان وقت گزارنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ وہ تھمائی کو پسند نہیں کرتے اور سوچتے رہنے کو مریضانہ عمل خیال کرتے ہیں، اور بھران کے اندر خود تنہیدی کا رجحان بھی نہیں ہوتا، لہذا وہ بیرونی دنیا کے لئے زیادہ قابل قبول ہوتے ہیں مگر یہ مقبولیت خاندانی سطح پر کمزور ہوتی ہے اور ان کے قریبی دوست بھی جو ان کو اچھی طرح جانتے ہیں ان کے اصل بہروپ کو پہچانتے ہیں۔ چونکہ ان کی مطابقت معاشرے کے ساتھ ہوتی ہے لہذا وہ اپنے زمانے کی اخلاقیات اور رواجوں کو قبول کر لیتے ہیں، لہذا وہ اپنے آراء میں روایت پسند ہو جاتے ہیں، لیکن تاہم وہ معاشرتی زندگی کے لئے سب سے زیادہ کار آمد اور مطلقاً لازمی لوگ قرار پاتے ہیں۔

اس کے برعکس دروں میں تو جو ان جلوت کو پسند نہیں کرتے اور تھمائی محسوس کرتے ہیں اور بڑے بڑے اجتماعات میں خود کو گم کردہ محسوس کرتے ہیں، وہ حساس ہوتے ہیں اور یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ کھوئے کھوئے نظر آئیں، لیکن عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ وہ معاشرتی صورت حال سے مطابقت محسوس ہی نہیں کرتے، وہاں وہ گم شدہ نظر آتے ہیں یا بھرست زیادہ مدد چھٹ ہو جاتے ہیں یا پھر اگر وہ بہت زیادہ نرم خو یا نرم گفتار ہو جائیں تو بھی وہ کھوئے کھوئے سے نظر آتے ہیں۔ ان کے اندر یہ رجحان ہوتا ہے کہ وہ خود کو بہت زیادہ خمیر زدہ، قنوطیت پسند یا پھر عیب جو ظاہر کریں۔ وہ زیادہ تر اپنی خصوصیات کو اپنی ذات تک ہی محدود رکھتے ہیں، لہذا قدرتی طور پر ان کے بارے میں غلط اندازے لگائے جاتے ہیں۔

چونکہ وہ اپنی بہترین خصوصیات کا اعتراف بہ دروازہ ماحول ہی میں کرتے ہیں، لہذا ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے، اس رویے کے نتیجے کے طور پر وہ اپنے بہسروں کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ثابت نہیں ہوتے، چونکہ وہ اپنی توانائی دوسروں کو متاثر کرنے پر خرچ نہیں کرتے اور معاشرتی تعلقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیتے، لہذا اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ ان کے پاس ایسا علم ہو جو غیر معمولی نوعیت کا ہو اور انہوں نے کوئی ایسی خوبی اپنے اندر پیدا کر لی ہو جو عام معیار سے بہت بلند ہو۔

دروں میں لوگ جب اکیلے ہوتے ہیں، تو اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں یا پھر بھروسے اور قریبی حلقوں میں، جو گنگلو اور گنگلوں کے حلقے میں اپنے خاص خیالات رکھتے ہیں اور شور شرابا کرنے کی بجائے خاموشی سے کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، ان کی اپنی رائے

عام طور پر قبول شدہ رائے ہے، 'انہیں کہیں زیادہ عروج ہوتی ہے۔ دونوں میں محض اس لئے بھی کتاب کو پڑھنے سے انکار کر سکتا ہے کہ وہ کتاب مقبول ہو چکی ہے اور وہ ہر اس شے کے بارے میں بری رائے رکھ سکتا ہے، جو وسیع پیمانے پر قبول کی جاتی ہو، رائے کے سلسلے میں یہ انفرادیت اور روایت پسندی قبول نہ کرنے کا رویہ اس وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب اس کی صحیح تفہیم کی جائے اور اسے عملی استعمال میں لایا جائے۔ اس کے باوجود کہ لوگ ان کے بارے میں بہت اچھی رائے نہیں رکھتے تو وہ ہر دو اور دقتدار ساتھی بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

بد قسمتی سے دونوں اقسام ایک دوسرے کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں اور محض دوسرے کی کمزوریاں ہی تلاش کرتے ہیں۔ انڈاہیوں بین کے لئے اندروں بین خود پرست اور تنگ مزاج ہے۔ جبکہ اندروں میں بیروں میں کو سلی اور غیر غلط خیال کرتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ دونوں کے فرق غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں اور شادی شدہ زندگی کو مشکل بنا دیتے ہیں، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ دونوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی مخالف قسم کے ساتھ شادی کریں۔ ہر ایک یہ توقع کرتا ہے کہ دوسرا زندگی کے اس رخ کو سنبھالے گا جس میں وہ سہولت محسوس نہیں کرتا وہ مرد جو خاموش رہنا پسند کرتا ہو، سوچتے رہنے کا عادی ہو، ایسی بیوی چاہتا ہے جو خوش باش ہو اور عملی ہو، تاکہ وہ ایسے سوشل اجتماع کرے جو اسے اس کے کاروبار یا نوکری میں مددگار ثابت ہوں اور شریکی اور الگ تھلک رہنے والی عورت ایسا خلوند پسند کرتی ہے کہ وہ اس کو گھر پر اکیلا چھوڑ دے، مگر خود دنیا کے جمیلوں میں پوری طرح مصروف ہو چلا کرے۔ اس وقت تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہتا ہے جب تک معلومات کا تعلق زندگی کی ضرورتوں سے مطابقت پیدا کرتا ہوتا ہے یا پھر مالی پوزیشن کو مستحکم بناتا ہوتا ہے یا جب خاندان کی تعمیر پر نظر ہوتی ہے۔ جب تک وہ اس سطح پر مطمئن رہیں (خواہ ایسا صرف دکھاوے کے لئے ہی ہو) یہ ایک مثالی شادی نظر آتی ہے لیکن اگر وہ صحیح معنوں میں فہم و تفہیم کا حصول چاہیں یا گہری رفاقت کے خواہش مند ہوں تو مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہر کوئی مختلف زبان بولتا ہے اور ہر ایک کے لئے دوسرے کی قدر حتمی قدر میں جاتی ہے۔

پھر دونوں ایک دوسرے کی دلچسپیوں پر نکتہ چینی شروع کر دیتے ہیں، ایک دوسرے کے نقصانات لگاتے ہیں، ایک دوسرے کے دوستوں سے اس بارے میں گفتگو چلاتی ہے۔ ایک کو حش کرتا ہے کہ دوسرے کو ابھمن میں ڈال دے یا پھر اپنے ساتھی کی بے مبری کا گھڑ کرنا

ہے۔ ہر ایک کو شکایت ہوتی ہے کہ اسے سمجھا نہیں جا رہا یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی خود رچی کا شکار ہو جائے اور کسی ایسے کی تلاش شروع کر دے جو اس سے ہمدردی رکھتا ہو اور اس کی بات کو سمجھتا ہو۔ یا کم از کم دکھلوے ہی کے لئے ایسا کرتا ہو، پھر غیر محسوس طور پر غلطی بدھتی ہی چلی جاتی ہے اور دو اقسام ایک دوسرے کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتی ہیں۔

بعض اوقات صبر اور برداشت اور یہ کوشش کہ ایک دوسرے کی قدروقیمت کو سمجھا جائے اس غلطی کو پائ دیتی ہے یا کم از کم وقتی طور پر ایسا ہو جاتا ہے۔ مگر اکثر اوقات لڑائی میں شدت آ جاتی ہے اور زہریلی جنگ شروع ہو جاتی ہے، خواہ بقول ڈونگ یہ سبھی کچھ پوری رازداری اور غلوں کے ساتھ ہی کیوں نہ کیا جائے۔ اس مسئلے کا صحیح حل دونوں کی شخصیت کے ارتقاء کے ان مسائل میں پوشیدہ ہے جو اکثر اوقات نفسیاتی مدد کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ دروں بنی اور بیروں بنی کے مابین جو امتیازات تلاش کئے جاتے ہیں وہ شخصیت کے ان تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرتے، جو مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں، دروں بین کسی خاص راستے پر چلنے سے گریز کرتا ہے یا پیچھے ہٹ جاتا ہے، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ دوسرا دروں میں بھی یہی کچھ کرے۔ بیروں میں اپنی دانش، احساسات، حس اور اک یا وجدان کی مدد سے دنیا کے ساتھ رشتہ استوار کرتا ہے۔ ہر ایک ہٹا کی اس جدوجہد میں وہی کچھ استعمال میں لاتا ہے جسے ڈونگ نے ”سب سے زیادہ ترقی یافتہ تفاعل سلہ (Most Developed Function) کا نام دیا ہے۔

ڈونگ کا خیال ہے کہ دنیا سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے، ہم چار تفاعل استعمال میں لاتے ہیں (انہی کا تعلق ہماری باطنی دنیا سے بھی ہوتا ہے)۔ (حس (Sensation) وہ اور اک ہے جو حیات (Senses) کی مدد سے ہوتا ہے، فکر (Thinking) جو معانی اور تقسیم عطا کرتا ہے۔ احساس (Feeling) جو ٹوٹا ہے اور قدروقیمت متعین کرتا ہے، اور وجدان (Intuition) جو ہمیں مستقبل کے امکانات سے آگاہ کرتا ہے اور ہمیں اس فضا کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے، جو ہمارے تمام تجربات کو گھیرے ہوئے ہیں۔

جب کوئی رد عمل عادت کی صورت اختیار کر لیتا ہے، تو کہا جاسکتا ہے کہ اب وہ خاص قسم (Type) ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو دوسروں سے کہیں زیادہ سوچے اور فکر کرتے ہیں، جو فیصلہ کرتے وقت اپنی سوچ کو بنیاد بناتے ہیں، جو چیزوں کے بارے

میں فکر کرنا پسند کرتے ہیں، جو فکر کو انسانی خواص میں سے سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں، ایسے لوگ دردوں میں بھی ہو سکتے ہیں اور بیروں میں بھی اور اس کی وجہ سے ان کے خیال کا بنیادی مواد متاثر ہوتا ہے، بیروں جنوں کے خیال کا رخ بیرونی دنیا کی طرف ہوتا ہے، وہ حقائق اور مادی مواد میں دلچسپی رکھتے ہیں، اور جہاں تک خیالات کا تعلق ہے وہ یا تو روایت سے آتے ہیں یا اپنے زمانے کے ماحول سے۔ ان کا ابھرتا اس شے سے متعلق ہوتا ہے جس کو حقیقت (Reality) کہا جاتا ہے، اسی شے کو عام طور پر سوچ بچار کا جام دیا جاتا ہے مگر ٹوٹک اس بات کا دعوے دار ہے کہ اس طرح فکر کی اصطلاح ایک اور جگہ بھی منطبق ہوتی ہے اور اس سے انکار بھی ممکن نہیں ہے۔

میں اس طرح کی فکر تک اس طریقے سے رسائی حاصل کرتا ہوں۔ جب میرے خیالات کسی شخص شے سے متعلق ہیں یا اس طرح کے عمومی خیالات ہیں کہ سوچ بچار کے دوران آخر کار وہ اس شے کی طرف واپس آجاتے ہیں مگر یہ دانشورانہ عمل تھا نفسیاتی ردود نہیں ہوتا، جو اس وقت وقوع ہو رہی ہوتی ہے، میں ان تمام ممکنہ شخص اور احساسات کا ذکر نہیں کروں گا، جو واضح طور پر خیال کی رو کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں اور کم و بیش پریشان کن ہوتی ہیں، یہ بھی کچھ معروضی مواد سے ابھرتا ہے اور دوبارہ معروض کی طرف رخ کرتا ہے اور معروض کے ساتھ ہر حالت میں اپنے تعلق کو قائم رکھتا ہے، یہ رشتہ ایسا ہے جس کے بغیر کسی بھی فکری عمل کا رخ معروضی مواد کی طرف نہیں ہو سکتا، تاہم یہ میرا موضوعی (Subjective) عمل ہے، وہ نہ ہی موضوعی استخراج سے بھاگ سکتا ہے اور نہ ہی اپنی گھوٹلاسی کروا سکتا ہے، خواہ میں اپنے سلسلہ خیال کو مکمل طور پر معروضی (Objective) رخ دینے کی کوشش ہی کیوں نہ کروں، میں کسی طرح بھی موضوعی حجازی عمل کو جو تمام شرائط پر محیط ہے، خارج کرنے کی کوشش کروں، یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا جب خیال سے زندگی کی رشتہ ہی بجا دی جائے گی۔ حجازی (Parallel) موضوعی عمل ایک قدرتی رجحان رکھتا ہے، جسے بس تھوڑا بہت ہی بدلا جاسکتا ہے، تاکہ معروضی حقائق میں موضوعی رنگ آجائے اور وہ خود سوچنے والے کے لئے قابل قبول ہو جائے۔

جب بھی اعلیٰ ترین قدر کو موضوعی عمل کی کھلائی میں ڈالا جاتا ہے تو پھر کسی اور طرح کی

سوچ ابھرتی ہے، جو چیزوں میں فکر سے مختلف ہوتی ہے۔ بلکہ مخالف ہوتی ہے۔ یہ خیال تو غلطی کا موضوع بنیاد رکھتا ہے، جس کو میں اردوں جی کے نام سے یاد کرتا ہوں، جو فکر اس طریقے سے ابھرتا ہے، وہ نہ تو معروضی کما جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی بنیاد معروضی مواد ہوتا ہے۔ لہذا وہ فکر جو موضوعی مواد سے ابھرتی ہے، اس کا رخ موضوعی قائل حقائق کی طرف ہوتا ہے یا وہ موضوعی کردار کے حقائق ہوتے ہیں۔

کسی خیال کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ موضوعی ہے، ایک طرح کی الزام تراشی سمجھی جاتی ہے۔ مگر اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ کوئی بھی فکر، مفکر کے بغیر ممکن نہیں ہے اور اس کی شراکت کی وجہ سے خیال اپنی آخری شکل اختیار کرتا ہے۔

چیزوں میں فکر کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی اصل میں زمین کی فطرت کے بہت قریب ہوتی ہے وہ معروض پر مرکوز ہوتی ہے اور اس تنظیم سے بھی جو معروض پیدا کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کی حدود بھی ہوتی ہیں، وہ حقائق کے ساتھ بہت ہی طرح بندھی ہوتی ہے وہ ان سے باہر نہیں دیکھ سکتی، اور اپنے آپ کو اس طرح آزاد نہیں کر سکتی کہ وہ کوئی غیر مٹی مثالیہ، پیدا کرے، اس میں بہت سے غیر ہضم شدہ اجزاء جمع ہو جاتے ہیں۔ وہ اس دہدھا (Dilemma) سے فرار کی صورت مصنوعی سادگی کی شکل میں نکالتی ہے۔ وہ فارمولے (Formulae) اور تصورات بناتی ہے، جو ان عوامل کو بظاہر یکجا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔

چارلس ڈارون (Charles Darwin) جیسا تخلیقی مفکر جو چیزوں میں فکر کی اعلیٰ مثال ہے، اپنے جمع کردہ مخالف حقائق کو مرتب کر کے حل ہوا، لیکن کیا یہ ممکن تھا کہ وہ محض متفرق حقائق ہی یکجا کرتا رہتا اور ان سے تخلیقی خیال کی کمی پوری ہو جاتی، جب انہیں میں پہاڑ جیسے ایسے حقائق بھی تھے جو مشتبہ قدر پیدا کرتے تھے۔

جب کسی فرد کی ذہنی زیادہ تر اس کی فکر کے تحت ہو، اور اس کے اعمال عمومی طور پر دانشورانہ حرکت کا نتیجہ ہوں، تو پھر اسے جائز طور پر مفکرانہ قسم (Thinking Type) سے متعلق کیا جا سکتا ہے۔ اس کی خاص قسم عام طور پر مردوں میں پائی جاتی ہے، عورتوں میں نسبتاً کم۔ ایسے لوگوں کے فکر کی نوعیت عام طور پر وجدانی ہوتی ہے۔ یہ قسم خود غرض کے بعد

جب نتیجے پر پہنچتی ہے تو اس کا مواد زیادہ تر معروضی ہوتا ہے اور وہ انہیں کو حقائق شمار کرتی ہے، اسے منطقی اور معروضی مواد پر انحصار کرتا ہوتا ہے اور اپنے نقطہ نظر کو بیان کرنے کے لئے عام طور پر وہ صاف سطر فارمولا ایجاد کرنا پسند کرتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی اصولوں کے تحت گزارتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے بھی یہی کچھ کریں۔ جہاں تک بھی ممکن ہو وہ اپنے خاندان، اپنے دوستوں اور اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو اس نظام کا حصہ بنانا پسند کرتا ہے۔ اس کے اندر یہ شدید رجحان موجود ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا ہوا فارمولا حتیٰ سچائی کا نمائندہ ہے۔ لہذا یہ اس کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنے اعتقادات کو دوسرے تک پہنچائے۔ اس کا یہ رویہ اس کو ایسے حالات میں بھی لے جاسکتا ہے، جہاں وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کوئی بھی ذریعہ استعمال کرنے سے گریز نہ کرے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ عقلی اور منطقی بنیاد رکھتا ہے لیکن اصل میں ہوتا یہ ہے کہ وہ ہر اس شے کو ماننے سے انکار کرتا ہے، جو اس کے نظام اشیاء میں پوری نہیں اترتی۔ وہ غیر عقلی عناصر کو پسند بھی کرتا ہے اور ان سے ڈرتا بھی ہے۔ وہ اپنے جذبات و احساسات کو دہاتا بھی ہے اور اس میں یہ رجحان بھی پلایا جاتا ہے کہ وہ مرد مر ہو جائے اور انسانی کمزوریوں کی تقسیم میں ٹھیک سے نہ کر پائے۔ وہ دوستی کے فن اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مراسم کو نظر انداز کرتا ہے اور اکثر اوقات خاندان کا سفاک ترین فرد ہوتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں اور خاندان کو بغیر یہ سوچے سمجھے کہ وہ کیا کر رہا ہے، قربان کر سکتا ہے۔ کیونکہ اسے یہ گمان ہوتا ہے کہ اسی میں اس کی بھلائی ہے۔ اس قسم کا شخص محبت کے معاملے میں بھی بد قسمت ہوتا ہے۔ اس کے دیے ہوئے احساسات بڑی بے رحمی سے اہل پڑتے ہیں اور اس کے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اس کے جذبات ایسی خاتون سے بھی حلق ہو سکتے ہیں جو کسی طرح بھی اس کے لئے سوزوں نہ ہو۔ حتم بلائے حتم یہ بھی کہ اس پر جذباتی جھٹک سوار ہو جاتے ہیں اور وہ اس کا اعتراف بھی نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے اعتقادات کے بارے میں شبہات کا اظہار ہی کرتا ہے، اور وہ دعوئوں کی طرح ان سے چننا رہتا ہے۔ اس کے اندر فرض نبھانے کی شدید خواہش ہوتی ہے اور زندگی کے بارے میں جو فارمولا اس نے بنایا ہوتا ہے اس میں بہت سی خوبیاں بھی ہوتی ہیں۔ وہ بلاواقعات امتحانی اعلیٰ بھی ہو سکتی ہیں مگر جس طرح وہ ان کا اظہار کرتا ہے اس میں نہ گرجوٹی ہوتی ہے نہ برداشت اور اس میں ایسے انسانی خواص بھی ہوتے ہیں جو اس کی بھائی ہوئی حکیم یا فارمولے میں پورے نہیں اترتے۔

اس کی سوچ ہر حال مثبت (Positive) ہوتی ہے۔ اس سے ہر حال نئے حقائق اور نئے تصورات پیدا ہوتے ہیں۔

اس وقت بھی جب اس کا تجربہ کیا جاتا ہے، اسے تشکیل دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ ہی صورت حال تجربے سے ملور ہو کر نئے سلسلے کی طرف چلی جاتی ہے۔ یہ ہر حال اس کی خاصیت ہے کہ وہ نہ تو نقصان دہ ہوتی ہے اور نہ ہی تجزیہ اور ہر وقت پرانی روشدہ قدر کی جگہ نئی قدر موجود ہوتی ہے۔ یہ خوبی اس حقیقت کے باعث پیدا ہوتی ہے کہ فکری وہ راستہ ہے جس پر اس کی توانائی نئی چٹان قدری کر سکتی ہے۔

یہاں چنی کے برعکس دروں چنی فکری حقائق میں دلچسپی نہیں رکھتی بلکہ وہ تو خیالات (Ideas) پر انحصار کرتی ہے۔ اس قسم کی فکر کی اہم ترین قدر وہ نیا نقطہ نظر ہوتا ہے، جس کی وہ نمائندگی کرتی ہے۔

یہاں حقائق، ہدف نہیں ہوتے۔۔۔ اس کے ماخذ (Origin) جیسا کہ دروں میں صاحب فکر بیان کرنا چاہتا ہے، کچھ سوالات اور کچھ نظریات تشکیل دیتا ہے۔۔۔۔۔۔ وہ ناظر تلاش کرتا ہے اور بصیرت مٹا کرتا ہے، مگر حقائق کا سامنا کرتے ہوئے وہ حقائق کا اظہار کرتا ہے۔ وہ یہ تو سمجھتا ہے کہ ان کی کچھ قدر وقت ضرور ہے مگر وہ اسے بروئے کار لانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ وہ انہیں ان کی سطح پر کبھی قبول نہیں کرتا۔۔۔۔۔ اس کی حقیقی حقیقی قوت اس حقیقت سے طاقت ہوتی ہے کہ اس کی فکر ایسے خیال کو پیدا کرتی ہے جو خواہ یہاں حقیقت میں موجود نہ ہو، مگر وہ اس کا سب سے زیادہ مجرد (Abstract) اظہار ہے۔

دروں میں فکری قسم کی دلچسپی یہاں حقیقت کی بجائے بالذاتی حقیقت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کے لئے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ اولین تشہیل کو ترقی دی جائے اور اس کی نمائندگی کی جائے اور اس کی صورت گری مختلف خیالات میں کی جائے، یہ اس کے لئے ایک ایسی طاقت ہے جس سے افکار ممکن نہیں ہے۔ اسے غیر واضح سادہ تصور بھی ہوتا ہے کہ اس کا خیال دنیا کے لئے کارآمد ہے اور کئی بار تو اس کا حتیٰ فیصلہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اگر جانتا تو اسے محفوظ رکھ

سکتا تھا کہ یہ جانوی تاثرات اس کے لئے فیصلہ کن اہمیت کے حامل نہیں ہوتے۔

دروں میں منظر کو اگر باہر سے دیکھا جائے تو وہ عجیب و غریب کردار نظر آتا ہے، چونکہ اس کا تعلق اندرونی حقائق سے ہوتا ہے لہذا وہ دنیا کے ساتھ اپنے رشتے کو بہت ہی کم اہمیت دیتا ہے۔ اسے یہ خبری نہیں ہوتی کہ ہو کیا رہا ہے اور نہ وہ محسوس کر سکتا ہے کہ دوسرے لوگ کس طرح سوچتے اور محسوس کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کی موجودگی میں یا تو جھجک محسوس کرتا ہے یا غاموش رہتا ہے۔ یا پھر کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جو مناسب نہیں ہوتی۔

بے دماغ (Absent Minded) پر و فیسروروں میں منظر کی صحیح مثال ہے۔ فلسفی شوپنہاؤر (Schopenhauer) کے بارے میں ایک دلچسپ کہانی اس کردار کو واضح کرنے کے لئے ایک اچھی مثال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دفعہ پھولوں کی ایک کیاری کے درمیان گھڑا ہوا گیا۔ جب ایک باغبان یہ جاننے کے لئے چچکا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور وہ ہے کون اور اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے! تو شوپنہاؤر نے آہ بھر کر کہا "کاش مجھے اس سوال کا جواب معلوم ہوتا۔"

ان دونوں فکری اقسام کی کنزورڈی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے احساسی تفاعل کو نظر انداز بھی کرتے ہیں اور وہ پوری طرح ترقی یافتہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ سمجھنے کے لئے ڈونگ کی احساس (Feeling) سے کیا مراد ہے۔ ہمیں وہ مختلف طریقے دیکھنے ہوں گے، جن میں یہ فقط استعمال ہوتا ہے۔ لفظ یا گرم محسوس کرنا ایک احساسی تاثر ہے۔ یہ محسوس کرنا کہ کوئی شے ہونے والی ہے یا کوئی دھوکا دے رہا ہے (یا پھر اسی طرح کا کوئی اور احساس ہونا) وجدان یا قیافہ (Hunch) سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر حال جب کوئی یہ کہتا ہے۔ مجھے احساس ہے، میں اس سلسلے میں اچھا محسوس نہیں کرتا یا اچھا محسوس کرتا ہوں، تو اس وقت انسان اپنے جذبات کی واردات کا اندازہ لگا رہا ہوتا ہے۔ انہیں معنوں میں ڈونگ احساس کی اصطلاح کو استعمال کرتا ہے۔ جب اس احساسی تفاعل کی بات کرتا ہے۔

جب ہم اس خیال سے غور کرتے ہیں کہ ہمیں کس چیز پر پہنچنا ہے اور جب ہم یہ

محسوس کرتے ہیں کہ یہ موقعہ ایسا ہے کہ کسی خاص شے کی قدر و قیمت چھین کر لی

ہے۔

احساس کو کئی بار جذب (Emotion) سے خلط ملط کر دیا جاتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے

کہ ڈونگ ایک ہی وقت میں دونوں پر بات کرتا ہے جیسے کہ وہ دونوں ایک ہی چیز ہوں، مگر جب وہ واضح کرنا چاہتا ہے تو پھر اپنی وضاحت سے کہتا ہے کہ کوئی تفاعل بھی جذبہ بن سکتا ہے اور کوئی جذبہ بھی تفاعل کا روپ دھار سکتا ہے مگر جذبہ تفاعل ہوتا نہیں ہے، نہ ہی احساس ابھی ہونی سوچ ہوتا ہے، جیسا کہ فکری قسم اکثر اوقات محسوس کرتی ہے۔ یہ وہ تفاعل ہے جس سے اقدار کو تولا جاتا ہے اور پھر انہیں قبول یا رد کیا جاتا ہے۔

ڈونگ احساسی فیصلوں (Feeling Judgments) اور احساسی صورت حال (Situation) کا ذکر کرتا ہے۔ احساس کی اقلیم میں یہ دونوں ہی شامل ہیں، مگر دوسری صورت میں احساس جذبے کے بہت قریب ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں قدرتی عنصر کا بھی دخل ہوتا ہے۔ احساسی صورت حال میں انسان اپنے بارہ گرد کا اندازہ کرتا ہے اور پھر اس کے مطابق رد عمل کا اظہار کرتا ہے۔ عام طور پر اس معاملے میں عورتیں زیادہ مشاق ہوتی ہیں، مگر کچھ مرد بھی ایسے ہوتے ہیں جنہیں احساسی قسم کہا جاسکتا ہے۔ وہ ان موقعوں پر سب سے بہتر ہوتے ہیں جب ذاتی رشتوں کی اہمیت کا سوال ہو، کسی بھی طرح کے وسطی لوگ (Intermediaries) جن میں ڈپلومیٹ (Diplomat) اور سیلز مین (Salesmen) شامل ہیں، عام طور پر ترقی یافتہ احساس کے حامل ہوتے ہیں۔

احساس اور فکر دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ سائنس جس میں فکری بنیادی تفاعل ہوتا ہے، پست ترین خوردبینی جراثیم (Microbe) کو بھی اتنی ہی توجہ دینی پڑتی ہے جتنی سوچ کو دی جاتی ہے۔ مگر احساس اس رویے کی حمایت نہیں کرتا اور اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ شے کی قدر و قیمت دیکھ کر اس کی اہمیت کو تسلیم کیا جائے۔

احساس ایک عقلی تفاعل ہے۔ انسان عام طور پر یہ محسوس نہیں کرتا کہ کوئی شے ایک وقت میں عقلی قدر ہوتی ہے اور دوسرے لمحے محسوس ہوتی ہو جاتی ہے۔ احساسی اقسام چیزوں کے پارے میں ایک منظم رویے کی حامل ہوتی ہیں۔ اقدار کا ایک فوقیت منظم (Hierarchy) ہوتا ہے جس پر وہ کاربند ہوتی ہیں اور ان میں تاریخ اور روایت کا گہرا احساس ہوتا ہے۔ یہ ایک امتیازی تفاعل ہے جس میں احساس کی کارفرمائی بہت کم ہوتی ہے یا بالکل نہیں ہوتی، جیسے کہ یہ ایک احتمالی مثال ہے۔ یہودی بن فکر کی۔ جس میں بس حقائق جمع کر لئے جاتے ہیں۔ کچھ اقدار یا مکمل طور پر بھی اقدار ان کے لئے بے قدر ہوتی ہیں۔

احساس کا خصوصی تعلق انسانی رشتوں کے ساتھ ہے۔ چنانچہ لوگوں سے لگاؤ (یا غیر لگاؤ) ہوتا ہے ایک دوسرے کے ساتھ کردار کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے اور اس لئے یہ بہت سے مذاہب میں ایک اہم عنصر ہے خصوصاً عسائیت اور بدھ مت دونوں کے اندر۔

جب احساس کو دوسرے تقاضے پر فوقیت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اسے ہم احساسی قسم کہتے ہیں اور جب یہ قسم ہیروں بنی کے احساس کے تحت آتی ہے اور وہ اپنے ارد گرد سے مطابقت پیدا کرتی ہے۔ یہ قسم زیادہ تر مردوں کی بجائے عورتوں میں دیکھنے میں آتی ہے۔

ہیروں میں احساسی قسم دنیا کے ساتھ پوری مفاہمت رکھتی ہے اور وہ مجموعی طور پر اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کرتی ہے جسے عام طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسے اپنے عہد اور ماحول سے ہم آہنگ ہونے میں کوئی وقت نہیں نہیں آتی۔ یہ بات خاص طور پر اس وقت دیکھنے میں آتی ہے جب اس قسم سے متعلق خاتون کی شادی ہوتی ہے۔ وہ عام طور پر اپنے لئے ایک نہایت ہی موزوں شوہر کا انتخاب کرتی ہے اور یوں لگتا ہے جیسے اس نے یہ سبھی کچھ ایک حکمت عملی بنا کر کیا ہے مگر ہوتا یہ ہے کہ اسے محبت ہی ایسے شخص سے ہوتی ہے جو اس کے لئے انتہائی موزوں ہوتا ہے۔ ایسی خاتون اپنے ذاتی تعلقات میں خاصے لگاؤ کا مظاہرہ کرتی ہے اور اکثر اوقات احساس اور اپنے ذاتی محرکوں کو بروئے کار لاتی ہے، ایسی صورت حال جو پریشان کن ہو، اس کو بھی سمجھنا آتی ہے، اور زخموں پر ٹھنڈا پانی ڈالتی ہے اور پھر اسی کی وجہ سے سناٹا اور خاموشی زندگی ممکن ہوتی ہے۔ وہ قدرتی طور پر ایک اچھی میزبان ہوتی ہے اور گروہوں میں بہت ٹھیک محسوس کرتی ہے۔ بڑے بڑے اجتماعوں اور معاشرتی افعال میں اس کا کردار مثبت ہوتا ہے۔ جب ایسی احساسی قسم یہ اندازہ کرتی ہے کہ کسی کے ساتھ ناخوشگوار ہوئی ہے اور یا وہ کسی وجہ سے ناخوش ہے، تو اکثر اوقات اس کے دل میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں پر بہت سے اعلیٰ ترین معاشرتی کاموں کی کامیابی کا انحصار ہے۔ وہ اپنی اعلیٰ ترین صورت میں ہمدرد، کار آمد اور محرک انگیز ہوتی ہے اور اپنی بدترین صورت میں مصنوعی اور غلوں سے عاری نظر آتی ہے۔ جب تک احساس ذاتی ہوتا ہے، اصلی ہوتا ہے۔ مگر جب اسے سمجھ کر استہزاء تک لے جایا جائے، تو غیر منطقی اور مصنوعی بن جاتا ہے اور اس میں سے نمایاں انسانی حرارت غائب ہو جاتی ہے اور یوں لگتا ہے کہ اداکاری کی جارہی ہے۔ لہذا اس پر اقبال

نہیں کیا جاسکتا۔

دروں میں احساسی قسم پر اس کے باطنی عناصر چھائے رہتے ہیں اور یہ قسم بظاہر کسی گریجویٹ کا مظاہرہ بھی نہیں کرتی اور بیروں میں دوست اس سے یہ تاثر لیتے ہیں کہ وہ سرد سر ہے لیکن حقیقت میں انحصار نہ کرنے کے باوجود جذبات میں خاصی شدت پائی جاتی ہے، اس کے بارے میں یہ ضرب الغل بالغل درست ہے کہ گہرا پانی خاموشی سے بہتا رہتا ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر الگ تھلک سے نظر آتے ہیں، لیکن عام طور پر قریبی دوستوں کے لئے ان کے دل میں ہمدردی پائی جاتی ہے اور وہ بہت کمرائی میں ان کو جانتے بھی ہیں اور وہ ہر اس شخص کی مدد پر آمادہ ہو جاتے ہیں، جس کو واقعی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ احساسی خواتین میں جن کا تعلق اس قسم سے ہوتا ہے، اس کی ایک جھلک ان کے بچوں میں بھی نظر آ جاتی ہے۔ وہ کوئی مظاہرہ نہیں کرتی مگر اس کے دل میں شدید محبت ہوتی ہے، جو اس وقت بہت کھل کر سامنے آ جاتی ہے جب بچہ کافی بڑا ہو یا اسے اپنے بچے سے کسی طرح جدا کر دیا جائے، دروں میں احساسی قسم اپنا انحصار مذہب، شاعری اور موسیقی میں کرتی ہے اور کبھی کبھی غیر متوقع ذاتی قربانیاں بھی دے دیتی ہے۔ دروں میں احساسی قسم حالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتی، وہ الگ تھلک رہ کر بھی سچائی پر ہوتی ہے اور اگر اسے بھی کوئی کردار ادا کرنے پر مجبور کر دیا جائے تو وہ نوٹ پھوٹ سکتی ہے اس لئے اسے کئی بار پرائگنڈ ذہن (Schizoid) بھی کہا جاتا ہے۔ مگر ان قریبی حلقوں میں جن سے ان کا تعلق کمرہ ہوتا ہے ان کی قدر و قیمت کا اندازہ کر لیا جاتا ہے اور وہ مستقل اور ناقابلِ اعتماد دوست بناتے چلے جاتے ہیں۔

ڈونک احساس سے کیا مراد لیتا ہے۔ اسے اکثر صحیح طور پر سمجھا نہیں جاتا۔ اس سلسلے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ خمس (Sensation) سے کیا مراد لیتا ہے یعنی وہ شے جو حیات کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہے، جیسے حسی اور ذہنی خمس، اس شے پر انحصار کرنا ہے جو اسے ابھارنے کا سبب ہوتی ہے، اور اس کا انحصار وصول کرنے والے پر بھی ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں ہمارے کا سارا زور شے یعنی معروض پر ہوتا ہے۔ خمس کو بیروں میں ہی قرار دیا جاتا ہے۔ جب خمس کو فوجیت حاصل ہو اور وہ محض کسی تفاعل کا تاہیدی حصہ نہ ہو، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ خمس کی قسم ہے، اس قسم میں کوئی بھی معروضی خمس میا نہیں کی جاسکتی، دوسری اقسام میں خاص طور پر وہ دہائی قسم میں جو کچھ خمس کیا جاتا ہے شاذ و نادر ہی شعور تک پہنچتا ہے،

وہدانی لوگ اکثر یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کا کوئی جسم بھی ہے، انہیں لگتا ہے کہ وہ تو پرداز کر سکتے ہیں۔

فحس قسم چیزوں کو بلا کم و کاست دیکھتی ہے، وہ چیزوں کا تجربہ دیکھا ہی کرتی ہے جیسی کہ وہ ہوتی ہے، نہ کم نہ زیادہ۔ واردات کے ساتھ عقیدہ کا عمل دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان کے اندر دور تک دیکھا جائے یا ان کے اسرار تک رسائی حاصل کی جائے۔ جیسی چیزیں ہیں وہ دیکھی جائیں۔ ان کی قدر و قیمت ضمیمہ کرنے کی بھی کوشش نہ کی جائے، جو چیز اہم ہوتی ہے وہ تو فحس کی قوت اور نشاط ہے۔

یہ قسم چنانچہ غیر عقلی ہوتی ہے، فحس کے تجربات میں منطقی بہت کم ہوتی ہے، ایک ہی شے کسی اور وقت کسی اور فحس کو پیدا کر سکتی ہے، مگر اکثر اوقات انہیں عقلی اور منطقی سمجھ لیا جاتا ہے، کیونکہ ان کا ذور حقائق پر ہوتا ہے اور وہ بلند آہنگ نہیں ہوتیں، بلقی مزاج (Phlegmatic) بعض اوقات سمجھداری کا غلط تاثر قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ فحس اقسام عام طور پر قابل قبول ہوتی ہیں۔ وہ خوش باش لوگ ہوتے ہیں، جو ہنستا کھیلتا پسند کرتے ہیں۔ مگر ان کے لئے خطرہ اس امر میں مضمر ہوتا ہے کہ وہ اپنی حیثیت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ وہ زوال پذیر ہو کر بے لگام حلاشی (Unscrupulous Sybarites) میں پڑ جاتے ہیں یا پھر حلاشی نشاط میں بے یقین رہتے ہیں اور ہنگامے کی جستجو کرتے رہتے ہیں۔

جب یہ قسم ہیروں میں ہوتی ہے تو پھر اس بات کو بہت اہمیت حاصل ہو جاتی ہے کہ کس شے کا فحس ہو رہا ہے، دروں بنی میں جس اپنے طور پر اہمیت کی حامل ہوتی ہے، اور معروض جانوی حیثیت رکھتے ہیں یا کوئی حیثیت سرے سے رکھتے ہی نہیں۔ بہت سے فنکار اور موسیقار اس کی علامت بن جاتے ہیں۔ ہم عصر آرت اپنی شدید ترین موضوعیت کے ساتھ فحس سے ابھرتا ہے اور اس میں احساس کا استخراج بھی ہوتا ہے۔

بہت سے دروں میں فحس اقسام اپنی ذات کا اظہار کرنے کے سلسلے میں مخصوص دروں میں رکاوٹیں محسوس کرتے ہیں اور ان کو سمجھنا خاص مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ہی تاثرات میں گھر جاتے ہیں اور پھر ان تاثرات کو باہم کرنے کے لئے انہیں وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اکثر اوقات انتہائی لاشعور سے آئے ہوئے تشال میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اگر وہ

پوری وقت نظر سے بھی حقیقت کا مشاہدہ کریں موضوعی عوامل بھر بھی ان پر محیط رہتے ہیں ایسے لوگ تو ہوں اور نرسموں کا تصور بھی بغیر واستائی اڑوہوں کو خیال میں لائے ہوئے نہیں کر پاتے۔ ان کے لئے تو درختوں کے بھی چہرے ہوتے ہیں اور مردہ چیزیں بھی ابھر کر چاند اور جاتی ہیں۔ ان کا خیال ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو بھی دیکھ رہے ہیں جو وہیں موجود نہیں ہیں اور جنہوں اور بھوتوں سے ان کے عجیب و غریب تجربات ہوتے ہیں۔

فحس کا متعلق تفاعل وجدان (Intuition) ہے۔ اگرچہ وہ بھی فحس کی طرح غیر عقلی تفاعل ہے۔ ڈونک کے خیال میں وجدان ایسی حقیقتوں کا ادراک ہے جو شعور کے علم میں نہیں ہیں اور یہ وہ حقیقتیں ہیں جو لاشعور کا ذریعہ استعمال کرتی ہیں۔ اور یہ خالی خولی ادراک سے بڑھ کر ہوتی ہیں، کیونکہ یہ ایک فعال تخلیقی عمل ہے جو کسی خاص صورت حال میں ظاہر ہوتا ہے اور صورت حال کو بدلنے کا متقاضی ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی فیصلہ کرنا ہو یا کسی شے یا علامات کا پتا لگانا ہو تو سیارہ وجدان عمل میں آ جاتا ہے۔ سائنس دان، طبیب، عامل اور جرنیل سب کو اس اہلیت کی ضرورت دیکھنا پڑتی رہتی ہے، اور بلاشبہ اس کی ضرورت عام انسانوں کو بھی ہوتی ہے۔

جب بھی عجیب و غریب علامات کا سامنا ہو، یا ایسی صورت حال درپیش ہو جہاں قائم شدہ اقدار اور قصورات قائم نہ کرتے ہوں اس وقت وجدان کو کام لانا ضروری ہو جاتا ہے۔

بہروں میں وجدانی قسم اسی وجدانی اہلیت کے بل بوتے پر زندگی گزارتی ہے۔ اہم چیزیں محض امکانات ہوتے ہیں۔ وہ مرد ہو یا عورت اسے مانوس شے پسند ہی نہیں آتی اور نہ ہی محفوظ یا مدت سے قائم شدہ کوئی قدر۔ وہ روایتوں کو پسند نہیں کرتے اور اکثر اوقات یہ قسم لوگوں کے احساسات اور اعتقادات کی پروا نہیں کرتی، خاص طور پر اس وقت جب وہ کسی نئی شے کو دریافت کرنے کے قریب قریب ہوتے ہیں۔ وہ مستقبل کے لئے ہر شے کو قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ان کی نظر میں نہ مذہب مقدس ہوتا ہے نہ قانون۔ وہ ایک ایسی مصالحتی زندگی گزارتے ہیں، جس کی سمت متعین نہیں ہوتی، مگر ایک حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہتے ان کی انطاقت ان کے اپنے وجدانی نقطہ نظر سے وابستہ ہوتی ہے۔ ان کے لئے کسی موقع کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا بزدلی اور کمزوری ہوتا ہے۔

ایسے انسان کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہوتا ہے وہ جتنا ضرور ہے کتنا بھی نہیں۔ وہ اپنی زندگی کو امکانات کی غرر کر دیتا ہے، مگر دوسرے اس کی توانائی اور ہمت کا پھل وصول کرتے ہیں۔ یہ بات اس کے لئے تقریباً ناممکن ہوتی ہے کہ وہ اپنے کسی کام کو انجام تک پہنچائے یا کم از کم اس نقطے تک جس کے بعد کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ قدرتی طور پر اس کے ذاتی رشتے بہت کمزور ہوتے ہیں۔ وہ ایک عورت سے زیادہ دیر تک دنہ نہیں کر سکتا اور اس کا گھر جلد ہی بندی خانہ بن جاتا ہے مگر اس کے برعکس اس جیسے ایک آدمی کی بیوی نے کہا تھا اُس کے ساتھ زندگی یکسانیت کا فخر نہیں ہوتی۔

ہیروں میں وجدانی قسم کا تعلق اس دنیا کے ساتھ ہوتا ہے جیسے عرب عام میں حقیقی دنیا کما جاتا ہے مگر دروں میں کا وجدانی قسم کا تعلق انتہائی لاشعور سے ہوتا ہے جو تجربے کا تاریک پس منظر ہے۔ جو کچھ بھی داخلی (Subjective) ہے، وہ ہیروں میں کے لئے غیر عمومی اور عجیب و غریب ہے۔

دروں میں کی خاص طرح کی فطرت جب ترجیح حاصل کرتی ہے۔۔۔ پھر ایک عجیب و غریب انسان کو منظر عام پر لاتی ہے۔ وہ ایک خواب دیکھنے والا صوفی ہوتا ہے۔ یا تو پھر تصورات کی دنیا میں کھویا ہوا یا پھر سودائی یا فنکار۔ مگر فنکار ہونے کو ایک نارمل بات سمجھنا چاہئے۔ اس قسم کا بھی ایک عمومی رویہ پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے اور اکی کردار کو وجدانی کے ساتھ وابستہ رکھتا ہے۔ قائدے کے طور پر وجدان اور اکی مرحلے پر شمع ہو جاتا ہے۔ مگر اور اک (Peception) اس کا اولین مسئلہ بن جاتا ہے اور ایسا فنکار جو بہت کچھ تخلیق کرتا ہے اس میں یہ اور اک کی صورت گری بن جاتی ہے لیکن خبطی (Crank) اپنے وجدان سے پوری طرح مطمئن ہوتا ہے کیونکہ اسی وجدان سے اس کی تعمیر ہوتی ہے اور اسی سے اس کی حدود متعین ہوتی ہیں۔

یہ وہ قسم ہے جو ویژن (Vision) دیکھتی ہے۔ اس پر مذہبی اور لاکھائی انکشاف ہوتے ہیں۔ مخیرانہ خواب دیکھائی دیتے ہیں اور عقیدہ کی طرح طرح کی کارگزاریاں، اتنی ہی حقیقی جتنی کہ خدا کی ذات اور انیس کا وجود اقرون وسطی کے انسان کے لئے حقیقی تھا، اس طرح کہ لوگ آج کل کے زمانے بہت عجیب و غریب لگتے ہیں، ان کو دیوانہ ہی سمجھا جاتا ہے، اور وہ حقیقت میں ایسے ہوتے بھی ہیں، اس وقت تک جب تک وہ اپنی دار و ملت کو زندگی سے ہم آہنگ کرنا نہیں سکھ لیتے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انیس العلماء کے مناسب چرائے کی ضرورت ہوتی ہے،

کوئی ایسی بات جسے اجتماعی قبولیت حاصل ہو اور وہ محض عقیدہ کی کارگزاری نہ ہو، وہ بعض اوقات اس وقت ایسا کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں جب وہ کوئی ایسا گروہ تشکیل دے لیں جس میں ان کے وژن کی قدر کی جاتی ہو۔ قدیم معاشرے میں ایسے لوگوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ان کی عزت اور تکریم کی جاتی تھی، ان کا تعلق اس مواد کے ساتھ تھا جس میں یودیوں کے پیغمبر تشکیل پائے تھے۔ مگر مذہبی درویشوں کی طرح جو خاص طرح کے مذہبی ماحول میں قبول کئے جاتے ہیں۔ ان کے لئے آج کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اب تو وہ عام طور پر ان واردات کے حلقے میں خاموش ہی رہتے ہیں۔ یا پھر سری روحانی (Esoteric) گروہ تشکیل دے لیتے ہیں، یا پھر ایسے گروہ جو دوسری دنیا کی واردات کے قائل ہوں۔ عام طور پر وہ بہت ان ایل بے جوڑ سے لگتے ہیں لیکن جب وہ اپنی پائنتی وژن کی گرفت میں ہوتے ہیں ان پر کوئی ایسی شے محیط ہوتی ہے جو خیر و شر دونوں کے لئے خاصی طاقتور ہوتی ہے اور یہ ایک دیہا کی طرح ہوتی ہے، جو ایک سے دوسرے تک سفر کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے مذہبی تبدل (Conversion) اور گروہی تشدد ختم لیتے ہیں۔

تھامس کے طور پر وجدان خود کو ادراک تک محدود رکھتا ہے، لیکن اگر وہ محض تخلیقی فنکار ہو تو وہ اپنے ادراک کی صورت گیری اس طرح کرے گا جس میں ایک وحدتلا وحدتلا الجھاؤ ہو گا اور اس کی سرحدیں فرسودگی سے لے کر عظیم الشان تک پھیلی ہوئی ہوں گی۔ اس میں خوبصورتی بھی ہو گی اور بگڑی ہوئی شکلیں بھی ہوں گی۔ ولیم بلیک (William Blake) دروں میں وجدانی فرد کی ایک اچھی مثال ہے۔ وہ شاعر بھی تھا اور مصور بھی تھا۔

چونکہ انسانی فطرت کسی طرح بھی سلوہ نہیں کھی جاسکتی لہذا یہ کم ہی ممکن ہوتا ہے کہ کوئی خاص قسم دکھائی دے جائے۔ عام طور پر کیا یہ جاتا ہے کہ بڑے خفا کی بنیاد پر کسی کو خاص قسم کہہ دیا جاتا ہے مثلاً مفکر، وجدانیت کا حامل وغیرہ مگر اس کے بعد ایک چٹوڑی خاصیت بھی ہوتی ہے جو تصویر کو بدل دیتی ہے یا اسے وحدتلا کر دیتی ہے۔ ڈونگ جب اپنی نقیبات میں اقسام کا ذکر کرتا ہے تو اس کی مثال گمر کے ایوان میں لگی ہوئی موروثی تصویروں کی سی ہوتی ہے کیونکہ انسانی فطرت کسی سلوہ یا حصین طریقے سے جماعت بندی کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اقسام کا تصور انسانی رشتوں کو سمجھنے اور تعلیم کے فروغ کے لئے

عملی طور پر قابلِ قدر ہے اور کئی معاملات میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ بیوی اور شوہر کے تعلقات میں یہ اندازہ کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کا جیون ساکھی کسی اور طرح کا انسان ہے اور وہ خواہ مخواہ دوسروں کے لئے مسائل پیدا نہیں کر رہا اور اساتذہ کو اس سلسلے میں مدد ملتی ہے کہ وہ مثال کے طور پر اپنے شاگردوں کی دروں جی کا مطالعہ کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ وہ پائوش ہے اور مطابقت پیدا کرنا نہیں چاہتے محض اس بنیاد پر کہ وہ بیروں میں طلباء کی سرگرمیوں میں اس جوش و خروش سے حصہ نہیں لیتا جس طرح دوسرے طلباء ان میں شامل ہوتے ہیں۔ نفسی معالجوں (Psychotherapist) کے لئے یہ اس کے مریضوں کو سمجھنے اور ان کا علاج کرنے میں مددگار ہے۔ ندراتی مریضوں میں یہ بات بہت عام ہے کہ وہ کسی ایک تفاعل کو اس قدر زیادہ تکمیل کے ساتھ کرتے ہیں کہ دوسرے تمام تفاعل نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر وجدانی نفس کو بے حد نظر انداز کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کو اپنے جسم کا بھی ہوش نہیں رہتا اور یوں وہ جسمانی طور پر بیمار پڑ جاتے ہیں، فکری رجحان رکھنے والے لوگ احساسات کو نظر انداز کرتے ہیں اور جمل ذاتی رشتے بہت اہمیت کے حامل ہوں، وہاں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ذہنی (اور بعض اوقات) روحانی صحت کا انحصار اسی تفاعل پر ہوتا ہے جس کو نظر انداز کر دیا گیا اور اس طرح شخصیت ایک کل بننے بننے رہ جاتی ہے۔

زیادہ تر لوگ ایک ہی تفاعل (یا اس کے تبدیل) پر انحصار کرتے ہیں۔ زیادہ پیچیدہ لوگ دو تفاعل پر اور بہت ہی اعلیٰ اور امتیازی شخصیت تین تفاعل کو استعمال میں لاتی ہے۔ چوتھے تفاعل کا شامل ہو جانا متعلق ہے اس عمل کے ساتھ بقول ڈونگ فردیت متعلق ہے اور اس کے حوالے سے انسانی فطرت کے متضاد عوامل آپس میں مطابقت پیدا کرتے ہیں مگر اس بات کو سمجھنے سے پہلے ہیں۔ ڈونگ کے نظریات ذاتی لاشعور اور اجتماعی لاشعور پر زیادہ تفصیل کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔

حواشی

۱۔ جیسے کہ شیر اپنے دشمن یا شکار پر اپنے پنجے سے حملہ آور ہوتا ہے اور پنجے ہی میں اس کی اصل قوت ہوتی ہے اور گمبھ (Crocodile) کی طرح یہ قوت اس کی دم میں نہیں ہوتی۔ لہذا مارے

عادی رد عمل عام طور پر ہمارے سب سے زیادہ قابل اعتناء اور انفعال قائل سے متعلق ہوتے ہیں کیونکہ یہی ہماری قوت کا اعجاز ہے، ہر حال کبھی کبھی یہ ہمارے اس رد عمل کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی جس کے ذریعے ہماری خاص کمزوری ہونے لگہ آتی ہے کسی قائل کا غالب ہونا اس طرف دلالت کرتا ہے کہ ہم کسی خاص صورت کو حقیر کریں یا اس کی تلاش میں رہیں۔ جبکہ باقی صورت حال سے ہم گریزاں ہوں۔ لہذا ہم وہی تجویزات کرنا چاہیں گے جو ہم سے خاص ہیں اور دوسرے لوگوں سے مختلف ہیں۔

اجتماعی لاشعور کے آر کی ٹائپ

کسی ایک رویے میں پیش قدمی خواہ وہ بیرونی بنی ہو یا دروں بنی اور ایک تقابلی زندگی کے عمل کا ضروری حصہ ہیں۔ انہیں کے وساطت سے ہم زندگی سے مطابقت پیدا کرتے ہیں اور اپنے ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ جب تک کوئی بہت سی بڑی رکاوٹ ہمارے راستے میں نہ آجائے، ہم انہیں غلطوٹ پر پیش قدمی کرتے چلے جاتے ہیں، جو ہمارے لئے آسان ترین ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہم سب کو یہی پسند ہوتا ہے کہ ہم اپنا بہترین قدم آگے بڑھائیں۔ دوسروں لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم عام طور پر اپنے بہترین تقابل کو ترقی دیتے ہیں۔ خواہ وہ فکر ہو یا وجدان ہو یا احساس ہو یا قہس ہو، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمارے اندر یہ رجحان بھی خاصہ شدید ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم سے توقع کی جاتی ہے۔ ہم اس پر بھی پورا اتریں۔ ہم مناسب تعلیم حاصل کریں اور معاشرتی دباؤ کے تحت اپنا کردار اس طرح ادا کریں کہ وہ قبول شدہ طریق کار کے مطابق ہو۔ اس عمل کی وجہ سے ایسا بہت کچھ جو شخصیت سے متعلق ہوتا ہے، ضائع ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ وہ ضائع تو نہیں ہوتا البتہ ہم محض اتنا کرتے ہیں کہ اسے لاشعور کے اندر دھکیل دیتے ہیں اور نفسیاتی اصطلاح میں ہم یہ کہیں گے کہ ہم اسے ابطال یا اجباس (Repression) میں ڈال دیتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کو اگر فطری طور پر اپنا اظہار کرنے دیا جائے، تو وہ بہت لالچی، تجسس (Acquisitive) اور تشدد ہوتے ہیں اور ان تمام رجحانات کا اظہار کرتے ہیں، جس کے سلسلے میں پانچ یا نو گھنٹہ خلاصی کرا چکے ہوتے ہیں یا ان کی تربیت ایسی کی گئی ہوتی ہے کہ وہ اس کا اظہار نہ کریں۔ اساتذہ والدین اور مبلغ اور دوسرے لوگ لفظی سے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ذریعہ سرپرستی بچے کی فطرت کو یکسر تبدیل کر دیا ہے لیکن اصل میں اس قدر ہوتا ہے کہ ناپسندیدہ یا کمتر رجحانات پس منظر میں چلے جاتے ہیں اور بھلا دیتے جاتے ہیں مگر اس کے باوجود بلوغت میں موجود پائے جاتے

ہیں۔ بھولنے کا یہ عمل عام طور پر اس قدر زیادہ کامیاب ہوتا ہے کہ ہمیں یقین آجاتا ہے کہ ہم وہی کچھ ہیں جو بظاہر نظر آتے ہیں مگر بعض اوقات اس کے نتائج انتہائی تباہ کن نکلتے ہیں۔ یہ ابطالی رجحانات ٹوٹک کے خیال میں ذاتی لاشعور میں موجود ہوتے ہیں اور کمزور پڑنے کی بجائے وہ کسی جنگی یونٹی کی طرح بارگ کے کسی گوشے میں دور تک پھیل جاتے ہیں۔

انسان کے تخلیقی عمل میں انسان کو اپنی ذات اور معاشرے میں اپنی مطابقت پیدا کرنی ہوتی ہے کہ وہ کیسا دکھائی دے اور وہ مختلف ماسک یا نقاب (Mask) پہنتے ہیں اور پھر زندگی اس کے نیچے چھپ کر گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ڈونگ اس نقاب (Mask) کو پرسونا (Persona) یا نفع کا نام دیتا ہے۔ پرسونا ایک ایسا ماسک ہوتا ہے جو تقدیم زمانے میں ایکٹر پہنا کرتے تھے تاکہ وہ اس کردار کی چہرہ نمائندگی کر سکیں، جس کا کردار وہ ادا کر رہے ہیں، لیکن صرف ایکٹری کردار نہیں کرتے، جو شخص کوئی تجارت کرتا ہے یا کسی پیشے میں ہوتا ہے وہ خاتون جو شادی کرتی ہے یا کسی طرح کی ملازمت کر لیتی ہے۔ سبھی میں ان خصوصیات کا پایا جاتا ضروری ہیں جو اس کام میں کامیاب ہونے کے لئے درکار ہوتی ہیں۔ ایک پرنس میں یہ کوشش کرے گا کہ وہ توانا اور جاگ وچہند نظر آئے۔ ایک پیشہ ور کو ذہین معلوم ہونا چاہئے، اور ایک سرکاری ملازم کو جلد فیصلہ کرنے والا ہونا چاہئے، پیشہ ور خواتین کو کوئی زمانہ صرف ذہنی ہی نظر آنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اسے خوش لباس بھی ہونا چاہئے اور گھریلو خاتون کو میزبان ہونا چاہئے ایک ماں بھی، شریک کار بھی اور اس کے علاوہ وہ کچھ بھی جو اس کے خاوند کی وجہ سے اسے سننے کی ضرورت ہو۔

معاشرہ یہ توقع کرتا ہے اور اسے یہ توقع کرنی بھی چاہئے کہ ہر فرد وہ کردار کمال خوبی کے ساتھ ادا کرے گا جو اسے تفویض کیا گیا ہے، ایک واعظ (Parson) کو واعظ کا کردار ایسی خوبی سے ادا کرنا چاہئے کہ اس میں کوئی کمی باقی نہ رہے۔ معاشرے کو اس طرح کے تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر ایک کو اپنے اپنے تانکے پر ہونا چاہئے۔ سوچی کی جگہ پر سوچی کو اور شاعر کی جگہ پر شاعر کو۔ کسی سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ دونوں کردار ادا کرے۔۔۔۔۔ اگر ایسا کیا جائے تو یہ عجیب بات ہوگی۔ ایسا شخص دوسروں سے مختلف ہو جائے گا اور قابلِ اعتماد بھی نہیں رہے گا اور تعلیم و تربیت کی دنیا میں وہ اتنی

(Dilettante) ہو گا اور سیاست میں وہ ایسا کردہ ہو گا جس کے بارے میں چینی کوئی ممکن نہ ہو، مذہب والے اس کو آزاد خیال قرار دیں گے۔ فرض ہر شعبے میں اس کو بے اعتبار اور بخل سمجھا جائے گا کیونکہ معاشرہ یہ سمجھتا ہے کہ صرف موسیقی ہی انہیں نمیک طرح کے جوتے بنا کر دے سکتا ہے اگر وہ شاعر نہ ہو اور موسیقیوں کی طرح سوچتا اور کام کرتا ہو۔

پرسونا ایک اجتماعی مظہر ہے، زندگی کا ایک ایسا رخ ہے جو کسی اور کا بھی ہو سکتا ہے مگر اس کو عام طور پر انفرادیت کا بدل سمجھ لیا جاتا ہے، ایک اداکار یا فنکار اگر لمبے پل رکھے ہوئے ہو، یا عام سے کپڑے پہنے ہوئے ہو تو وہ خاص نظر آتا ہے۔ ایک شخصیت لگتا ہے، لیکن اکثر اوقات بات صرف اتنی ہوتی ہے کہ اس نے ایک خاص طرح کا لباس پہنا ہوتا ہے ویسا ہی جیسا کہ دوسرے اداکار پہنتے ہیں۔ دوستانہ رویہ اور میزبانی کو نیچم فلاں فلاں کے خصوصیت اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ وہ خدمت گزار (Vicar) کی بیوی ہے اور اس کے یہ خواص قدرتی طور پر اس سے چھوٹے پڑتے ہیں، حالانکہ اس نے یہ خواص اس وقت اپنائے تھے جب اس نے خدمت گار میاں سے شادی کی تھی کیونکہ مذہبی خدمت گزار کی بیوی کو سب کا دوست اور سب کا خلوام ہونا چاہئے اور سب کے کام آنا چاہئے۔ کسی حد تک یہ بات بھی درست ہے کہ لوگ عام طور پر وہی کردار اپناتے ہیں جس کے لئے وہ موزوں ہوتے ہیں اور یہی تک تو پرسونا انفرادی شے ہے مگر وہ عمل مو یا عورت کا اظہار نہیں ہے۔ انسان کی فطرت مستحکم (Consistent) نہیں ہے مگر ایک کردار ادا کرتے وقت اسے ایسا نظر آنا چاہئے اور یوں وہ اپنا انکار خود کر دیتی ہے۔

پرسونا ہر حال، ایک ضرورت ہے، اس کے ذریعے ہم دنیا سے تعلق پیدا کرتے ہیں، یہ ہمارے تعلق کو آسان بنا دیتی ہے، کیونکہ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لوگوں سے کیا توقعات وابستہ کرنی چاہئیں اور مجموعی طور پر یہ ان کو قابل قبول بناتا ہے جس طرح اچھا لباس بد صورت بدن کو بہتر بناتا ہے۔

وہ لوگ جو پرسونا کو بننے سے روکتے ہیں، بے ڈھنگا پن (Gauche) ان کا مقدر ہے، وہ دوسروں کا دل دکھاتے ہیں اور دنیا میں خود کو قابل قبول بنانے کے لئے مشکلات کا سامنا

کرتے ہیں۔ یہ خطرہ ہر حال ہوتا ہے کہ انسان جو کردار ادا کر رہا ہو، خود کو اس کے مطابق ڈھال لیتا ہے مگر یہ خطرہ بدی نہیں ہوتا اگر کردار اچھا ہو، انسان کی مرضی کے مطابق ہو تو وہ اسے اچھی طرح نبھاتا ہے، لیکن اس کے بارہو ہم اکثر اوقات یہ کہتے ہیں، "وہ تو اداکار لگتا ہے،" اور وہ خاتون تو یقیناً اس طرح کی نہیں ہے۔ "کیونکہ ہم جزوی طور پر ہی سہی مگر یہ ضرور جانتے ہیں کہ کسی ایسے طریقے سے زندگی بسر کرنا جو ہماری اصل فطرت کے مطابق نہ ہو، خاصہ خطرناک ہوتا ہے۔ اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ کوئی بحران ضرور پیدا ہو گا جس کی وجہ سے ہمیں اپنے اندر لچک پیدا کرنی پڑتی ہے یا پھر رد عمل کا کوئی اور ہی نظام تلاش کرنا پڑتا ہے یا پھر کوئی ایسی انسانی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے، جہاں درست انفرادی جذبات کا اظہار نہ کر سکتا البتہ پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اترتھ بون (Elizabeth Bowen) ایسی ہی ایک صورت حال کا ذکر The Death Of Heart میں کرتی ہے۔ اس کہانی میں تمام بالغ اپنے اپنے جذباتی کردار میں مقید ہیں اور وہ ایک نوحہ اور حساس لڑکی کی ضروریات کا اندازہ کرنے میں نکلے طور پر ناکام ہو جاتے ہیں۔ دوسرا خطرہ یہ ہے کہ اگر پرستار بہت زیادہ مضبوط بنالیا جائے تو یہ شخصیت کے باقی پہلوؤں کے اظہار میں رکاوٹ بن جاتا ہے اور وہ تمام پہلو جن کا تعلق انسان کی ذات کے ساتھ ہو یا جو اجتماعی لاشعور سے تعلق رکھتے ہوں اور جمل ہو جاتے ہیں۔

ڈونگ ہماری ذات کے دوسرے رخ کا ذکر کرتا ہے۔ جو ہمارے ذاتی لاشعور میں بونے کار آتا ہے۔ اس کو سایا یا شیڈو (Shadow) کا نام دیا گیا ہے۔ سایا ہمارے اندر کتر درجے کی مخلوق ہے، وہ ایسے تمام کام کرنا چاہتا ہے جس کی ہم اجازت نہیں دیتے۔ وہ کبھی کبھ ہے جو ہم نہیں ہیں۔ وہ ہمارے ڈاکٹر جیکل (Jekyll) کا مسٹرفائیڈ (Hyde) ہے، میں اس انجینی شخصیت کا کسی حد تک اندازہ ہے۔ جب ہم بری طرح کسی لمحے کی گرفت میں ہوتے ہیں۔ تو اس کیفیت کے گزر جانے کے بعد ہم اپنے آپ سے کہتے ہیں "میں شاید اپنے آپ میں نہیں تھا" یا "مجھے تو اندازہ ہی نہ ہو پایا کہ مجھ پر کیا بیت گئی" جو کچھ مجھ پر بیت گئی وہ تو میرا سایا تھا جو وحشی تھا بے قابو تھا اور شخصیت کا حیوانی پہلو تھا۔ شیڈو اس وقت اپنی مثال آپ ہوتا ہے، جب ہم خاص طور پر کسی کو پسند کرتے ہیں اور خاص طور پر اس وقت جب یہ پسندیدگی بلاجواز ہوتی ہے۔ ہمیں یہ شبہ ہونا چاہئے کہ اصل میں ہم اپنی ہی ذات کے بعض ان خواص کو پسند کر رہے ہیں جو ہمیں دوسروں میں نظر آتے ہیں۔

مجھے تم سے محبت نہیں ڈاکٹر قل (Fell)
مگر اس کی وجہ میں جانتا نہیں سکتا
میں تو صرف یہی بات پوری طرح جانتا ہوں
مجھے تم سے محبت نہیں ڈاکٹر قل

پر سونا خواہوں میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ بہت ہی کمزور ہے کے شخص کے روپ میں
ہوتا ہے اور کبھی کبھی کہنے انسان کی شکل میں، کوئی بھی ایسا شخص جس کی اہلیتیں ناگوار ہوں،
ایسی ہستی جسے ہم پسند نہ کرتے ہوں۔

پر سونا انسان کا ذاتی لاشعور ہے۔ اس میں وہ تمام غیر مذہب خواہشیں اور جذبات
ہوتے ہیں، جو معاشرتی معیار کے مطابق نہیں ہیں اور نہ ہی ہمارے مثالی شخصیت کے معیار پر
پورے اترتے ہیں، وہ کبھی کبھ جن کا ہونا ہمارے لئے شرمناک ہوتا ہے اور وہ کبھی کبھ جو ہم
اپنے بارے میں جانتا بھی نہیں چاہتے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر تنگ نظر معاشرے
میں ہمارا قیام ہوگا، جس قدر پابندیوں میں جکڑی ہوئی زندگی ہم گزارتے ہوں گے، اسی حسب
سے ہمارا شیڈو بڑا ہوتا چلا جائے گا۔

شیڈو یا سایہ چونکہ لاشعوری ہے، لہذا تعلیم کے عام طریقے اس تک رسائی حاصل نہیں
کر سکتے وہ بچپن کے آغاز سے لے کر آخر تک کم ہی تبدیل ہوتا ہے۔ بچپن کے زمانے میں
ہمارے کبھی اعمال خالصتاً اضطراری (Impulsive) ہوتے ہیں۔ پھر بچے کے ذہن پر پسلا قدم
اٹھانے سے آخری سال تک وہی صورت حال رہتی ہے۔ کیونکہ سایہ فطری ہے یعنی وہ جبلی
انسان (Instinctive Man) کی نمائندگی کرتا ہے۔

شیڈو بعض لحاظ سے ذاتی لاشعور سے بھی بڑا ہے، جہاں تک ہماری ذاتی کمزوریوں اور
ناکامیوں کا تعلق ہے یہ صورت حال اسی نوعیت کی ہے لیکن چونکہ یہ بات ساری انسانیت میں
مشترک ہے لہذا اسے اجتماعی منظر بھی کہا جاسکتا ہے۔ شیڈو کا اجتماعی پہلو شیطان (Devil) کہلاتا
ہے یا پھر چرچیل (Witch) یا کوئی اور شے، ان سے ملتی جلتی ہوتی۔

جب ڈونک نے لاشعور کے ان پہلوؤں کو بیان کرنے کے لئے شیڈو کے لفظ کا انتخاب
کیا تھا تو ڈونک کے ذہن میں محض اتنی سی بات نہیں تھی کہ سایہ تاریک اور غیر واضح ہوتا ہے،

اس نے تو یہ بھی کہا تھا کہ کوئی سیلا سورج کے بغیر پیدا نہیں ہوتا۔ یہ حقیقت تو چیزوں کی فطرت میں ہے کہ روشنی اور تاریکی ہو، سورج ہو اور سیلا ہو۔ شیڈو ناگزیر ہے اس کے بغیر انسان مکمل نہیں ہو سکتا، توہمت کہتے ہیں کہ سائے (یہاں لفظ عام معنوں میں استعمال ہوا ہے) کے بغیر انسان شیطان بن جاتا ہے مگر ہم اس سلسلے میں ذرا محتاط ہیں کوئی ایسا شخص جو ایسا اچھا ہو کہ یقین نہ آتا ہو۔ جیسا کہ ہمیں جبلی طور پر اندازہ ہو جاتا ہے۔ انسان کی فطرت میں تھوڑی بہت کچی (Wickedness) ضرور ہوتی چاہئے۔

ڈونک ایک معالج کی حیثیت میں، جس کے پاس لوگ پریشانی کے عالم میں آتے ہیں یہ بھی نہیں کہہ پایا کہ شیڈو موجود نہیں ہے اور نہ کبھی اس نے یہ ہدایت کی کہ شیڈو مکمل طور پر دبا دیا جائے۔ انسان کو کسی نہ کسی طرح یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اس کے ساتھ زندگی گزارا کر سکے، کیونکہ تندرستی بھی ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی ذہنی اور جسمانی صحت کا تعلق اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ سائے کو قبول کرنا خاص اخلاقی بدوہد کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے اور اس کے لئے بلاوقت بہت محبوب اور مان (Ideals) قربان کرنے پڑتے ہیں، لیکن یہ بھی کچھ محض اس لئے ہوتا ہے کہ ان ارمان کو بہت بلندی پر رکھا جاتا ہے، حالانکہ وہ محض دماغی (Illusions) پر منحصر ہوتے ہیں۔ یہ کوشش کرنا کہ ہم اس سطح سے بلند اور زیادہ باصلاحیت نظر آئیں ایک ایسے عمل کا آغاز ہے جو منافقت کے سوا کچھ نہیں ہے اور یہ دھوکا بھی ہے۔ اس طرح ہم خود پر ایسی پابندیاں عائد کر لیتے ہیں کہ ان کی وجہ سے اکثر اوقات ہم نوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور اس سطح سے بھی نیچے گر جاتے ہیں جہاں تک جانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ جو لوگ اپنے آپ کو زیادہ بلند اخلاق ثابت کرنے پر تل جاتے ہیں وہ چرچے ہو جاتے ہیں اور ان میں برداشت کرنے کی قوت مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ بات تو بھی جانتے ہیں۔ بعض قابل احترام شہریوں کی جنسی زندگی بعض اوقات چرچا کا دینے والی ہوتی ہے۔ جیسا اخباروں میں روز خبریں آتی رہتی ہیں۔ جرم ان گوشوں میں بھی سرزد ہوتا ہے جہاں اس کی توقع نہیں ہوتی۔ یہ بھی کچھ شیڈو ہی کی کرامات ہیں۔ اس کے لئے فحشی طور پر اخلاقی جرأت کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ انسانی فطرت کے یہ پہلو بھی ہمارے اندر موجود اور شاید ہمارے باطن کا لازمی حصہ ہیں۔ لیکن سہولت اس میں ہے کہ جب اصل شے معلوم ہو جائے اور اس کا سامنا کر لیا جائے تو اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ اسے تھوڑا بہت تبدیل کیا جاسکے۔ جب کہ

لاشعور کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ کوئی ایسا شخص جو لاشعوری طور پر اپنی بیوی سے نفرت کرتا ہو، اور اس قدر زیادہ نفرت کرتا ہو کہ اس کے دل میں اسے مار ڈالنے کی خواہش پل رہی ہو تو کسی دن فحش کے عالم میں ایسا کر بھی سکتا ہے۔ ایسی صورت حال کیلپ تو نہیں ہیں، لیکن اگر اس کو پہلے سے اپنے شدید جذبات کا اندازہ ہو اور اسے یہ موقع مل چکا ہو اور وہ اس جذبے کے ساتھ مذہم چکا ہو تو وہ اس صورت حال کو روکنے کی کوشش کرے گا جس کی وجہ سے اس کے دل میں فحش کے شدید جذبات پیدا ہو سکتے ہوں۔

شیذو کے ابطال یا دبا دینے میں خطرہ یہ ہے کہ وہ شعوری سطح پر زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے اور اس کے اندر زیادہ توانائی آ جاتی ہے۔ چنانچہ جب موقع آتا ہے (جیسا کہ اکثر اوقات ہوتا رہتا ہے) اور وہ ظاہر ہو جاتا ہے تو پھر وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور خدشہ ہوتا ہے کہ شخصیت کے باقی حصے پر حاوی نہ ہو جائے۔ یہ بات شیذو کے ان انتہائی پہلوؤں کے بارے میں درست ہے جب کوئی غیر منظم کردہ مساوات کرنے لگ پڑتا ہے اور بہت سے ایسے لوگ جو عام زندگی میں بیوقوف بھی ہلاک نہیں کرتے وحشی ہو جاتے ہیں اور ہر طرح کی تخریب کاری پر اتر آتے ہیں۔

ڈونگ کہتا ہے "شیذو ایک اخلاقی مسئلہ ہے جو پوری انگو شخصیت کے لئے پہنچ ہے اس کے علاوہ یہ ایک نہایت ہی اہم معاشرتی مسئلہ بھی ہے۔ خاصے مضبوط اخلاقی ادارے کے بغیر کوئی بھی اس قاتل نہیں ہوتا کہ وہ شیذو کے ہونے کا اندازہ کر سکے اور اس کے لئے اسے اپنے معیارات اور خیالات کا بھی پھر سے جائزہ لینا ہوتا ہے۔" ڈونگ یہ اشارہ بھی دیتا ہے کہ برداشت اور محبت کے بغیر یہ کفارہ ادا نہیں کیا جاسکتا۔ وہ روئے جو معاشرتی ارتداد (Renegade) کے سلسلے میں ہے اثر ثابت ہوئے ہیں، لیکن ہم ان کو عام طور پر اپنے اوپر منطبق کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

شیذو کی اہم کو کسی حد تک بیان کرنے کے بعد ہم لاشعور کی مزید گہرائی میں اترتے ہیں۔ حقیقت میں یہ اجتماعی لاشعور (Collective Unconscious) ہے، مگر آگے چلنے سے پہلے ہمیں ایک طرف تو مردوں اور دوسری طرف عورتوں میں امتیاز کرنا پڑے گا۔ اب تک ہم نے آدمی یا انسان کا لفظ مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے استعمال کیا

ہے اور اسی میں سولت بھی تھی کیونکہ دونوں جنسوں کے نمائندہ ایک ہی طرح پر سوتا اور شیڈو کے حامل ہوتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہوتا ہے کہ مرد کا شیڈو کسی اور مرد کی نمائندگی کرتا ہے اور عورت کا شیڈو کسی اور عورت کی۔ یہ تو پہلے ہی سے بتایا جا چکا ہے کہ انسان کا لاشعور اس کے شعور کی عکاسی کرتا ہے۔ اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ بتانا ضروری ہے کہ ہر مرد کے اندر ایک عکسیمی (Complementary) عورت ہوتی ہے اور عورت کے اندر ایک عکسیمی مرد حاضر موجود ہوتا ہے۔ ڈونگ بائریٹب ان کو انیما (Anima) اور اینی مس (Animus) کا نام دیتا ہے۔ یہ کہنا شاید متناقض (Paradoxical) ہو کہ نہ کوئی مرد مکمل مرد ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی عورت مکمل عورت ہے، یہ ایک عام تجربہ ہے کہ ہم ایک ہی فرد میں مردانہ اور زنانہ خواص صاف دیکھ سکتے ہیں۔ جو مرد دیکھنے میں بہت زیادہ مردانہ نظر آئے گا وہ بچوں کے ساتھ اجتماعی شفقت کا مظاہرہ کرے گا یا کسی بھی کمزور یا مریض کے ساتھ مضبوط مردانہ رویے میں تو شدید غصے کا اظہار کرے گا اور وہ جذباتی ہو جائے گا اور عقلی بات بھی نہیں کرے گا۔ بلکہ مرد کی بار کسی بہت ہی پھوٹی سی غیر نقصان دہ چیز سے ڈر جاتے ہیں، اور کچھ مردوں میں وہ مردوں کے جذبات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنے کی حیرت انگیز حس موجود ہوتی ہے۔ یہ تمام کی تمام زنانہ خوبیوں ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ مرد کے لئے بدیہی طور عورت پن (Effeminacy)۔ مرد کے اندر اس عورت کا موجود ہونا اس کی زنانہ روح کا محض ایک پہلو ہے۔ جس کو ڈونگ انیما کا نام دیتا ہے۔ "یہ ایک وراثتی نسلی اجتماعی تمثیل (Image) ہے۔ جو انسان کے لاشعور میں موجود ہے۔ ڈونگ کہتا ہے "جس کے ذریعے سے ہم عورت کی فطرت کا اندازہ کرتے ہیں۔"

مگر یہ عورت کا ایک عمومی منظر ہے جس کا اندازہ مرد اس طریقے سے کرتا ہے، کیونکہ یہ ایچ ایک آرکی ٹائپ (Archetype) ہے۔ جو مردوں اور عورتوں کے بہت طویل مدت کے تجربے کا نمائندہ ہے اور اگرچہ بہت سی خواتین ظاہری طور پر ہی سہی مگر اس تمثیل کے بہت قریب ہوتی ہیں، یہ کسی طرح بھی انفرادی طور پر کسی خاتون کا نمائندہ نہیں ہے۔

ایچ ایک لاشعوری شے ہے اور وہ شعوری اور مادی اس وقت بنتا ہے جب حقیقی طور پر

زندگی کے دوران آدمی کا سابقہ کسی عورت سے چلتا ہے، عورت کے ذریعے عورت کا اہم ترین تجربہ ماں کی وساطت سے ہوتا ہے اور مرد کی صورت گری اور منوثر ہونے کے سلسلے میں یہ انتہائی مضبوط تجربہ ہے، ایسے مرد بھی موجود ہیں جو اس ذوق و شوق والی قوت کے اثر سے اپنی پوری زندگی میں کھل نہیں پاتے، لیکن بچہ ہونے کا تجربہ اپنا ایک خاص موضوعاتی کردار رکھتا ہے۔ اس کا تعلق اس بات سے نہیں کہ ماں کیا سلوک کرتی ہے، بلکہ وہ اس کے سلوک کے بارے میں کیا محسوس کرتا ہے اور یہی شے اصل اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ ماں کا وہ ایجنج جو ہر بچے کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے، وہ ماں کی صحیح تصویر نہیں ہوتا بلکہ اس کا تشکیل پانا اور اس میں ہونے والی رنگ آمیزی ان پیدائشی صلاحیتوں کی وجہ سے ہوتی ہے جو انیما کے باعث عورت کی تشکل کو بناتی ہے۔ بعد میں یہی تشکل یا ایجنج کا انعکاس (Projection) ان عورتوں پر کر دیا جاتا ہے جو آدمی کو اس کی زندگی کے دوران ملتی ہیں۔ قدرتی طور پر اس سے بے شمار غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، کیونکہ اکثر مردوں کو تو یہ اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ وہ اپنی باطنی عورت کا انعکاس ملنے والی عورت پر کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ تو اس سے بالکل ہی مختلف عورت ہے۔ بہت سی ناگام شادیاں اور انتہائی کربناک مشقیہ تعلقات اسی باعث نمود میں آتے ہیں۔ بد قسمتی سے یہ انعکاس کوئی ایسی شے نہیں ہے جسے عقلی طور پر اپنے قابو میں رکھا جاسکے۔ انسان خود تو انعکاس نہیں بناتا یہ تو اس پر وارد ہوتے ہیں۔ ہر ماں اور ہر محبوبہ مجبور ہوتی ہیں کہ وہ اس کمنہ آفاقی ایجنج کا منظر بنیں اور اس کے حوالے سے ان کی شخصیت کو دیکھا اور پرکھا جائے اور آدمی کے اندر گہری حقیقت ایک خاص تشکل سے مطابقت رکھتی ہے۔

عورت کا ایجنج اجتماعی لاشعور کا ایک آدمی چنپ ہے، ایسے طوائف پر مشتمل ہے جو مختلف زمانوں میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ جبکہ مردان عورتوں کو بیان کرتا ہے جو اس کے لئے کسی خاص اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ مختلف ادوار میں یہ ایجنج کسی قدر مختلف اور بدلا ہوا ہو سکتا ہے مگر کوئی خاصیت ایسی ہو سکتی ہے جو غیر متبدل رہے۔ انیما کے اندر دوامی ہونے کی خصوصیت موجود ہے۔ وہ بڑھ جواں نظر آتی ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ ایک طویل تجربہ کسی باز متعلق ہوتا ہے۔ وہ جھگڑے مگر انتہائی زیادہ نہیں ہے، یہ تو گویا ایسی

حصہ۔ اس انجمن کو دور کرنے کے لئے ڈونگ روح کی بجائے انجیما کا نقطہ استعمال کرتا ہے۔ نفسیاتی طور پر اس کے معنی "کسی موجودہ نیم شعوری نفسی جذبہ کے وجود کا اندازہ کرنا ہوتا ہے جس کے ساتھ غافل کی جزوی خودکاری حلقہ ہوتی ہے۔"

انجیما کی روح کی قدر و قیمت بھی ہوتی ہے، لہذا اس کا ایچ نہ صرف جن اور دلیوں پر منعکس کیا جاتا ہے بلکہ کنواری (Virgin) مریم پر بھی کیا جاتا ہے، لیکن وہ بھی تو فطرت کے قریب ہے اور جذبات سے معمور ہے۔ وہ بڑے جلو زندگی کی سنگ ہے۔ وہ مردوں کو اکسائے دلی ہے۔ وہ میری نسائی روح ہے وہ مردوں کو اشارے دے کر یا بھا کر محبت کی طرف، مایوسی کی طرف، تخلیقی اعمال کی طرف یا عمل چلتی کی طرف لاتی ہے۔ وہ دلی ہی پوری طرح ہے ترتیب ہے جیسی کہ وہ عورت جس کے ساتھ ہمیشہ اس کا شخص قائم کیا جاتا ہے۔ اسے بیان کرتے ہوئے ڈونگ عام طور پر ایک ڈرامائی اور غیر مرئی اساطیری طرز سخن اختیار کرتا ہے جیسے کہ وہ کہتا چاہتا ہو "وہ روح کا ایک زندہ عمل ہے" مگر یہ بھی کچھ سائنسی فارمولے سے کوسوں دور ایک چھائی کی طرح ہے۔

روح کی زندگی میں انجیما کا انحصار صرف اس انعکاس کی صورت میں نہیں ہوتا جو عورتوں پر کیا جاتا ہے یا پھر تخلیقی اعمال میں، بلکہ اس کا انحصار فنتاسیا (Fantasies) میں ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف کیفیتوں (Moods) میں پیش پیشینوں (Presentiment) میں یا جذباتی بھان میں۔ ایک پرانا چینی متن یہ کہتا ہے کہ جب کوئی آدمی صبح کے وقت جاگتا ہے خود کو بھاری محسوس کرتا ہے اور برے موڈ میں ہوتا ہے، تو یہ اس کی نسائی روح ہے۔ اس کا انجیما ہے، وہ اس کے کان میں برے برے تصورات کی ہاتھیں کر کے کوشش کرتی ہے کہ اسے پریشان کر دے اور اس پر بے لطفی ہی طاری کرے، اس کا سارا دلنا بھلا کر دے اور اسے یہ تاثر دے کہ کوئی شے جسمانی طور پر درست نہیں ہے یا پھر اس کے خوابوں میں آکر اسے جنسی طور پر اکسائے اور طرد مزہ بھی اپنے انجیما کی گرفت میں ہوتا ہے اسے جذبات پر قابو نہیں دیتا۔

اپنی مس (Animus) کا وجود عورتوں کے اندر انجیما ہی کا بدل ہے، اس کا اہم آنا بھی انجیما کی طرح تین بنیادی بنیوں پر مشتمل ہے۔ مرد کا وہ انتہائی ایچ جو عورت کو دراشت میں

ہوتا ہے۔ اس کا اپنا تصور مردانگی جو زندگی بھر میں مختلف مردوں سے رابطہ کرنے کے بعد اس کے اندر ابھرتا ہے۔ اس کے اندر کامردانہ عقلی اصول۔

مردانہ عقلی اصول، وہ مردانہ عنصر ہے، جو عورت کے اندر موجود ہوتا ہے اور جنگ کے زمانے میں عورت کے اہل میں اس کا اظہار بہت مثبت طریقے سے ہوتا ہے۔ جب ان کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کو وہ جگہ اب حاصل کرنی ہے جو پہلے مردوں کے پاس ہو ا کرتی تھی۔ مگر کوئی بہت سی غیر عمومی حالات میں اس طرح کا اظہار ہو پاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ جنگ کے دوران عورتوں کے کرنے کے لئے اور بہت کچھ ہوتا ہے، مگر عموماً اس کا اظہار گھر کے باہر ہی سے ہوتا ہے۔ یا پھر اس کا تعلق گھر کے باہر ہی سے ہوتا ہے۔ مثلاً پڑھنا، تیار داری کرنا، یا پھر سوشل ورک وغیرہ، عورت کے لئے ایک تھکدے کے طور پر معروضی حقائق اور حقیقی رشتے کہیں زیادہ اہمیت اور دلچسپی کے حامل ہوتے ہیں، تجارت، سیاست، ٹیکنالوجی اور سائنس کے وسیع تر میدان یا مردانہ ذہن کی ساری، اطلاقی اقلیم، وہ شعور کے نیم سلیا (Penumbra) کو خیرباد کہہ دیتی ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ ذاتی تعلق سے تفصیلی آگہی حاصل کرتی ہے جس کی لامحدود درجہ بندی عمل طور پر مردوں کی نظر سے اوجھل رہتی ہے۔

یا دوسرے لفظوں میں عام طور (مگر ہمیشہ نہیں) یہ ہوتا ہے کہ کسی عورت کی سوچ اور مرد کے جذبات اور احساسات کا تعلق لامشور کی سلطنت کے ساتھ ہو۔ ایسیا، کیفیات پیدا کرتی ہے مگر اپنی مس آراء پیدا کرتا ہے اور ان دونوں کا انحصار حقیقی طور پر شعوری اور بلاواسطہ فکر کی بجائے لامشوری معتقدات (Assumptions) پر ہوتا ہے۔

جس طرح لڑکوں میں ماں ایسیا کے ایچ کی پہلی حامل ہوتی ہے، اسی طرح لڑکیوں میں باپ اپنی مس کے ایچ کا مظہر ہوتا ہے اور یہ احتجاج اس کے، لڑکی کے ذہن پر محیط اور دوامی ذوق و شوق پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ لہذا وہ خود سوچنے کی بجائے اپنے باپ کے کہنے ہوئے کو دوہراتی رہتی ہے اور اپنی عمر کے آخری حصے میں بہت سے کام اپنے باپ کی طرح کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

نارمل ارتقائی صورت میں اپنی مس منعکس ہو کر کئی مردوں کا روپ دھار لیتا ہے اور جب یہ انعکاس تشکیل پا جاتا ہے، تو عورت اس بات پر یقین کر لیتی ہے کہ مرد ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ اس کو نظر آتا ہے (یعنی اپنی مس کے روپ میں) اور اس کے لئے اسے اس طرح قبول کرنا

جس طرح کا وہ ہے، ناممکن ہو جاتا ہے۔ ذاتی تعلقات میں یہ رویہ کئی پریشانیوں کا سبب بنتا ہے۔ یہ گاڑی اتنی دیر تک ہی ٹھیک چلتی ہے، جب تک مرد اپنے آپ کو وہ کچھ بتائے رکھتا ہے جس کی مطابقت مرد کے اس تصور سے ہوتی ہے جو عورت کے ذہن میں موجود ہے۔ اپنی مس کے تشخص کو کسی بھی مرد سے متعلق کیا جاسکتا ہے۔ بہت قدیم سے لے کر احتمالی مذہبی شخصیت تک، اس کا تعلق عورت کے ذہنی ارتقاء کی منازل کے ساتھ ہوتا ہے وہ تو عورت کے خوابوں میں لڑکا سا بھی نظر آتا ہے۔ یادہ محض آواز ہوتا ہے جو سنی جاتی ہے۔

اپنی مس کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایسیا سے بالکل الگ تھلک ہے جو بیش ایک عورت کے روپ میں ہوتی ہے، یہ رہنماں پایا جاتا ہے کہ اس کا اظہار مردوں کے گردہ کی صورت میں ہو۔ ڈونک سے ایک اقتباس ہے :

اپنی مس تو ہاپوں کی ایک جماعت ہے، یا پھر کسی بھی طرح کے شرفائی، جو ایک ناقابل تردید عقلی صورت ہے، کچھ مقدس عبارتوں کی، اگر قریب سے دیکھا جائے یہ عقلی عبارتیں کچھ فرمودات اور آراء پر مبنی ہوتی ہیں، جو بچپن کے زمانے سے باطنی طور سے اسکی کئی شروع کر دی جاتی ہیں اور ان کو ایک ایسے قہیلے میں ڈال دیا جاتا ہے جو عمومی صداقت، انصاف اور قبولیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ گویا مجموعہ ہے ان خیالات کا جو پہلے سے فرض کر لئے گئے ہیں۔ جو اس زمانے میں جمع کئے گئے تھے، جب صحیح فیصلہ کرنے کی قوت اور شعور موجود ہی نہیں تھے (زیادہ تر یہی کچھ ہوا ہوتا ہے) مگر وہ فوری طور پر ایک رائے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات ان آراء کو معروف اور درست عقلی مشترک (Common Sense) کی شکل عطا کر دی جاتی ہے، وہ اصول نظر آتے ہیں جو کہ تعلیم کے سروپ (Travesty) کی طرح ہیں۔ لوگ بیش اسی طرح کرتے ہیں۔ سب یہی کہتے ہیں کہ وہ اس طرح کا ہے۔"

اس تنقیدی رائے کا رخ کئی بار زیادہ فعال ضمیر کے باعث عورت کی طرف بھی ہو جاتا ہے۔ اس سے عورت احساس کثرتی کا شکار ہوتی ہے اور اس کی فیصلہ کرنے کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا رخ بار و گرد پھیلے ہوئے لوگوں کی طرف ہو جاتا ہے اور پھر بغیر دیکھے ہر طرح کی تخریب کاری شروع ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں عورت اپنے

ہمسایوں پر تنقید کرتی ہے اور بغیر ذرا سی شدت کے وہ انجینی لوگوں کے کردار کا نکتا چاٹا ہری طرح بکھیر دیتی ہے، اور کبھی وہ اپنے خاندان والوں یا اپنے ساتھ کام کرنے والوں کے بارے میں یا خود ان سے تلخ باتیں کرتی ہے اور کہتی ہے، 'یہی ان کے لئے اچھا ہے۔' 'بہتر ہے کہ کچ کو کچ ہی کے طور پر بیان کر دیا جائے۔ میں نہیں چاہتی کہ ان کی عادتیں خراب ہو جائیں۔' یہ ایک ایسا بیان ہے جس سے اپنی مس پہچانا جاتا ہے۔ پڑھی لکھی خاتون بھی اس شدت کے ساتھ اس کا انکار ہوتی ہے، جیسے کہ کوئی ان پڑھ عورت ہو سکتی ہے۔ وہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے اخبار میں سے اقتباس پڑھے گی یا پھر کہے گی، 'یہ کیسے لوگ ہیں میری بات کو سمجھتے ہی نہیں، میرا اعتبار ہی نہیں کرتے۔ بس اپنے ہی بات کئے جاتے ہیں، میں نے خود اخبار میں دیکھا ہے۔ یہ خواتین انحصار کرتی ہیں کسی مقتدر ادارے پر، یونیورسٹی پر، گرجے پر، ریاست پر یا کسی کتاب یا تاریخی مسودے پر۔ بہر صورت اگر اس کی رائے سے اتفاق نہ کیا جائے تو پھر وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ملا لاتی ہے اور ادعا کی (Dogmatic) بن جاتی ہے۔ ایسی عورتیں طاقت کی خواہش ہوتی ہیں، خواہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں کیسی بھی بھولی بھالی اور مطابقت پیدا کرنی والی کیوں نہ نظر آئیں۔ جب بھی اس کا اپنی مس پتلو جاتا ہے، وہ ظلم اور تشدد پر اتر آتی ہے اور پھر کوئی دلیل اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس اپنی مس علمداری کی وجہ سے ایک عورت کے لئے ہے جو مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ غیر متعصب انداز میں سوچے، اسے ہر گزری اس آواز کے خلاف نمود آندا ہوتا ہے جو اس کے اندر سے ابھرتی ہے، جو اسے یہ کہتی ہی چلی جاتی ہے "یوں ہونا چاہئے یا اسے یوں کرنا چاہئے۔" لہذا اس کے لئے یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ چیزوں کو ان کے اصل رنگ میں دیکھے۔

اپنی مس کا ایک مثبت غلط بھی ہے۔ تاہم کبھی کبھی ایسا موقعہ بھی آ جاتا ہے کہ عورت کو اس حوصلے اور تشدد کی ضرورت ہو، جو اپنی مس کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ بہت منفرد شے ہے۔ اگر اسے یہ اجازت نہ دی جائے کہ وہ عورت کو بھی اپنے ساتھ ہمارے لئے جائے۔ جو آزاد قائم کرتا ہے، وہ بہت زیادہ عمومیت کی حامل ہوتی ہیں اور اس لئے ان کا اطلاق کسی خاص صورت حال پر بھی ہو سکتا ہے اور اگر کوئی خاتون ان کا تنقیدی جائزہ لے، تو وہ اس میں سے ایسی شے بھی دریافت کر سکتی ہے، جو انتہائی قابل قدر ہو۔ اپنی مس عورت کو آسا سکتا ہے کہ وہ ظلم اور صداقت کی جستجو کرے اور یوں وہ اپنی زندگی کو پختہ بنائے۔ اگر وہ اسے پہچانا

تک لے اور اس کے مطابق اپنے اعمال کو ڈھال لے۔

اپنی مس اور انتہیا دونوں ہی شعور اور لاشعور کے درمیان مصالحت کنندہ کا کردار ادا کرتے ہیں اور جو کسی زندہ ہستی کے طور پر خوابوں میں، فحاشیا یا وٹن میں اہانگر ہوتا ہے، انسان کو وہ کچھ کر سکتے کا سوختہ مل جاتا ہے، جو کبھی لاشعور کا حصہ تھا۔ ڈونگ تو یہ بھی کہتا ہے کہ خوابوں کو سنجیدگی سے لینا چاہئے۔ وہ تو فطرت کی آواز ہیں، وہ صرف آوازیں نہیں ہیں، ان کے کچھ اثرات بھی ہم پر مرتب ہوتے ہیں۔ وہ خواب جو بظاہر بے معنی لگتے ہیں، ان کی تفسیر بھی ہو سکتی ہے، اگر ان پر صحیح رخ سے غور کیا جائے اور ان کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ مگر کچھ خواب تو ایسی واضح تصویر پیش کرتے ہیں کہ ان سے کچھ نہ کچھ مضموم فوری طور پر اخذ کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ کہ کوئی ذرا سی کوشش کرنے کو تیار ہو، اگر کوئی صاحب کشف (Visionaries) یا خوابوں کا مطالعہ قریب سے کرے اور اس کی مطابقت ان لوگوں سے پیدا کرے، جن کو وہ پہلے سے جانتا ہے یا اساطیر اور شاعری کا مطالعہ کرے یا ان کرداروں کو دیکھے، جو کتابوں اور ڈراموں میں موجود ہوتے ہیں، تو پھر اسے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ خوابوں میں ظاہر ہونے والے کی، اس کے لئے کیا اہمیت ہو سکتی ہے اور یوں اسے کسی حد تک اپنے لاشعور کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔

یہ ایک شاندار منافع ہے کسی بھی شخصیت کے لئے، اس کی وجہ سے شخصیت زیادہ آزاد ہو جاتی ہے اور ان دیکھے اور غیر عقلی اثرات اس پر کم ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسروں سے تعلقات میں بھی سہولت پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ ویسے ہی نظر آنے لگتے ہیں جیسے کہ وہ ہیں۔ وہ ویسے نہیں رہتے جیسے کہ ہم نے اپنے طور پر ان کو بنا دیا ہوتا ہے اور ہم نے انہیں بہت سے ممکن اور ناممکن خواص عطا کر دیئے ہوتے ہیں اور ان پر ہم اپنی ذات کا اندکاس کرتے رہے ہوتے ہیں۔

انتہیا اور اپنی مس کے اثرات کا اندازہ کرنا خاص مشکل ہے، خاص طور پر پڑھنا اور شیڈو کے مقابلے میں ایسا کرنا ٹھیکے دار، بہت سے لوگ ایسے اشخاص کو جانتے ہیں، جو مکمل طور پر پڑھنا ہوتے ہیں اور پھر وہ ان اثرات کو دیکھنے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں اور شیڈو تو خاص طور پر خاص واضح ہوتا ہے اور اس کی نشاندہی کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ انتہیا اور اپنی مس ہر حال پھلاوے کی طرح ہوتے ہیں اور صرف محدودے چند لوگ ہی یہ بتا سکتے ہیں کہ ان

سے کیا مسموم لیا جاسکتا ہے۔ نہ ہی وہ شعور کے ساتھ پوری طرح منطقی کئے جاسکتے ہیں۔ ان کا بہت سا حصہ آنکھوں سے کوجھل رہتا ہے اور انتہائی لاشعور کی اقلیم میں خفی ہوتا ہے، مثل کے طور پر ایک ایسا آدمی جو انتہیا کو قبول کرتا ہے اور اسے جاننے کی کوشش کرتا ہے، وہ ممکن ہے زیادہ حساس و صول کنندہ ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے وجدان کو ترقی دے لے یا احساس کو، مگر وہ اپنے آپ کو ان خواص کا حامل نہیں بناسکتا، جن کا انکسار دیویوں پر یا کنواری پر کیا جاتا ہے۔ وہ ممکن ہے اس کے دل میں رحم، فیاضی، شیطانی، تحقیق و خبیثہ پیدا کریں، مگر یہ بھی کچھ اس کی مرضی کا پابند نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اوقات تو وہ اس کی مرضی کے بغیر ہی کام سرانجام دیتے ہیں، اور ان کو اسی وقت حاضر بھی نہیں کیا جاسکتا جب وہ ان کو بلانے کی خواہش کرے، یہی بات ان عورتوں کے بارے میں بھی درست ہے، جو کچھ کرنے کر گزرنے کا شوق رکھتی ہیں یا فکر میں پیش قدمی کر لیتی ہیں، جن کا تعلق ان کے ساتھ ذاتی اور فنی ہوتا ہے مگر وہ مردانہ روح کے اس پہلو کو جس کا تعلق لاشعور کے ساتھ ہوتا ہے، بھی پوری طرح اپنا نہیں بنا سکتیں اور نہ ہی اس کا مظاہرہ اس طریقے سے کر سکتی ہیں کہ وہ خاص ذاتی اثرات سے ماوراء نظر آئے۔

کوئی بھی شخص جسے انتہیا اور اپنی مس کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے، تو وہ جان لے کے اسے باطنی مرد اور عورت کے بارے میں علم حاصل ہوا۔ یہ وہ قوتیں ہیں جو دوسرے انسانوں کو فعال بناتی ہیں، اس نے مرد اور عورت کے بارے میں وہ کچھ جان لیا، جو بہت انتہائی لاشعور کی گہرائی میں موجود ہے، مگر اسے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس پر اس سمندر کے تمام راز واضح ہو گئے، کیونکہ جہاں تک ہمارا علم ہے، یہ سمندر لامحدود ہے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ اس لاشعور کو پانی سے خالی کر دیا جائے اور اس کے اندر جو کچھ موجود ہے، اسے باہر نکال لیا جائے۔ جو آرکی چپ اس میں سے ابھر کر سامنے آسکتے ہیں، لاتعداد ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی تصویر کشی کرنے کی کوشش کی جائے اور ان سے باتیں ہونے کی سعی کی جائے، جو سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں اور ہم پر جن کے اثرات سب سے زیادہ مضبوط ہیں۔

انتہیا اور اپنی مس کے بعد وہ دو آرکی چپ جو انسان کی زندگی پر زیادہ اثر انداز ہونے

کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ بوڑھا دانا آدمی (Old Wise Man) اور عظیم ماں (Great Mother) ہیں، بعض اوقات ڈرگ بوڑھے دانا آدمی کو معنی کا آرکی ٹائپ قرار دیتا ہے لیکن چونکہ وہ کئی اور اشکال میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر بادشاہ یا بیرو، عجیب (Medecine Man) اور بچانے والا (Saviour)۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ معنی کو اپنی وسیع ترین صورت میں لیا جائے۔

یہ آرکی ٹائپ شخصیت کے لئے ایک سمجھدہ خطرہ ہے، کیونکہ جب یہ جانتا ہے تو انسان آسانی سے اس بات میں یقین کر لیتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر مانا (Mana) کا حامل ہے۔ اس کے ساتھ جلدولی قوت بھی ہوتی ہے اور حکمت بھی۔ یوں لگتا ہے کہ انتہا کا یہ جوش و شوق اس مشکل کے باطن میں داخل کیا گیا ہے اور جو اس کی گرفت میں آجائے، وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے عظیم سری (Esoteric) حکمت کے ساتھ ساتھ خطرناک قوت اور شفا عطا ہو گئی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا شخص اپنے پیچھے بہت سے لوگوں کو لگائے، کیونکہ جب وہ اس حد تک اپنے لاشعور کو جاننے لگتا ہے، تو وہ واقعی دو سروں سے بہت آگے نکل چکا ہوتا ہے۔ ہر صورت آرکی ٹائپ کے اندر ایک ایسی قوت ہوتی ہے، جس کا اندازہ لوگوں کو وجدانی طور پر ہو جاتا ہے اور پھر وہ اس کے خلاف مداخلت بنانے کے قائل نہیں ہوتے، جو کچھ وہ کہتا ہے لوگ اس سے مسحور ہو جاتے ہیں، خواہ خود کرنے کے بعد یہ اندازہ بھی کیوں نہ ہو جائے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے اس کی تنصیہ ممکن نہیں ہے۔ مگر یہ قوت تخریبی بھی ہو سکتی ہے اور انسان کو مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنی قوت اور اوقات سے بدوڑا چلا جائے۔ اس کے پاس حقیقی حکمت نہیں ہوتی، جو حقیقت میں لاشعور کی ایک آواز ہے اور اس پر شعوری سطح پر تنہید کی جانی چاہئے اور اس کی تنصیہ بھی اس طریقے سے ہونی چاہئے کہ اس کی صحیح قدر و قیمت تک رسائی حاصل ہو سکے۔ اگر کوئی انسان اس بات پر یقین کر لے کہ وہ اپنے ہی خیالات کی آواز سن رہا ہے اور اپنی ہی قوتوں کا اہتمام کر رہا ہے خاص طور پر اس وقت جب اس کے لاشعور سے کوئی خیال ابھر کر سامنے آ رہا ہو۔ تو پھر اس بات کا خدشہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی گرفت میں ہو اور خبط عظمت (Meglomania) کا شکار ہو۔ (خبط عظمت کا مریض یہ سمجھتا ہے کہ وہ بادشاہ ہے یا زمین کی عظیم ہستیوں کے ساتھ قرینی رابطہ رکھتا ہے۔ یہ ایک انتہائی مشکل ہے مگر اس کے اندر غلو کا ہونا لازمی ہے) لیکن اگر کوئی شخص خاموشی کے ساتھ لاشعور کی آواز کو سن سکتا ہو اور پھر سمجھ بھی سکیں ہو کہ یہ قوت

اس کے ذریعے اپنا اظہار کر رہی ہے، اور اسے اس پر اختیار نہیں ہے۔ تو پھر یہ اس کی شخصیت کو بہت اعلیٰ مدارج تک لے جاسکتی ہے۔

عظیم ماں کا آرکی ٹائپ عورت کے اندر متوازی طور پر کام کرتا ہے۔ جس کے اندر یہ صورت حال پیدا ہو جائے وہ سمجھتی ہے کہ اسے لامتناہی محبت، فہم، مدد کرنے کی خاصیت، تحفظ کی فراہمی دیتے ہوئے ہے وہ دوسروں کے لئے اپنے آپ کو ہلکان بھی کر سکتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ انتہائی تخریبی بھی ہو سکتی ہے اور اس بات پر اصرار کرتی ہے (اگرچہ کچلے بندوں نہیں کرتی) کہ جو لوگ بھی اس کے حلقہ اثر میں آتے ہیں، اس کے بچے ہیں، اس کی مدد طلب کرتے ہیں، اور اس پر داد و مدار رکھتے ہیں اگر یہ ذہانت بھرا استبداد (Tyranny) اپنی انتہا کو چھو لے، تو پھر وہ دوسروں کے حوصلے بہت بھی کر سکتا ہے اور ان کی شخصیتوں پر چابی بھی لاسکتا ہے۔

ڈونگ ان لوگوں کو جو ان آرکی ٹائپ کی گرفت میں ہوتے ہیں، پھولا ہوا (Inflated) قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جو بھی ان کی گرفت میں ہو گا وہ پھول کر اپنے لئے بہت بڑی شے بن جائے گا مگر یہ شے کسی طرح بھی ذاتی یا نجی نہیں ہوتی، بلکہ اجتماعی ہوتی ہے۔ ایچ۔ جی۔ ویلر (H.G. Wells) کی کہانی کرشنا البرٹا کا باپ (Christina Alberta's Father) میں اس پھولنے کے عمل کی ایک اچھی مثال موجود ہے۔ اگرچہ یہ شعور کی توسیع یا ایٹیمز کے جذب ہو جانے (Assimilation) کی وجہ سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کی وجہ سے ہے، جسے ڈونگ اپنی زبان میں "اجتماعی لاشعور کی بغلدار (Invasion) قرار دیتا ہے۔ مسٹر پریم ہائی (Premby) جو کہ پیشیا (Midget) شخصیت کا مالک ہے، یہ دریافت کرتا ہے کہ وہ حقیقت میں سارگن (Sargon) جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، کا نیا روپ ہے، جسے کھیلنے ہوئے انداز میں مصنف کا کہانی فن غریب اور قدیم سارگن کو مریضانہ ہمدردیوں سے بچا لیتا ہے۔ بلکہ وہ تو قاری کو یہ موقع بھی دیتا ہے کہ وہ اس قاتل افسوس شور شرابے کے اندر چھپے ہوئے اے اور دوا کی مہلتی کی ایک جھلک دیکھ لے، مسٹر پریم ہائی جو کچھ بھی نہیں ہے یہ سمجھنے لگ پڑتا ہے کہ وہ بہت سے ادوار کا نقطہ اتصال ہے اور اس میں ماضی اور مستقبل دونوں ہی شامل ہیں۔ یہ علم اس کو بہت مہکا پڑتا ہے کیونکہ اس کی قیمت

ذرا سی دیوانگی ہے اور آخر کار پریم پٹی کو اس صیب قدیم قتل کا ہوائی، ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اور حقیقت میں بھی واقعہ اس کے ساتھ پیش آتا ہے۔

خداؤں کی طرح محسوس کرنا یا سپرمن (Superman) بننے کا احساس ہوتا ہو افراد (Inflation) کی وجہ سے ہوتا ہے، ایک دلدہ (Illusion) ہے، فریب نظر ہے۔ ایک مختصر مدت کے لئے ہمارے دل میں لامحدود حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے یا ہم خود کو لامتناہی حکمت کا حامل سمجھتے ہیں۔ سب کو معاف کر دینے والے، مگر یہ بھی یکدم ایسی شے نہیں ہے، جو ہم اپنی مرضی سے ظہری کر سکتے ہوں، یہ تو ہم سے باہر ہے۔ ہم ان طاقتوں کو ٹھیک سے سمجھتے بھی نہیں ہیں کہ وہ ہم کو اس طرف کیوں لاتی ہیں، ان کے سامنے انکسار کے ساتھ کھڑے ہو جانا لازم ہے اور اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے لیکن اگر ایٹو اپنی قدرت (Omnipotence) کے پیش نظر ان پر اپنے اعتماد کو کسی حد تک کم کرے، تو جو پوزیشن پیدا ہوتی ہے وہ ایسی ہے کہ اس کے ایک طرف تو شعور ہے، جسے اقدار کا احساس ہے مگر وہ انہیں حاصل نہیں کر پاتا اور دوسری لاشعور ہے جس میں فعالیت بھی ہے اور طاقت بھی ہے اور جو شخصیت کا ایک اور مرکز ابھر کر سامنے آسکتا ہے، جو اپنی نوعیت میں ایٹو مرکز (Ego Centre) بالکل مختلف ہو۔ ڈونگ اس نئے مرکز کو شخصیت کا سلف (Self) یا ذات کہتا ہے۔

ایٹو کہتا ہے کہ صرف اس کو شعور کا مرکز ہونے کا حق ہے اور اگر وہ یہ کوشش کرے تو لاشعور بھی اس میں شامل ہو جائے (اجنبی لاشعور کے عناصر ذاتی لاشعور نہیں اور نہ ہی شیڈ جو ایٹو سے تعلق نہیں رکھتے) تو اسے چاہی کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اس جہاز کی طرح جس پر اتنا زیادہ وزن لاد دیا جائے کہ وہ اس پر بھری سے ڈوب جائے۔ سلف کے اندر ہر صورت شعور اور لاشعور دونوں ہی موجود ہوتے ہیں۔ یوں لگتا ہے گویا وہ ایک مغناطیس (Magnet) ہے اور وہ شخصیت کے بکھرے ہوئے عناصر کو یکجا کرتا ہے اور یہ ایک لاشعوری فعل ہے اور لاشعور کی کلیت (Totality) کا مرکز ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایٹو شعور کی کلیت کا مرکز ہے اور یہی وہ تقابل ہے جو مردوں اور عورتوں میں تضاد عناصر کو یکجا کرتا ہے۔ اس میں خیر و شر اور مردانگی اور نسائیت وغیرہ شامل ہیں اور ایسا کرتے ہوئے وہ ان کی کلیا پلٹ (Transmutation) کر دیتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے یہ لازمی ہوتا ہے کہ انسان کے اندر کتر کے ساتھ ساتھ غیر عقلی اور بے عقلی کو بھی شامل کیا جائے۔

اس حالت تک کوئی بھی پختہ کار شخص بغیر اچھی خاصی جدوجہد کے نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ایسا کرنا خاصہ تکلیف دہ ہوتا ہے، اور مغربی ذہن مشرقی ذہن کے برعکس ناقص (Paradox) کو آسانی سے برداشت نہیں کر پاتے، ہندو کے لئے ہر شے خواہ وہ اعلیٰ ترین ہو یا پست ترین ہو ارفعیت (Transcent) میں موجود ہوتی ہے، اور یہ موضوع ہے سلف لہ کا۔

چینی فکر میں تاؤ TAO بھی اشتہال کل (All Inclusive) ہے اور گولڈن فلوور Golden Flower یا غیر موقتی روح Immortal Spirit کا وجود میں آ جانا بھی (جو چینی لہ کا سب سے بڑا ارمان Ideal ہے) انحصار کرتا ہے روشن قوتوں پر اور تدریک قوتوں کے باہمی عمل اور رد عمل (Interplay) پر۔

ژوئنگ جب مشرق کے ساتھ رابطے میں آیا تو اس نے لاشعور کے بہت سے مخفی راز دریافت کئے اور پھر اس نے ندریں پھول کا راز (Secret of the gold flower) ایک تصور برائے سلف تکمیل دیا، مگر وہ یہ نہیں کہتا کہ ہم کسی بھی طرح مشرق کا متبع کریں۔ ایسا کرنا مضحکہ خیز ہو گا یہ تو ایسا ہی ہے جیسے روز ہی ذرق برق لباس پہنا جائے۔ وہ بہت مشکل اور مشقت سے بچا ہوا اختیار۔ ارادہ (The will) اور وہ علم جو طبیعیات والوں نے بڑی محنت سے طویل عرصے میں حاصل کیا ہے، یا پھر کیمیا دانوں نے یا قدرتی سائنس دانوں نے، اسے ہم نے اٹھا کر ایک طرف تو نہیں پیچیدہ دیتا۔

سائنس مغرب والوں کا بہترین اختیار ہے اور خالی ہاتھوں کی بجائے اس کی مدد سے زیادہ دور دار کئے جاسکتے ہیں۔ مگر اس وقت جب یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ وہ دنیا کو جاننے اور چیزوں کو پرکھنے کا واحد ذریعہ ہے، تو یہ گویا سمیرت کو دھندلانے والی بات ہے، لیکن یہ مشرق ہے جس نے ہمیں ایک شاندار اور وسیع تفہیم عطا کی ہے، اور وہ ہے زندگی کے حوالے سے علم حاصل کرنا جب ہمیں اس مسئلے کا سامنا ہو، کہ مشرق کے خیالات کو کس طرح سمجھا جائے، تو اس وقت اہل مغرب کی عام لٹلپی یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک ہار سائنس سے مت موڈ لیتا ہے، اور پھر مشرقی دھند و کشف میں کھو جاتا ہے اور وہ ان کی لہ کا (Yoga) مشقوں کو سامنے کے معنوں میں لینا شروع کر دیتا ہے اور

ہوں وہ کمالی رحم نعل بن کر رہ جاتا ہے۔ (عرفانی فلسفہ Theosophy اس کی بہترین مثال ہے۔)“

ڈونگ اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ اس کا سلف کا تصور ہم کبیر شعور (Universal Conclousness) نہیں ہے، جو کہ لاشعور کے لئے ایک اور نام کے علاوہ کچھ نہیں ہے، ایک طرف تو یہ ہماری خاص فطرت کی آگاہی پر مشتمل ہے اور دوسری طرف اس کا گہرا اور قریبی تعلق ساری زندگی کے ساتھ ہے، جس میں انسانی زندگی کے علاوہ حیوانات، نباتات بلکہ جمادات اور خود کاسموس (Cosmos) بھی شامل ہے۔ یہ یکمکانی کا احساس ہے اور زندگی کے ساتھ ایک منسلکیت ہے جسے اب ہم قبول کرتے ہیں اس زندگی کے حوالے سے جو موجود ہے اور اس حوالے سے نہیں کہ جیسی ہونی چاہئے تھی۔

ہیں لگتا ہے کہ جیسے زندگی کی رہنمائی ایک ایسے مرکز کے پاس چلی گئی ہے، جو نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔ اور گویا جبر (Compulsion) سے آزادی حاصل ہو گئی ہے اور ناممکن ذمے داری سے نجات مل گئی ہے جو کہ شرکی اسرار (Participation Mystique) کا ناگزیر نتیجہ ہے۔

ڈونگ نے ایک طویل عرصے تک شخصیت کے اس مرکز کا مطالعہ اپنے درختوں مریضوں میں کیا اور پھر اس نے اسے اپنے نظریے کی تشکیل کے اندر جگہ دی، یہ نہیں سمجھا جاتا چاہئے کہ ہر وہ شخص جو تحلیل (Analysis) کے لئے آتا ہے، اس میں یہ واردات موجود ہوتی ہے اور وہ اس تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، کچھ لوگوں کے لئے تو شخص اس قدر ہی کافی ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچپن کے لاشعور پر انحصار ہی سے نجات پالیں، کیونکہ جب علت (Cause) تک پہنچ لیا جائے تو بہت سی پریشان کن علامات غائب ہو جاتی ہیں یا اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ زندگی کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کا کوئی نیا ذریعہ ڈھونڈ نکالا جائے، جو تسلی بخش بھی ہو اور کارآمد بھی ہو۔ مگر کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کو ہم وقت لاشعور کو جو نظر رکھنا پڑتا ہے۔ ان کو یہ ضرورت ہوتی ہے کہ وہ شعور کے ساتھ ساتھ لاشعور کو بھی جانیں

اور قبول کریں، انہیں لاشعور کو اپنی شخصیت کے ساتھ اس طرح مربوط کرنا ہوتا ہے کہ وہ ایک کل کی شکل اختیار کرے متناقضانہ طور پر سلف نہ صرف مرکز ہے بلکہ وہ پورے انسان کی نمائندگی بھی کرتا ہے اور اس کے تضاد سے جو فطری طور پر انسان کے اندر موجود ہیں ایک اکلی تشکیل دیتا ہے، اس کے اندر وہ بھی کچھ موجود ہوتا ہے جو اچھا ہے اور وہ بھی کچھ بھی جو بُرا ہے، پھر اس کے اندر مردانگی بھی ہے نسائیت بھی، وہ چاروں تضاد بھی جو تفکر، احساس، قس اور وجدان کھلاتے ہیں اور اس میں شعور اور لاشعور بھی شامل ہیں۔

سلف کے بارے میں ڈونگ کہتا ہے کہ وہ نہ صرف مرکز ہے بلکہ وہ تو محیط (Circumfrence) ہے اور شعور اور لاشعور کو اپنے گہرے میں لئے ہوئے ہے، وہ اس ساری کیفیت کا مرکز ہے، جیسے کہ ایفو شعور کا مرکز ہے۔

سلف کا تجربہ آرکی ٹائپ کا تجربہ ہے اور اس کا اظہار خواہوں میں ہوتا ہے یا پھر دشمن میں اور مختلف قسم کے کی متضاد تشابہوں میں، ان سب کو سلف کے آرکی ٹائپ کہا جاتا ہے۔ جو لوگ خواہوں کی زبان سے بات کرتے ہیں، ان کے لئے ایجو کا یہ تنوع الجھاؤ پیدا کرنے کا سبب بھی ہو سکتا ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ لاشعور اس طرح ٹھیک ٹھیک طور پر متعین نہیں ہے جس طرح کے شعور کو ہونے کی ضرورت ہے۔

اگر وہ سورج کی بات کرے اور اس کا تشبہ شیر کے ساتھ قائم کرے یا پھر بادشاہ کے ساتھ اور سونے کی ڈبیروں کے ساتھ جن کی رکھوالی اڑوا کرتا ہے اور دوسرے کئی ایجو، یہ بھی سلف ہی کے آرکی ٹائپ کہلائیں گے، یہ وہ قوت ہے جو انسان کی زندگی اور صحت کو قائم رکھتی ہے، وہ نہ یہ چیز ہے اور نہ ہی وہ چیز ہے، بلکہ وہ تو کوئی ماسطوم تیسری شے ہے، جو کسی نہ کسی طرح تمام استعاروں میں اپنا اظہار کرتی چلی جاتی ہے تاہم اس کے باوجود وہ عقل کی ہمہ وقت اذیت ہے جو ماسطوم رہتی ہے اور کبھی اسے فارمولوں میں قید نہیں کیا جاسکتا۔

بچہ کئی بار سلف کی علامت ہوتا ہے۔ بعض اوقات کوئی خداوندی یا جادوئی بچہ، بعض

اوقات عام ساچہ بلکہ جو شخصوں میں لینا ہوا پچہ (Ragamuffin) بھی۔ اساطیر اور لوک کہانیوں میں بچے کے ساتھ لامحدود تصورات پہلے ہی سے لگا دیے گئے ہیں، اور مذاہب میں کئی بار اس کو بہت اعلیٰ جگہ دی جاتی ہے، خاص طور پر مصابیت میں، جس سے سلف کے بطور بچے کی علامت کے، بہت سی روشنی پڑتی ہے اور دوسری اشیاء پر حضرت عیسیٰ اور مسیح بدھ کی شبیہیں آتی ہیں جو ڈونگ کے خیال میں سلف کے آرکی ٹائپ کے اعلیٰ ترین امتیازات ہیں جن تک رسائی حاصل کرنے میں انسانیت اب تک کامیاب ہوئی ہے۔

خواب کے اندر سلف جانور یا انڈے سے بھی ابھر سکتا ہے، اس کا اظہار دو جنسی (Hermaphroditic) شکل کی صورت میں ہوتا ہے (جو بدیہی طور پر تکمیل کی علامت ہے) اور اس لئے اس کا حصول بہت مشکل ہے۔ اس سلسلے میں وہ ایک نوا ہر پارہ (Jewel) ہے۔ (خصوصی طور پر ہیرا (Diamond) موتی (Pearl) ایک پھول، ایک سونے کا انڈا، گیند یا پھر پھول کٹوری (Chalice) یا کوئی جو مطریا (Geometrical) شکل، جیسے دائرہ، پیسہ، مربع، اور کوئی بھی شے جو چوکور ہو، کوئی ایسی صلیب جس کے چاروں بازو ایک جیسے ہوں، یا وہ گھڑی رمز (Symbol) جس میں چار ہدام ایک ترتیب سے رکھے گئے ہوں، یہ بھی چیزیں اکثر سلف کی علامت کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

ہم مرکز حوالے سے مرتب کی گئی اشکال جن کو منڈل (Mandalas) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ منڈلا سنسکرت (Sanskrit) کا لفظ ہے جس کے معنی جادوئی چکر (Magic Circle) کے ہیں اور ان کی رمزیت (Symbolism) اشکال ترتیب ہے۔ یہ سارے کی ساری نیم قطری (Radius) یا گردی (Spherical) ترتیب ہے، تمام دائروں، چکروں یا مربعوں کا ایک مرکزی نقطہ ہوتا ہے، یہ قدیم ترین مذہبی علامتوں میں سے ایک ہے (پہلے اس کو سورج چکر (Sun Wheel) کے نام سے جانا جاتا تھا اور یہ دنیا میں ہر جگہ موجود ہے۔ مشرق کے اندر منڈل (جن کی شکل روایتی طور پر چھین ہے) وہ رم کے طور پر تھرا (Tantric) اور لائلی بدھ مت (Lamaistic) میں استعمال ہوتے ہیں۔ یونا مراقبے (Contemplation) یا سلوگی میں مددگار کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ عیسائیت کے بھی منڈل ہیں اور ان کا تعلق قدون وسطی (Middle Ages) کے آغاز کے ساتھ ہے۔ اس میں

حضرت یحییٰ کو مرکزی شکل کے طور پر درمیان میں رکھا جاتا ہے اور چار طرف چار مبشر (Evangelist) ہوتے ہیں اور ان کی علامتیں اہم نقطوں پر ہوتی ہیں۔ تکرہی طور پر منزل ایک ایسی رمز ہے جو خداوند (Diety) کی فطرت کو ظاہر کرتی ہے۔ اسے فلسفیانہ طور پر بیان کرنے کے لئے بھی اور اس کی تعریف کرنے کے لئے بھی۔

ڈونگ نے یہ دیکھا کہ منڈالا^{۱۲۱} رحمت اس کے مریضوں کے خوابوں اور وژن دونوں میں ظاہر ہو رہی ہے۔ اس کی رویت (Appearance) ان کے لئے ناقابل تقسیم تھی مگر اس کے باوجود اس کے ساتھ ایک سکون اور آہنگ کا احساس ضرور تھا۔ بعض اوقات منزل کھینچا جاتا تھا یا پھر اس کی تصویر کشی ہوتی تھی جس میں وہ اکثر جو مطبائی شکل اختیار کر لیتا تھا یا پھر اسے ایک وژن کے طور پر دیکھا جاتا تھا (خواب میں یا پھر چاہتے میں) یا پھر رقص کی شکل میں۔ اگر کسی پڑھنے والے کو منزل کا رقص عجیب لگے تو بہت سے عباداتی رقص ذہن میں لائے جائیں یا کچھ لوگ رقص، جہاں رقص کا ایک خاص پیکر مرکزی نقطہ ہو، جو چاروں سمتوں سے گریز ہو اور مرکزی طرف پیش قدمی ہو، منزل وژن نتیجے کے طور پر بھی واقعہ ہو سکتا ہے یا پھر بقول ڈونگ فعال متبیلہ (Active Imagination) کے طور پر، جو ایک تخلیق ہے انتہائی مرکوز توجہ کی، جو شعور کے پس منظر پر منجھی جاتی ہے اور وہ ایک طویل مشق کے بعد اپنی تکمیل کو پہنچتی ہے۔ یہاں ایک مثال پیش کی جا رہی ہے جو ایک خاتون مریض کے طویل بیان سے لی گئی ہے۔

میں پہاڑی کے اوپر چڑھی اور ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں مجھے اپنے سامنے سات سرخ پتھر نظر آئے دونوں طرف سات سات پتھر اور سات پتھر پیچھے بھی تھے، اور میں اس چوکور کے درمیان میں کھڑی تھی یہ پتھر بالکل ہموار تھے بیڑیوں کے قدموں کی طرح۔ میں نے کو خشش کی کہ میں چار پتھروں کو گھسیٹ کر اپنے قریب کر لوں۔ جب میں نے یہ کو خشش کی تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ پتھر چار دیوتاؤں کی صورتوں کے پائے (Pedestals) تھے جنہیں زمین کے اندر دفن کر دیا گیا تھا۔ میں نے ان کو نکھود کر باہر نکالا اور میں نے انہیں اپنے ارد گرد ترتیب سے پھیلا دیے ان کو اس طرح پھیلا دیا کہ میں ان کے مرکز میں آ جاؤں۔ اہاں کہ وہ ایک دوسرے کی طرف جھک گئے اور انہوں نے

اپنے سروں کو میرے اوپر جوڑ کر ایک ٹیبلہ سا بنالیا۔ پھر میں زمین پر گر گئی اور میں نے کہا ”اگر تم گرنا ہی چاہتے ہو تو مجھ پر گر جاؤ“ میں بے حد تنگ گئی ہوں، پھر میں نے دیکھا کہ چاروں دیوتاؤں کو گھیرے میں لئے ہوئے مشطوں کا ایک دائرہ سا دھرا آیا ہے، کچھ دیر کے بعد میں زمین سے اٹھی اور میں نے دیوتاؤں کی صورتوں کو پرے پیٹک دیا، جیل وہ گریں وہاں چار درخت اُگ آئے پھر آگ کے چار نیلے شعلوں نے ان کو گھیرے میں لے لیا اور انہوں نے درخت کے پتوں کو جلانا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا ”یہ سب کچھ ختم ہونا چاہئے، مجھے آگ کے اندر خود داخل ہونا چاہئے۔ تاکہ جوں کو جلنے سے بچایا جاسکے۔“ پھر میں آگ کے اندر داخل ہوئی، درخت غائب ہو گئے، اور شعلوں کے چھوٹے چھوٹے پتے سے ایک بہت بڑا نیلا شعلہ بن گئے، اور پھر اس شعلے نے مجھے زمین سے اوپر اٹھالیا۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ اس وژن کے معانی کو مکمل طور پر جانا جائے مگر قاری اتفاقاً کر سکتا ہے کہ وہ اس کے مرکزی نقطے کو جان لے، جس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بھی کوشش کرنی پڑتی ہے اور اس کے لئے کچھ خطہ بھی سول لینا پڑتا ہے، بہر حال یہ تو دیکھا جاسکتا ہے کہ چوکور ہی اور دائرے بہت اہم اشکال ہیں۔ اس سے بھی کہیں زیادہ تجزیہ دوست (Vision) ورلڈ کلاک (World Clock) ہے۔ جو ایک نوجوان دانشور نے بنایا تھا وہ ڈونگ کے پاس ایک نیورس (Neurosis) کے سلسلے میں آیا تھا۔ اس میں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے ڈونگ نے اس سے بہت ہی مختصر ملاقات کی تھی، پھر اس نے پانچ ماہ تک ایک شاکرد کو اپنے خواب اور بصری تجربات ریکارڈ کرائے تھے۔ ایک خاتون ڈاکٹر جس نے اس وقت ابھی آغاز ہی کیا تھا اور پھر تھائی اس کے تین ماہ بعد تک اس پر کام کرتی رہی تھی۔ چنانچہ اس بات کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے کہ ڈونگ اس مریض کے مواد پر کسی طرح بھی اثر انداز ہوا ہو اس کا وژن مندرجہ ذیل ہے :

ایک عمودی اور افقی دائرہ ہے اور مرکز دونوں کا ایک ہی ہے، ایک سیاہ پرندہ اس کو اٹھائے ہوئے ہے، عمودی دائرہ نیلے رنگ کا ہے اور اس کا پیسہ سفید ہے اور اس کی تقسیم 8 x 4 ہے جو کل ۳۲ بنتی ہے اور یہی اس کے اجزاء ہیں۔ ایک ہاتھ اس کو گھما

رہا ہے، افقی دائرہ چار رنگوں پر مشتمل ہے۔ اس دائرے پر چار چھوٹے چھوٹے آدمی کھڑے ہیں اور ان کے پاس چار چھوٹے سے (Pedula) ہیں اور ان کے گرد ایک سترے رنگ کا دائرہ سایا ہوا ہے۔

یہ دو ٹون ایک اعلیٰ و ارفع آہنگ کو ابھارتا ہے اور اس میں اتنے زیادہ امکانات موجود تھے کہ کہ ڈونگ نے اس پر خاصی تحقیق کی ہے۔

لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ منڈالا مزیت کسیں زیادہ سادہ ہو، اور کم ڈرامائی ہو، ان دو مثالوں کے مقابلے میں جو اوپر دی جا چکی ہیں۔ مثلاً ایک فوارے کا خواب، جو ایک مریض شغل کے مرکز میں لگا ہوا اور لوگ فوارے کا طواف کر رہے ہوں، یا کوئی چوکور مریض باغ جس کے درمیان میں دائرے کی شکل کی کیاری ہو جس میں پھول لگے ہوں، یا کوئی روزمرہ کی دیکھی کوئی اور شے، جس کو ہم اہم نہ سمجھتے ہوں، جبکہ اس کا جو تاثر مریض پر مرتب ہوتا ہو، وہ بھی بہت زیادہ واضح نہ ہو۔

ڈونگ کو یہ بھی اندازہ ہوا کہ وہ تجربہ جو منڈالا شکل (Pattern) کے اندر تشکیل پاتا ہے ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے، جو عکس خداوندی کو عکس کرنے کی استطاعت سے محروم ہو چکے ہیں، اور خدا ان کی ذات سے باہر کہیں آباد ہے اور اب وہ پھیل جانے کے خطرے سے دوچار ہیں، وہ خواہ گوشتی ہو یا مریض کی چار دیواری ہو، یہ ایک ایسا حصار ہے جو تحفظ کا احساس فراہم کرتا ہے وہ کسی بھی تباہی سے بکھر جانے سے محفوظ رکھتا ہے اور وہ کسی باطنی مقصد کو محفوظ کرتا ہے، ان کے ایک یکسانیت مقدس مقامات پر موجود ہے اور پرانے وقتوں میں وہ دیوتاؤں کو تحفظ دیتی تھی مگر اہم حقیقت جدید منڈالا کے بارے میں یہ ہے کہ وہ انتہائی کیماپ ہے اور کم ہی اس کے اندر دیوتا کا وجود ہوتا ہے لیکن اس کے اندر بہت سے علاقے ہوتے ہیں حتیٰ کہ انسان بھی۔ چنانچہ جدید منڈالا غیر ارادی طور پر کسی خاص دینی حالت کا اعتراف کرتا ہے۔ کوئی دیوتا منڈالا کے اندر موجود نہیں، نہ اس کے آگے سر تسلیم خم کیا جاتا ہے، نہ ہی اس سے مفاہمت ہوتی ہے۔ دیوتا کی جگہ اب انسان کی بھرپور اکائی نے لے لی ہے۔

حواشی

سلف کی اصطلاح ڈوگک ان معنوں میں استعمال نہیں کرتا ہے، جن معنوں میں یہ عام طور پر استعمال ہوتی ہے، وہ اس کو مشرقی معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ جہاں قدم زمانے سے یہ فلسفیانہ اصطلاح آتا (Atman) پر اشا (Purasha) اور براہمن (Bahma) کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ جندو فکر میں سلف اعلیٰ ترین اصول ہے، وجود کی اعلیٰ ترین امکانی۔

سے نفسیات اور کیمیاگری (Psychology And Alchemy) ان تمام اطلاعات کے دائرہ کار اور مواد سے جو حضرت عیسیٰ کے بارے میں کہے گئے ہیں، یہ انداز ہوتا ہے سلف کی مطہریت (Phenomonology) جو حضرت عیسیٰ کے بارے میں کی جاتی ہے اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے اگرچہ وہ آرم کے چپ کے تمام پہلوؤں پر مشتمل نہیں ہوتی، یہ ضمیمہ سمجھنا چاہئے کہ اس میں ایک نفسیاتی حقیقت کے علاوہ اور بھی کچھ موجود ہے، یعنی یہ کہ لاشعور کوئی ایسا امیج بناتا ہے جو بچے کی مانند ہے یا بھرپور کے گودار کی طرح ہے۔ یہ نکتہ نفسیات اور مذہب کے باب میں مزید زیر بحث آئے گا۔

مذہب اور فردیت کا عمل

اجتماعی لاشعور کے آرکی ٹائپ کے مطالعے کے بعد ڈونگ پندر دلچسپ نتائج تک پہنچا۔ ان میں سے ایک اہم ترین نتیجہ یہ ہے کہ انسان ایک ایسی شے کا حامل ہوتا ہے جس کو ڈونگ نے "ایک فطری مذہبی حامل" کا نام دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ نفسی صحت اور توازن کا انحصار اس پر ہے کہ اس کو مناسب اظہار کا موقعہ میسر آجائے، بالکل اسی طرح جس طرح انسان کو اپنی جبلتوں کا اظہار کرنا ہوتا ہے، یہ ان لوگوں کے بالکل متضاد نظریے ہیں جو مذہب کو واحد (Illusion) خیال کرتے ہیں۔ یا پھر حقیقت سے فرار یا بچکانہ کمزوری قرار دیتے ہیں۔ اس رویے کی طمہ داری اس قدر زیادہ وسیع ہے، خواہ شعوری طور پر اس کا ٹھیک سے اندازہ نہ بھی کیا جائے، ہم شاید اس بات کو بھلا چکے ہیں کہ مذہب نے ہماری تاریخ میں کس قدر زیادہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس نے ہمارے جذبات کو کس قدر توانائی عطا کی ہے، اور وہ شدید قوت جو اس نے آرٹ کے اندر داخل کی ہے، جس کی وجہ سے کیسی کیسی عبارتیں تعمیر ہوتی ہیں اس کی وجہ سے ہم نے کیا کچھ سیکھا ہے، کیا کچھ سکھایا ہے اور اس کے باعث کس طرح کمزوروں، بیماروں اور غریبوں کی خدمت کی گئی ہے، کیسے کیسے خوبصورت، وسیع اور بلند گرجے وجود میں آئے ہیں، اور وہ تقریباً ہر گھاس کی رونق ہیں اور اس بات کی شہادت بھی ہیں کہ ماضی نے ہم پر کتنے گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ جس طرح پادریوں کی عبادت کے حجرے اور ان کے ہیوگنٹ (Huguenot) انقلاب کس طرح ان کی مروج روحانی کی چٹائی کا موجب بنے ہیں اور ان کا کلرین (Fanaticism) اور پھر ان کی وہ سفاک توانائی نے ان پر کیا کیا ستم نہ ڈھائے ان پر جنہوں نے ان سے اتفاق نہ کیا۔

ہم آج اپنے آپ کو زیادہ دانش مند (Rational) سمجھتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری قوت برداشت بہت ہے اور ہم اس وقت سے برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں جب مذہبی عقوبت کے نئے نئے طریقے (Versions) ایجاد ہوئے اور ان کو سیاسی مصلحت کا لبادہ پہنایا گیا مگر کم ہی ایسا ہو سکا کہ حقیقت کو چھپایا جاسکا ہو، مثال کے طور پر جرمنی میں ایک مذہبی روح نے کھلے بندوں وونن (Wotan) کی پرستش شروع کر دی اور اس کے ساتھ ہی پوری بہت پرستی (Paganism) کی رسوم سامنے آئیں اور اس سے نازی (Nazis) نے تحریک کو وہ توانائی حاصل ہوئی، جس کی اسے ضرورت تھی، اس کے ساتھ ہی ساتھ مذہبی روح نے اس تحریک کی مخالفت بھی کی، لیکن ہمارے اندر ایک رجحان یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ہم ایسی چیزوں سے لاقطع ہو جاتے ہیں۔ ہمیں یقین ہو جاتا کہ یہ واقعہ ہمارے ساتھ نہیں ہو سکتا، ٹوٹک ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ ان مظالم کا تعلق انتہائی لاشعور کے ساتھ ہے، جو تمام انسانیت کی مشترکہ میراث ہے۔ تاہم انتہائی لاشعور کے آرکی ٹائپ کے بارے میں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ تجربی طور پر مذہبی ادعا (Dogma) کے مساوی ہیں اور وہ تمام جاتے ہوئے مذہبی خیالات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں لینا چاہئے کہ لاشعور اپنے طور پر مذہبی ادعا تخلیق کرنے کا جب نہیں بنتا۔ یہ ادعا پیداوار ہیں، ان شعوری خیالات کی جو شعور سے حاصل شدہ مواد کو لطیف تر کرتے چلے جاتے ہیں۔

انتہائی لاشعور کے آرکی ٹائپ کے مطالعے کے ذریعے انسان نے یہ جانا ہے کہ وہ مذہبی تفاعل (Religious Function) رکھتا ہے۔ یہ اسی طرح انسانوں پر اثر انداز ہوتا ہے، جس طرح پوری قوت کے ساتھ جنس اور تعداد کی جہتیں اثر انداز ہوتی ہیں۔ قدیم انسان بھی اس تفاعل کے علم میں مصروف رہتا تھا۔ وہ علامت (Symbol) بناتا تھا اور مذہب تشکیل دیتا تھا۔ یہ مصروفیت ویسی ہی تھی جیسی کہ زمین پر حل چلانے، فکار کرنے، پھیلیاں پکڑنے اور دوسری ضروریات کو پورا کرنے کا عمل۔ اس کے باوجود کہ جدید عہد میں مذہب کو بہت ہد نام کیا جاتا ہے، مگر اب بھی مرد اور عورتیں قدرتی طور پر مذہب کی طرف ویسے ہی مائل ہیں، جیسے کہ وہ پہلے تھے۔ اس توانائی میں سے بہت سی توانائی جو پہلے مکمل طور پر مذہبی رسومات اور عبادات میں صرف ہوتی تھی اب اس کا اتنا سیاسی مفاد کے ساتھ بندھ گیا ہے یا پھر اس کا تعلق چھوٹے چھوٹے مسکوں سے ہو گیا ہے یا پھر اس کا رشتہ کسی بہت سی غیر منطقی چیز سے جو گیا ہے، جیسے کہ

تعلیمِ مدولم جیمز (William James) کہتا ہے "سائنس دان کا کوئی عقیدہ (Creed) نہیں ہونا مگر اس کا مزاج بہت عابدانہ ہوتا ہے" جبکہ جولیئن ہکسلے (Julian Huxley) نے بڑی سنجیدگی سے یہ تجویز کیا ہے، ہمیں ایک ایسا مذہب اپنانا چاہئے جس کی بنیاد ارتقا (Evolution) پر ہو۔

ارتقا کی انسان پسندی (Humanism) مجھے یوں لگتا ہے، نئے مذہب کی بنیاد بن سکتی ہے ضروری نہیں کہ وہ موجود مذاہب میں ایک اضافہ ہو، بلکہ وہ ان کا غلط (Supplementing) ہو، یہ الہت دیکھنا ہوگا کہ اس جراثیم کی افزائش کیسے کی جائے۔ اس کا دانشورانہ خاکہ دیکھنا ہوگا، تاکہ اس کے خیالات فوق و شوق سے معمور ہوں اور پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان کو مذہب کے اندر مدغم بھی کیا جاسکے۔ سب سے بڑھ کر یہ حقیقت کے معیار پر لغتوں کا بوجھ تلاش کرنے کے لئے یہ ضرور ہوتا ہوگا کہ وہ میدانِ عمل معلوم کیا جائے جہاں ناسودگی ہے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ سکڑنے کا یہ عمل کہاں کہاں کار فرما ہے اور یہ بھی ظاہر کرنا ہوگا کہ انسانی امکانات میں ان کے حصول کی تحریک کیسے پیدا ہوئی اور یہ بھی بتانا ہوگا کہ ان کے حصول کا طریقہ کیا ہے؟

ایسا مذہب اپنے تمام تر نیک مقاصد کے باوجود انسانی ضروریات کو گہروائی تک پورا کرنے میں کامیاب نہ ہو پائے گا۔ یعنی یہ کہ وہ اندرونی اور بیرونی انسان میں مساوی درجے کا تعلق پیدا نہ کر سکے گا۔ یہ مذہب کا ایک لازمی فضل ہے کہ وہ آدمی کی چٹپ کو شعوری اعتبار عطا کرے کوئی بھی عقلی نظام اس میں عمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکتا، لہذا تمام مذہبی حقائق، بیشِ ناقص (Paradox) ہوتے ہیں۔ اگر مذہب اس متناقضہ سے گھو خلاص کر داتا چاہے تو وہ اپنے آپ کو کمزور کر لے گا۔

مذہب کی تعریف کرتے ہوئے ڈونگ اس کو "ایسا انسانی رویہ قرار دیتا ہے جس کی تکمیل Religio کی اصطلاح کے اصل مطالب کے مطابق ہوتی ہے، جس کا مطلب ہے کہ بعض حرکی (Dynamic) عناصر پر غلط طریقے سے غور کرنا اور ان کا مشاہدہ کرنا اور یہ عناصر قوت، روح (Spirit)، جن، بھوت (Demon)، دج، تہ قوانین، ارمان (Ideals) اور وہ بھی کچھ جو اس نے اس دنیا میں طاقتور، خطرناک اور ایسا بدکار دیکھا ہے کہ اس پر غلط طور پر غور

کرنا ضروری ہے یا انا شاندار، خواصورت اور باطنی ہے کہ اسے تہ دل سے پسند کیا جانا چاہئے اور اس سے محبت کرنی چاہئے۔"

اس تعریف میں سب سے زیادہ کلیدی لفظ حرکی ہے۔ یہ مذہبی تغافل کی حرکت ہے۔ جو نیک وقت لاحاصل (Futile) اور خطرناک کو بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ حرکت ماضی میں عظیم نو مذہبی تبلیغ (Proselytizing) کی تحریک جو بیسویں مذہب جنگوں نے شروع کی تھی۔ مذہبی لڑائیاں، دوسروں کو چھو کرنے کی کوششیں، بدعتوں (Heresay) اور جادو گروں (Witches) کو دی جانے والی سزائیں اور پھر اس کے ساتھ انسان کی تخلیق جدوجہد جس کے نتیجے میں بڑی بڑی مہلات گاہیں اور خانقاہیں اور پھر ان میں ہر طرح کے فرقے رکھے گئے۔ آج یہ تو اعلیٰ ہست سے ازم (Isms) کی صورت میں اپنا اظہار کر رہی ہے۔ کمیونزم (Communism)، نازی ازم (Nazism)، آمریت (Fascism) وغیرہ اب انسان کو خطرناک حد تک ابھار رہی ہے، یا پھر فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، جن کی امتیازی شکل مشرق سے حاصل کی گئی ہے۔ توہمات (Superstition) تعلیم عام ہو جانے کے باوجود عروج پر ہیں اور آج بھی تشدد اور استبداد، ظلم اور برداشت نہ کرنے کا رویہ گھنٹا پڑھتا رہتا ہے، مگر یہ عمل سچہ عام ہے۔

جو کچھ منظم مذہب نے کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس میں اسے ایک سی کامیابی کبھی حاصل نہیں ہوئی، یہ تھی کہ وہ کمری انسانی ضرورتوں کے لئے تسلی بخش اشکال مہیا کرے اور اب یہ چیز خطرناک اور فرسودہ (Banal) صورت اختیار کر گئی ہے، اس بات کا اظہار کرنا اور اسے بیان کرنا کہ لاشعور کے زندہ عمل کو ذرا مائی تاسف، قربانی یا اعلانی (Redemption) بنا دیا جائے، اب ایک مسئلہ ہے۔ ادیانہ عقیدہ اور رسومات بنیادی مذہبی تجربے کی شفاف صورتیں ہیں، جن کو پرکھا گیا ہے اور بہتر بنایا گیا ہے اور یہ کام بعض اوقات تو صدیوں کے لئے کر دیا گیا ہے، حتیٰ کہ وہ ایک ایسی صورت اختیار کر لیں جس میں ہم ان کو جان سکیں۔ اس طرح وہ راستے تیار ہو جاتے ہیں، جو بے قابو اور اضطرابی (Arbitrary) مافوق الفطرت (Super Natural) اثرات کو جائز حدود میں رکھتے ہیں، ایک زندہ مذہبی ادارہ آدمی کو اس پوری قوت کے تجربے سے محفوظ رکھ سکتا ہے، جو اس کے لئے چاہ کن ثابت ہو، اجتماعی لاشعور کی گرفت میں آنے کی بجائے وہ کسی رسم (Ritual) میں شامل ہو سکتے ہیں، جس میں اس کا

کافی اظہار موجود ہو اور یوں اس کی صفائی (Purge) ممکن ہو جاتی ہے۔

اس اصل واردات کے واضح معانی انجیل میں لکھ دیئے گئے ہیں، پیغمبروں کی کتابوں میں ان کی زندگی میں اور سال (Saul) کے مکالموں میں، جب سال نے تیز روشنی دیکھ لی جو آسمانوں نے اسے دکھائی تھی اور اس نے وہ آواز سنی جو اسے کہہ رہی تھی ”سال سال تم مجھے ازیت کیوں دیتے ہو“ تین دن تک وہ کچھ نہ دیکھ سکا نہ ہی کچھ کھا سکا نہ پی سکا اور جب وہ اس حالت سے نکلا تو اس کی پوری زندگی تبدیل ہو چکی تھی۔

ڈونگ اس کی تشریح کہ فوری (Immediate) مذہبی واردات (Religious) کیا ہوتی ہے ایک سوس (Swiss) صوفی (Mystic) اور راہب (Hermit) کے حوالے سے بیان کرتا ہے اس کا نام ہے برکت والا بھائی ٹیکولس دان ڈرفلو (Nicholas von der Fille) برادر ٹیکولس کوٹری (Threefold) رویت ہوتی، وہ اپنی نوعیت میں ایسی خوفناک تھی کہ اس کا پورا چہرہ تبدیل ہو گیا اور اس کے بعد جو اس کو دیکھتا خوفزدہ ہو جاتا وہ خود بھی ڈرٹن میں اس قدر کھپا ہوا تھا کہ اس نے اس کی تحقیق پوری فطرت میں کرنے کی کوشش کی اور اس نے اس کی ایک تصویر بندی خانے کی دیواروں پر بھی بنائی چلی۔ ایک ہمعصر تصویر جو ساخسلم (Sachselm) کے گرسے کے خاص محلے میں موجود ہے یہ بتاتی ہے کہ اس کی یہ تصویر منڈلا تھی، جو چہ میں تقسیم ہوتی تھی اور اس میں خداوند، اعلیٰ شبیہ مرکز میں تھی۔ یہ واضح طور پر پہلی ڈرا دینے والی رویت نہیں ہے بلکہ اس سے ابھرنے والی تصویر ہے۔ پھر ڈونگ کہتا ہے برادر ٹیکولس چاہتا تھا کہ وہ اصل تصویر کو کسی طرح پیش کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

اسے اس نتیجے تک پہنچایا گیا تھا کہ اس نے اصل مقدس شہت (Threefold) کو اصل صورت میں دیکھا تھا، جو چلوں محبت کا حرف آخر (Summum Bonum) ہے، وہ حالہ نور جس کی رویت سائنس میں ہوتی تھی، اسی خیال سے مطابقت رکھتا تھا۔۔۔۔۔ یہ ڈرٹن بلاشبہ ڈرا دینے والا اور پریشان کر دینے والا تھا۔۔۔۔۔ اور اس سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے طویل ریاضت کی ضرورت تھی (برادر ٹیکولس نے اس پر کئی برس محنت کی تھی) اور پھر وہ اس شے میں تبدیل ہو چلا تھا جس کی ہم اب زیارت

کرتے ہیں۔ یعنی یہ تہرے پن (Three foldness) کا دو ٹون تھا اس دو ٹون سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے ادعا (Dogma) ہی اس کے کام آیا تھا اور اس کے جسم اور روح کو سکون ملا تھا اور ایک ڈرائے اور خوفزدہ کرنے والی چیز ایک طویل صورت اور خوشنما تثلیث (Trinity) کے ذمہ تصور میں تبدیل ہوئی تھی۔

شبیبہ خداوندی کا تجربہ، یا سلف کا آدمی چپ، سب سے زیادہ فیصلہ کن بھی ہے اور بری طرح حشر کرنے والا بھی کہ یہ بڑے سے بڑا تجربہ ہے جو انسان کو ہو سکتا ہے اور اگر وہ کسی انکر (Anchor) کو نہ پکڑے تو پھر وہ بہت ہی چلا جائے، پروردگار کو اس کے لئے ادعا نے فکر کا کام کیا تھا اس کے لئے یہ بھی ہے کہ آدمی چپ کے اس اظہار کا انحصار وصول کرنے والے شعور پر بھی ہے، اسے لامتناہی طور پر ترقی دی جا سکتی ہے اور لطیف سے لطیف تر کیا جا سکتا ہے یہ اس دنیا کا اعلیٰ ترین مذہب ہے یا پھر اس کو متوازن ساوا بنا جا سکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ قدیم (Archale) بھی جیسا کہ کندہ تر سکون (Cults) میں ہوتا ہے۔

یہ ایک کمزور شعور کو مکمل طور پر چاہ بھی کر سکتا ہے، پتا نہ چپ یہ ضروری نہیں کہ نتیجہ ہمیشہ مذہبی پیش قدمی ہی ہو، ایک نتیجہ تو دیا آگئی بھی ہو سکتا ہے، یا پھر کسی نہ کسی طرح کی کوئی مریدانہ علامت یا علامتیں، جیسے کہ اس عورت میں جس کا عقیدہ یہ تھا کہ اس نے کواوی کے قتل کا مجرم پھر سے سرانجام دیا ہے، یا کوئی ایسا خستہ حال بوڑھا آدمی جو ہر ایک سے یہ سوال کرتا تھا کیا تم بچ گئے ہو؟

یہ اشارہ کرنے کے لئے کچھ نفسی عناصر ایسے ہیں جو شبیبہ خداوندی سے مطابقت رکھتے ہیں اور ایسا ہی کوئی مواد دینے کی لامتناہی حرکات میں بھی ہو سکتا ہے اور صوفی کی واردات میں بھی اور یہ اکثر اوقات اس کی کوئی بے حد غراب نقل ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ ایک کفر کی کونج بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جینی لیس (Genius) دیوانگی کے بہت قریب ہوتا ہے۔ ڈونگ نے مذہبی واردات کی تکذیب تو کیا کئی تھی یہ البتہ ثابت کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہے کہ فرد کے اندر مذہبی تقاضے کے مظاہر آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں اور وہ اس کی تقسیم کے لئے ایک دروازہ بھی کھولتا ہے اور اس کا ذریعہ عقل بھی

ہوتی ہے اور احساس بھی، لیکن اس بات پر زور دینا ہے کہ یہ تعلیم کی اعلیٰ ترین ذمہ داری ہے کہ وہ باطن کو خدا کے آدکی غنپ کی تقسیم کرواتے یا پھر اس سے نجات اور اس کے اثرات شعوری سطح تک لے جائے۔

یہی کام عیسائی تعلیم نے سرانجام دینا چاہا، لیکن مغربی رویہ تو معروض (Object) پر زور دینا ہے آئینہ مل قائم کرنے کی کوشش میں لگا رہا۔۔۔۔ حضرت عیسیٰ۔۔۔ اپنے معروضی پہلو میں۔ اس رویے سے وہ اسراری رشتہ چھن گیا جو ان کا باطن کے انسان کے ساتھ تھا۔

یہ ایک ایسا رویہ ہے جو خیر کی ہر شے کا انکسار دودر دوز شیبہ پر خداوند پر کرتا ہے اور ہر شرانگیز چیز کا انکسار اس سے کہیں زیادہ دوزاقتوہ شیبہ ابلیس (Devil) پر کرتا ہے اور یوں وہ سانگیل کو اس کی قدر اور معنی سے محروم کر دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں ایک طرف تو شعور کی قدر کو بڑھا چڑھا دیا جاتا ہے اور دوسری طرف ریاست کی تجربیدی دیوتا سازی (Deification) کی جاتی ہے، اور اس پر اضافہ یہ کہ عقیدہ اور رسوم اتنی زیادہ وضاحت سے بیان کر دی گئی ہیں اور اتنی لطیف بنا دی گئی ہیں کہ وہ عالم آدمی کے نفس کو بیان کرنے کی قدرت ہی سے محروم ہو گئی ہیں اور مذہب ظاہریت اور رسمی باتوں میں مقید کر دیا گیا ہے۔

اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان خدا کی شیبہ کو اپنے اندر محسوس کرے، اور پھر وہ اس کی مطابقت ان اشکال کے ساتھ بنائے جو اس کے مذہب نے اسے عطا کی ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہو پایا تو پھر اس کی فطرت تقسیم ہو جاتی ہے، وہ دیکھنے میں مذہب ہو سکتا ہے مگر اندرونی طور پر وہ برصیت پرست ہے اور اس پر کسی کلمہ خدا حکومت ہے۔

صرف ایک فرد نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کا مجموعہ یا کلیت جو کسی قوم کے اندر موجود ہوتی ہے وہ اس موقف (Contention) کی حقیقت کو ثابت کرتی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے واقعات اور تقریبات ان لوگوں کے ہاتھ میں ہیں، جو عیسائی نہیں ہیں، وہ اسے بیان کرتے ہیں اور وہی اس پر عمل کرتے ہیں، ایسے لوگوں عیسائیت میں سانس نہیں لینے بلکہ وہ تو جاہلانہ بہت پرستی (Paganism) میں جلا ہیں۔ ان چیزوں کا آغاز نفس صوری حال سے ہوتا ہے، اس سے جو کنگی کا شکار ہوتی ہے اور اس سے عیسائیت کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ چرچ یہ سمجھتا ہے اور ایسا سمجھنا کسی جواز کے بغیر بھی

نہیں ہے کہ جس چیز پر بھی ایمان لایا گیا ہو وہ اپنے پیچھے اپنے شکلات چھوڑ جاتی ہے مگر گزروے ہوئے واقعات کے حوالے سے ان شکلات کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ عیسائی تہذیب (civilization) خطرناک حد تک اندر سے خلی ثابت ہوئی ہے۔ یہ تو بس ایک پرت ہی تھی، مگر باطنی انسان تک اس کی رسائی نہیں ہو پائی لہذا وہ غیر تبدیل شدہ ہی رہا ہے۔ اس کی دوح اس کے ظاہر و مقولات سے الگ تھلک ہی رہی ہے اور اس کی دوح کے اندر بیرونی پیش قدمی نے کسی طرح بھی اپنی راہ نہیں بنائی، ہاں، سبھی کچھ باہری موجود ہے، تشکل میں بھی اور الفاظ میں بھی، چرچا میں بھی اور انجیل میں بھی، مگر کسی طرح بھی وہ باطنی سطح پر موجود نہیں ہے۔ اندر تو کسے دے دیا ہی موجود ہیں اور وہاں انہی کی حکومت ہے۔ پیش کی طرح، اور روحانی تہذیب کے نہ ہونے کی وجہ سے بیرونی خدا میں باطن کی مطابقت کے حوالے سے ترقی نہیں ہوئی، لہذا یہ صورت حال ہے حرکت اور بہت پرستی (Heathenism) کے ساتھ ہی پہنچی رہی ہے۔ عیسائی تعلیم نے وہ سبھی کچھ کیا ہے جو کرنا اس کے اختیار میں تھا مگر یہ سبھی کچھ اختیاری باطنی ہے۔ بہت کم لوگوں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ شبیہ خداوندی، ان کی اپنی دوحوں کے اندر دور تک محسوس کی گئی ہو۔ حضرت عیسیٰ سے ان کی ملاقات صرف ظاہری طور پر ہی ہوئی ہے قلب کی گہرائیوں سے نہیں۔ اس لئے تو تاریک بہت پرستی ابھی تک حکمرانی کر رہی ہے، یہ بہت پرستی اور جاہلیت اب اتنی شرمندہ سر (Blatant) ہے کہ اب اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، اور یہ ایک ایسا روپ ہے جو پوری طرح اٹکا ہوا نہیں ہے اور اس وقت معروف عیسائی ثقافت (Culture) پر چھایا ہوا ہے۔

یہ جنگیں (Pagan) لاشعور جس نے ہمارے ادب اور آرٹ پر اثر انداز کی ہے اور وہ مدتوں ہمارے خوابوں میں نظر آتا رہا ہے اور پھر جا کر اس نے ہمارے ظاہر میں مٹا دی کی ہے، اور پادری جو اپنے عقیدے کے سلسلے میں کچھ شبہات رکھتا تھا مندرجہ ذیل خواب دیکھتا ہے۔

میں رات کے وقت اپنے کمرے میں واپس آیا، میں نے دیکھا کہ سماع خانہ (Choir) کی دوجاگرہ ہوئی ہے۔ آلتار (Altar) انگوڑی شانوں پر عرس کر رہے ہیں کہ غلط ملط

ہو گئے ہیں، انگوڑی شامیں خوشوں سے بھری ہیں اور ان کے درمیان جو رشتے رہ گئے ہیں ان میں سے چاند کی روشنی چھن چھن کر آ رہی ہے۔

یہ تصویر بہت واضح اور خوبصورت ہے اور علامات سے بھری ہوئی ہے، اگر اس خواب کے علامتی اور مماثل کردار کو جو نظر رکھا جائے تو یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ یہ عقیدے کا بیرونی پہلو ہے، گرہے کی غارت جو گرہی ہے، اور اس کی جگہ ایک قدرتی شے لے رہی ہے۔ انگوڑی کی تیل آغاذ میں عیسائیت کا نشان تھا۔ ”میں انگوڑی کی تیل ہوں اور تم میری شامیں ہو“ اس کے علاوہ یہ روی اساطیر پر جا (Orglastic) میں بھی ایک اہم علامت ہے جو خداوند پان (Pan) کی کی جاتی تھی۔ چاند اس تصویر کو قدرے روایتی اور پراسرار بنا دیتا ہے، جب اسے یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ دیوتا ہے یا دیوی ہے اور اس کی بھی پرستش ہوتی چاہئے۔ اس بات کو نظر میں رکھنا انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

ان مماثلتوں میں، ہم نے یہ اشارہ کر دیا ہے کہ اس خواب کا کیا مطلب، خواب دیکھنے والے کے حوالے سے ہونا چاہئے، اب اس کے بعد ایک اور خواب ہے، جو اس سے بھی زیادہ واضح ہے اور یہ بیان کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے ذہن کی پیداوار جو اپنا آہنگ بری طرح کھو چکا ہے، ایک جدید عقلی نقطہ نظر کو قبول کرنے کی وجہ سے یہ خواب ایک ادیبز عمری عورت نے دیکھا تھا، یہ عورت بہت مذہب اور تربیت یافتہ تھی۔

ایک جگہ تھی جو ہر طرف سے بند تھی، لیکن بالکل خالی تھی، اس کے مرکز میں زمین پر ایک چھوٹی سی آگ جل رہی تھی جس میں سے خوشبودار دھواں اٹھ رہا تھا جس میں دو ڈانر ہو کر آگ کے سامنے بیٹھی تھی اور اپنے سر کو جھکائے ہوئے تھی اور ایک خاص تیل پر بھول رہی تھی ”خدا دھوئیں کے اندر ہے“ خدا دھوئیں کے اندر ہے۔“

ایسے خواب بھی ہیں جو مخالف سمت میں اشارہ کرتے ہیں اور یہ مظاہرہ کر سکتے ہیں (بشرطیکہ کوئی نوٹس لے، کسی ایسے شخص کو جو مذہب میں یقین نہ رکھتا ہو (Agnostic) مگر دل کے اندر وہ واقعی ایک یقین رکھنے والا ہو، اور اس اعتقاد کی طرف واپس لوٹنا چاہتا ہو، جو اس نے ترک کر دیا ہے، بہت سے نادر دس درست ہو سکتے ہیں اگر تکلیف اٹھانے والا اپنے

مذہب کی طرف واپس چلا جائے یا کسی اور مذہب کو قبول کرنے کے تجربے میں سے گزرے، مگر یہ تجربات جان بوجھ کر لادے نہیں جاسکتے، یہ کسی بھی خاص انسان کے اندر سے بطور ایک ضرورت کے ابھرنے چاہئیں اور اسے اس ضرورت سے آگاہی ہونی چاہئے اور اسے اس ضرورت کا شعور ہونا چاہئے۔ بہر صورت اگر کسی فرد کی ذہنی صحت اور مذہب کی ترقی کا انحصار مذہبی تقاضے کے مناسب اظہار پر ہو مگر کیا ان کے لئے بھی کوئی راستہ موجود ہے جو کسی چرچ کی طرف واپس نہیں لوٹ سکتے، اور انہیں جیسا کہیت کے ذرا سے کے اندر اپنی ضرورتوں کے اظہار کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا؟

ڈونلڈ کو اس سوال کا جواب اس وقت ملا جب وہ برسوں تک اپنے بست سے مریضوں کا علاج کر چکا تھا اور اس نے فردیت (Individuation) کی اصطلاح اپنے طور پر واضح کر دی تھی تاکہ اس عمل کو ٹھیک سے بیان کیا جاسکے۔ اس کی دریافت کے مطابق مقابلہ بست سے لوگ ایسے ہیں جو اگر عام لفظی معنوں میں شغلیاب ہو جاتے ہیں، تو وہ یا تو اپنا تحلیل علاج (Analytical Treatment) جاری رکھتے ہیں، جو ایک طرح جدیدیاتی (Dialectical) بحث ہے جو شعور اور لاشعور کے مابین جاری رہتی ہے یا وہ اپنے طور پر کسی ماہر تحلیل سے الگ تعلق اپنے طور پر اس عمل کو جاری رکھتے ہیں۔ وہ پختہ کار لوگ تھے اور وہ محض اپنے ماہر تحلیل پر انحصار نہیں کرتے تھے اور نہ ہی وہ زندگی سے خوفزدہ تھے۔ نہ ہی وہ اس خاص عمل کے اندر گرفتار ہو جاتے تھے جسے نفسیات کی اصطلاح میں انتقال (Transference) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ لاشعوری طور پر اور بے جانے بوجھے کسی ہدف کی تلاش جاری رکھتے تھے، جس کو بالآخر کلیت (Wholeness) کی تلاش کا نام دیا جاتا ہے۔۔۔ یہ ایک پراسرار شے ہے۔۔۔ ایک پورا آدمی (The whole man) جو اپنے نفس کے شعوری اور لاشعوری پہلوؤں کے مابین کوئی رشتہ ہر حالت میں تلاش کرتا یا پھٹا پھٹا رہتا ہے۔ اس تجربے کو یہ نام بھی دیا جاسکتا ہے کہ اپنے باطن کے اندر خدا کی تلاش ہے یا پھر اسے سلف کے آدمی ٹائپ کا مکمل تجربہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

یہ ایک ایسی حالت ہے جس تک رسائی بغیر اذیت سے گزرے ممکن نہیں ہے، اور اس عمل میں یہ ضروری ہے کہ اپنی مرضی سے بست ہی ایسی چیزوں کو قبول کیا جائے جس سے عام مرد یا عورتیں گریزاں رہتی ہیں۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے نفسی تحلیل ہی واحد راستہ

نہیں ہے مگر یہ ایک ایسا راستہ ضرور ہے، جو جدید دبدبھا (Dilemma) کے لئے خاص طور پر بے حد موزوں ہے، یہ دبدبھا اس عبارت سے خلاصہ واضح ہوتا ہے، جس کا اقتباس تیسرے باب میں بھی دیا جا چکا ہے۔

جدید مسئلہ میں کوئی دبدبھا (Diety) نہیں ہے اور نہ ہی دبدبھا کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ دبدبھا کی جگہ انسان کی کلیت (Wholeness) لے لیتی ہے۔

فردیت کا یہ عمل رفتہ رفتہ ہی فرد کی زندگی میں آگے بڑھ پاتا ہے۔ اس کی ترقی زندگی کے دوسرے نصف میں زیادہ نمایاں ہوتی ہے، اگرچہ ڈونگ نے اسے مریضوں میں دریافت کیا تھا مگر یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ نیورس کا اس کے ساتھ کوئی لازمی تعلق ہے اور نہ ہی یہ کسی مرض کی علامت ہے۔

کل بن جانے کا مقصد یہ ہے کہ شخصیت کے ان پہلوؤں کو بھی دیکھا جائے، جو عام طور پر نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ وہ اکثر کمتر ہوتے ہیں مگر بیش نہیں، ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اپنے اندر چھپے ہوئے امکانات کا پوری طرح اعجاز نہیں کر پاتے، ایسا کوئی بھی شخص جو حقیقی طور پر اپنی کلیت کا حلاشی ہو، وہ اپنے عقلی رویے کو اس طرح ترقی نہیں دیتا کہ اس کی قیمت لاشعور کو دبا دینے کی صورت میں ادا کر لیتی پڑے اور نہ ہی اس کے برعکس وہ کم و بیش لاشعور کی حالت میں زندگی گزارتا ہے۔

شعور بود لاشعور اتنی دیر تک ایک کلیت کی صورت اختیار نہیں کرتے جب تک کوئی ایک دوسرے سے نقصان اٹھا چکا ہو یا اس کا نظم خوردہ ہو، اور اگر ان کو لڑائی ہو تو یہ لڑائی بدل کے ساتھ ہوتی چاہئے، جس میں دونوں فریقوں کو ایک جیسے حقوق حاصل ہوں، دونوں کی زندگی کے دو رخ ہیں، شعور کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی عقل کی مدد سے اور ذاتی حفظ کا دھیان رکھے اور اس کے ساتھ ہی لاشعور کی بے نظم (Chaotic) زندگی کو بھی یہ حق ملنا چاہئے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے راستے پر چل سکے، کم از کم اس حد تک تو چلے، جیسے کہ ہم برداشت کر سکتے ہوں، اس کا مطلب یک وقت

کھلا تصادم اور کھلا تھکون ہے۔ تاہم تقاضا یہ طور پر یہ وہ مفروضہ ہے جیسی کہ انسانی زندگی ہونی چاہئے۔ یہ گویا ہتھوڑے اور سیدائی ہڈی (Anvil) کا پرانا کھیل ہے اور ان دونوں کے درمیان وہ لوہا ہے جسے کوٹا جا رہا ہے اور سبھی کچھ آخر میں ایک کلیت کی شکل اختیار کرے گا اور یہی وہ تجربہ ہے جسے فروخت کے عمل کا نام دیا جاتا ہے۔

کلی آدمی ایک فرد ہوتا ہے مگر وہ انفرادیت پسند (Individualistic) نہیں ہوتا جس کا مطلب انہرست (Ego Centric) ہوتا ہے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ دوسروں کی قیمت پر اپنی خاص خدمات بناتے ہیں۔ یا پھر ان کا رویہ انتخابی خود پرستی کا رویہ ہوتا ہے۔ فردیت پسند (Individuated) فرد اس کے برعکس اپنے شعور کو قبول کرنے کے ذریعے اور اپنی خاص شخصیت کے سلسلے میں آگے نہ بڑھتے ہوئے تمام ذمہ چیزوں کے ساتھ اخوت کے رشتے میں جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس میں جماداتی مادہ اور کون و مکمل (Cosmos) بھی شامل ہیں۔

کوئی شخص بھی اپنے طور پر جزیرہ نہیں ہے۔ ہر انسان کسی براعظم کا ایک ٹکڑا ہے، کسی بڑی شے کا ایک حصہ ہے، اگر کوئی سمندر منی کا ایک اسیلا بھی برا کر لے جائے، تو یورپ میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ ویسے ہی جیسے ایک راس ڈوب گئی، جیسے آپ کے دوست تعلق دار کی ذمہ داری اپنی ذمہ داری، کسی بھی شخص کی موت سے مجھ میں کچھ کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ میں انسانیت میں رچا ہوا ہوں اور اس لئے یہ معطوم کرنے کے لئے بھی کسی کو نہ سمجھو کہ کھینچیں کس کے لئے بچ رہی ہیں، یہ تمہارے ہی لئے بھتی ہیں۔

جان ڈون (John Donne)

فردیت عام طور پر کسی موجودان کے لئے مقصد یا آئیڈیل نہیں ہے، لیکن ایسے انسان کے لئے جو بالغ بھی ہو اور پختہ کار بھی، یا پھر وہ لوگ جو کسی خاص بیماری یا بخورس کا شکار ہوئے ہیں اور یا پھر ان کو کوئی ایسا غیر معمولی تجربہ ہوا ہے کہ انہوں نے عمومی مخلوق راستے کو خیرباد کہہ دیا ہے اور زندگی گزارنے کے لئے انہیں کسی راستے کی تلاش ہے، یہ کوئی ایسی شے بھی نہیں

ہے جو کسی اویجز عمر آدمی کو کبھی کبھی دیکھتی پڑتی ہو، وہ لوگ جو اپنی زندگی کے معاش میں بہت کامیاب رہے ہوتے ہیں اچانک محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اندر کوئی خلا ہے اور ان کی زندگی کے اندر محاش کا فقدان ہے، ایک ایسا ہی کیس ڈوگک نے اپنی کتاب "شخصیت کا ارتقاء" (The Integration Of The Personality) میں بیان کیا ہے۔

ڈوگک اس بات کو بہت اہمیت دیتا ہے کہ ان کے عارض میں امتیاز کیا جائے جنہیں وہ زندگی کے عارض (Stages Of Life) کا نام دیتا ہے۔ پہلے نصف کو وہ صبح کہتا ہے، جب سورج افق سے ابھر کر اوپر آتا ہے، اپنے سفر کو پورا کرتے ہوئے نصف النہار پر آتا ہے دوسرے نصف کا تعلق سہ پہر کے ساتھ ہے، جب سورج قوس (Curve) کو پورا کرنے کے بعد ڈونٹا ہے اور نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ جو شے صبح کے لئے اچھی ہے وہ رات کے لئے موزوں نہیں ہے۔ نوجوان آدمی کو زندگی کے اندر اپنا مقام بتانا ہوتا ہے۔ ایک معقول بیوی تلاش کرنی ہوتی ہے۔ خاندان تشکیل دینا ہوتا ہے۔ نوجوان خاتون کو شادی کرنا ہوتی ہے۔ بچے پیدا کرنے ہوتے ہیں اور اپنی معاشرتی ذمہ داریاں پوری کرنی ہوتی ہیں، ہر ایک کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے ایک خاص رخ پر توجہ مبذول کرے، مرد کو اپنی عقلی زندگی کو ترقی دینا ہوتی ہے اپنے دانشورانہ ہنرمندی میں پیش قدمی کرنا ہوتی ہے، عورتوں کو ان عیال کی خصوصیات کو قربان کرنا ہوتا ہے، جو اسے اس قابل بنا سکتے ہیں کہ وہ زندگی میں اپنے روشن خیال چھوڑ جائے دونوں سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ غفیلہ کام کریں۔ پوری صلاحیت سے کریں اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرے سے مطابقت پیدا کریں اور ان کی توانائیوں کا رخ اسی طرف رہے۔ ہمارا معاشرہ سائنسی علم اور تکنیکی مہارت کا معاشرہ ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ انسان یک رخ ترقی کرے، اپنے شعور کو حیز تر کرنا چاہئے اور اپنی جبلی خواہشات کا اظہان کرے۔ بد قسمتی سے عورتوں سے بھی یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ بھی اس راستے پر چلیں، اور یہیں دونوں اپنی اس شعوری ترقی کی بہت پی پی قیمت ادا کرتے ہیں، یوں لگتا ہے کہ بہت سے نوجوانوں کے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ یہ قیمت ادا کریں۔ اگرچہ ان میں بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو اپنی فطرت کو نظر انداز کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے، اور ایسا کرتے ہوئے ان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ اور وہ بیمار پڑ جاتے ہیں۔ مگر بہت س لوگوں کے لئے زندگی کے دوسرے حصے میں یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ان پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش

کریں جو انہوں نے بقا کی ہجوحد میں اور اپنے مقاصد یا خوشیوں حاصل کرنے کے لئے ہے پرواضی کے ساتھ دبا دیے تھے۔ چنانچہ ذاتی دباؤ کے امراض میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے، اور چالیس برس کی عمر کے قریب بہت سے لوگ اعصابی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یہ وہ عمر ہوتی ہے جس میں جوانی کا ذوق و شوق ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور وہ ارمان اور اقدار بھی ساتھ نہیں چل سکتیں، جن پر آغا بھروسہ کیا گیا تھا اور جن کے لئے اتنی سنگ دلوں میں پیدا ہوئی تھی، اب وہ اپنا رنگ و روغن کھو بیٹھتے ہیں اور ان کی وہ اہمیت بھی باقی نہیں رہتی۔

زندگی کے دوسرے نصف کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زندہ رہنے کے لئے نئے معانی اور مقاصد دریافت کئے جائیں اور یہ شاید ایک ایسی جگہ پر پلایا جاتا ہے، جسے نظریات اذکیا جاتا ہے کمتر سمجھا جاتا ہے اور وہ ہوتا بھی شخصیت کا غیر ترقی یافتہ حصہ، بہت سے لوگ تو اس امکان کا سامنا ہی نہیں کر پاتے اور وہ نوجوانی کے ذوق و شوق ہی سے چمٹے رہتے ہیں بلکہ اسے پہلے سے زیادہ وہ حدود سے آگے بڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے فرزند کا عمل کوئی معانی نہیں رکھتا۔

فرزند کے عمل بیان کو کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک نفسیاتی سفر ہے، یہ ایک خطرناک اور پستلوں راستہ ہے اور کبھی کبھی تو یہ سفر محض دائرے ہی کا سفر ہوتا ہے۔ تجربے نے یہ ظاہر کیا ہے کہ اس کی صحیح تشریح اس کا کردی (Spiral) ہونا ہی ہو سکتی ہے، اس سفر میں مسافر کو سب سے پہلے شیڈو یعنی سایا کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور پھر اس ناقابل برداشت اور پریشان کن پہلو سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ کوئی کیفیت اتنی دیر تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی، جب تک ضدین (Opposites) کی تنظیم نہ کر لی جائے، پھر اس کی ملاقات لا شعور کے آرکی ٹائپس سے ہوگی اور پھر یہ خطر لاحق ہو گا کہ وہ اپنے اپنے ریلے میں اس کو بہا کر نہ لے جائیں۔ اگر وہ قسمت کا دھنی ہو گا تو آخر کار اسے وہ خزانہ مل جائے گا کہ کسی کا مقدور ہے، ہیروں سے بنا ہوا جسم، سنہرا پھول، لاجوردی رنگ کا پتھر (Aps) یا کوئی بھی ایسی شے جو اس خیال اور اس مثال کو نظر رکھ کر جتنی چاہے کہ وہ سلف کے آرکی ٹائپ کی کیفیت کو بیان کر سکتی ہو، یہ بات یقینی نہیں ہے کہ حیل ضرور مل جائے گی، راستے میں بہت سے مشکلات حائل ہیں۔

اگرچہ ہر شے کا تجربہ قتال کی صورت میں ہوتا ہے، ملامت کے طور پر یہ سوال کسی

طرح بھی نہیں ملتا کہ یہ کھیل کو خطرناک ہے، لیکن ایسے خدشات بہر حال موجود ہوتے ہیں جن پر پوری زندگی کے مقدر کا انحصار ہو سب سے بڑا خطرہ تو یہ ہوتا ہے کہ ذہن آدمی کے غلط فہمی کے سنگ بھرے پراسرار تاثر کے آگے کہیں انحصار نہ ڈال دیتے جائیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو پھر ایک جوہر آجاتا ہے یا تو علامتی صورت حال میں یا کسی آرکی ٹائپ شخصیت کے تشخص میں۔ یہ وہی شے ہے جس کو پہلے ہی افراط کا نام دیا گیا ہے۔

لاشعور کا اندازہ صرف تجربے ہی سے ہو سکتا ہے اور جب یہ تجربہ ہو جائے تو وہ صحیح معنوں میں لاشعور رہتا نہیں ہے، بلکہ یوں لگتا ہے کہ وہ عجیب و غریب ہے، وحشی ہے، بے عقلی کا شکار ہے اور بظاہر بے معنی خیالات پر مشتمل ہے، اس میں فکریات، خواب اور رویت بھی شامل ہیں، وہ بھی چیزیں جو دھماکا تو واقع ہو سکتی ہیں، یا پھر کسی سیلاب کی طرح اچانک فرد پر وارد ہو سکتی ہیں۔ جس شخص پر بھی یہ واردات گزرے گی وہ تو یہی سمجھے گا کہ وہ دیوانگی کا شکار ہو رہا ہے اور پھر اس خوف سے تو وہ کسی ماہر نفسی تحلیل کے پاس جاتا ہے، کوئی بھی ایسا شخص جس نے اس واقعے کو پہلے ہی وقوع پذیر ہوتے ہوئے دیکھا ہو اور وہ یہ جانتا ہو کہ یہ لازمی نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ ہی شعور کو اپنی گرفت میں جکڑ رکھے، کوئی ایسا شخص جو مماثلتیں (Analogies) بیان کر سکتا ہو اور انداز کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہو "کچھ لوگ یہاں پہلے بھی آئے تھے اور انہوں نے اس واردات سے کوئی قابل قدر شے حاصل کی تھی۔" پھر اس کا اثر یہ ہو گا کہ جس پر یہ واردات گزر رہی ہے۔ وہ سکون حاصل کرے اور یوں اس کی مدد بھی ہو جائے گی۔

یہ انتہائی لازمی ہے (بقول ڈیوگ) کہ ان خیال افروز تشیل کا سلسلہ جاری رہے، جو ابھرتے ہیں تو ہوتا ہو جاتے ہیں اور ذہن کی آنکھوں کے سامنے ایک چمچ بیٹھ کر رہے ہیں جس میں اس طرح کا متن ہوتا ہے، جو ان کو زیادہ قابل تقسیم بنا دیتا ہے۔ ان تشیل کی نفسیاتی توضیح جن پر نہ چپ رہا جا سکتا ہے اور نہ ہی جنہیں نظریہ انداز کیا جا سکتا ہے، منطقی طور پر مذہبی معنی مظاهریت (Phenomenology) تک رسائی دے سکتی ہے۔ تاریخ مذہب اپنے وسیع ترین معنوں میں اساطیر، لوک کہانیاں اور قدیم نفسیات

شمال ہیں۔ آرکی ٹائپ شیموں کا ایک خزانہ ہے جس میں سے محتاج مددگار ستانی تلاش کر سکتا ہے اور اس سوانے سے شعور کے لئے وضاحت فراہم کر کے اسے کسی حد تک لغتہ بھی کر سکتا ہے اور اسے کہہ سکتا ہے کہ سمندر کی تہ میں بس یہی کچھ موجود ہے۔

ڈونگ اس مقصد کے لئے اساطیری متوازی استعمال میں لاتا ہے، اس نے انفرادی خواہوں کی طاقت اور قرون وسطیٰ کی کیمیاگری (Alchemy) میں کچھ مشترک چیزیں دریافت کر لی ہیں، کیمیاگری کو عام طور پر توہم پرستی کا ایک لاطینی پہلو قرار دیا جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ کیمیشٹری (Chemistry) کی سائنس کا آغاز یہ تھا۔ اس بات پر کم ہی غور کیا جاتا ہے کہ تھومس اکیوئینس (Thomas Aquinas) اور آئیزک نیوٹن (Isaac Newton) اور رابرٹ بائیکل (Robert Boyle) جیسے لوگ اس کو بہت سمجیدگی سے لیتے رہے ہیں اور اس کے بہت قریبی رشتے جڑت اہم بھی ہیں، قرون وسطیٰ کے فلسفے اور مذہب کے ساتھ ہیں۔ کیمیاگر اس کو سمجھا جاتا ہے جو سونا بنانے کی کوشش کرتا ہے اور بہت سے ایسے جینیٹا تھے جو بھی کام کرتے تھے، مگر ان ہی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اعلیٰ ذہانت کے سمجھدار لوگ تھے۔ جن کے لئے وہ کیمیائی عمل موجود کرتے رہتے تھے، احتمال طور پر طاقتی قہ اور ان کا مقصد سونا بنانا نہیں تھا بلکہ ان کا مقصد پارس پتھر (Philosopher's Stone) کا حصول تھا۔

یہ پراسرار پتھر۔۔۔ اس فن کے تمام اسرار اپنے اندر رکھتا تھا۔ ایک طرف وہ ان کا کیا ہوا کام تھا بلکہ آرٹ تھا اور دوسری طرف عطیہ خداوندی تھا جس کے بغیر کیمیاگری ممکن ہی نہیں تھی، اور نہ ہی اس کا وجود باقی رہ سکتا تھا ان دونوں کی جو روح تھی اسے صحیح معنوں میں روح سمجھا جاتا تھا۔ اس کی تلاش میں کیمیاگر اپنی روح کو آزاد کرتا تھا اس روح کو بلوے کے اندر پھنسی ہوئی تھی اور ایسا کرتے ہوئے وہ قدرت کے پیکر کی حفاظت کرتا تھا جو اصل میں لاشعوری نفس تھا۔ جس کو چرچ گناہگار ہونے پر زور دے دے کر رفتہ رفتہ تباہ کرنا چاہا رہا تھا کیمیاگر اپنے آپ کو اچھے عیسائی (بہتر مذہبی انسان) سمجھتے تھے مگر ان کی فوقیت یہ تھی کہ بہت سے جدید لوگوں کی طرح وہ علم اپنے تجربے سے حاصل کرنا چاہتے تھے، بجائے اس کے کہ وہ

اس روایت کو قبول کریں جو ان پر مسلط کی جا رہی ہے۔ وہ اپنے کیمیائی عمل کو اپنے وژن کے فروغ کے لئے استعمال کرتے تھے۔ جو اپنے تجربات اور واردات کو ملامتوں کی صورت میں ریکارڈ کرتے تھے۔ جس جیسے قتل خوابوں کے اندر موجود ہوتے تھے۔

کیمیا گردوں اور قلعہ بندی عمل میں کچھ اور متوازیات اور مماثلتیں تلاش کی جاسکتی ہیں۔ اگرچہ دوسری صورت میں چولوں اور اگلات کی ضرورت باقی نہیں رہتی، مگر جب کوئی خواب میں دیکھتا ہے کہ دیکھی چیز لے کر رکھی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی تبدیلی آنے ہی والی ہے۔

یہ سہرا مل گئی نہیں ہے کہ انسان کوئی کمال کا طوب دیکھ لے یا کسی عجیب و غریب واردات میں سے گزر جائے، ایسے بھی لوگ ہیں جن کی فنتاسی زندگی بھر پر ہوتی ہے مگر اس کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوتا اور یہ بات عام حقائق کے برعکس نکلتی ہے۔ خواب میں آرکی ٹائپ کا تجربہ کوئی بھی کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جن میں شخصیت کا ارتقاء اس حد تک نہیں ہوا ہو تاکہ وہ سلف کو جان سکیں، یہ تو کوئی ایسی شے نکلتی ہے جو رات کو بھل جاتی ہے اور دن چڑھنے سے پہلے پہلے مرجھا جاتی ہے اور اس کا کوئی بوجھ بھی نہیں بناتا اور جس شخص نے جاننے کی خواہش پالی ہے یا بے ارادہ ہی اس سفر پر چل نکلا ہے، تو وہ کسی ایسی شے کے پیچھے ہے اور اس کی حصول کی تمنا رکھتا ہے جو خوبصورت اور خوشنما شہنائی رکھتی ہے اس کو اس مواد پر لازمی طور پر کام کرنا چاہئے، اسے تصویر کے معنی سمجھنے چاہئیں، تصویریں بنانی چاہئیں، ہر طرح کی کوشش بروئے کار لانی چاہئے۔ تاکہ اس کی صورت گری ہو سکے، اور اسے سمجھا جاسکے اور اس کا مطالعہ کیا جاسکے اور اس کے عقلی معانی کی تفہیم کی جاسکے۔ اس ضمن میں ماہر تحلیل (Analyst) کے کام کا موازنہ کیمیا گر کی جدوجہد سے کیا جاسکتا ہے، اور وہ تبدیلی جیسے وہ توقع کرتا ہے کہ آنے گی اور کیمیا گر کی تبدیلی بھی ہوگی۔

ڈونگ مشرق کی مماثلتیں بھی بیان کرتا ہے۔ خاص طور پر چینی، اس کی تحریروں اور کام میں ان کا ذکر بار بار آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چینیات (Sinologist) کے ماہر رچرڈ وولفم (Richard Wilhelm) سے رابطے کے بعد ہی وہ پہلی بار اپنا تصور فروخت تکمیل دے سکا اور اس تعاون کے نتیجے میں دو کتابیں شائع ہوئیں The Secrets Of The Golden Flower اس کتاب میں چینی تصوف اور مہینوں

کے تجربات میں فردیت کا راستہ تلاش کرنے کے سلسلے میں بہت قریبی حواضیت (Paralallism) دریافت کی گئی۔ یعنی فلسفہ جس میں مواضع کا طریق کار بیان کیا گیا "منہرے پھول میں" میں اس کا انحصار اس رویے پر ہے، جو تجزیوں کے فکری رجحان کی مشترکہ خصوصیت ہے، یہ بنیاد اس قضیے (Premise) پر استوار کی گئی ہے کہ انسان اور کونیات (Cosmos) اپنی اصل میں ایک ہی قانون کے تابع ہیں، انسان ایک جہان صغیر ہے اور وہ کسی طرح بھی عظیم کون و مکان کی سرحدوں سے الگ ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ جس قانون کا اطلاق ایک پر ہوتا ہے، دوسرے پر بھی اس طرح ہوتا ہے، اور ہر ایک سے راستہ دوسرے کی طرف رہنمائی کرتا ہے نفس (Psyche) اور کوسموس، ایک دوسرے سے یوں متعلق ہیں کہ ایک باطن ہے اور دوسرا بیرونی جہان ہے، لہذا انسان فطری طور پر کوسموس کے تمام واقعات میں شریک ہے اور وہ اندرونی اور بیرونی دونوں سطحوں پر اس کے ساتھ پوری طرح گندھا ہوا ہے "چنانچہ تاؤ (TAO) جہانِ مسمیٰ ہے یہ انسان پر بھی ویسا ہی حکمران ہے، جیسا کہ وہ ان دیکھی اور نظر آنے والی قدرت پر حکمرانی کرتا ہے۔"

تو تقسیم نہیں کیا جاسکتا، وہ ایک عظیم وحدت ہے، وہ دو متضاد اصول حقیقت کو جنم دیتا ہے تاریکی اور روشنی میں (Yin) اور یانگ (Yang) اور دونوں خندوں کے درمیان مصلحت پیدا کرنے کا کام ہی وہ ذمہ داری جس کے ساتھ سطرے پھول کے مواضع (Mediation) کا تعلق ہے۔

اور وہ شخص جو فردیت کے عمل کی شدید جدوجہد اور پیکار میں سے گزرا ہے! اس کے بارے میں ڈوگم کہتا ہے :

یہ گویا ایک لڑکی طرح ہے، جو اپنے دلدلی (Marshy) کردار کو بھول کر اچانک اس اصل تر کو دریافت کرتی ہے اور یوں لگتا ہے کہ جیسے کوئی پتھر جو کسی افواہیں کرنے والے جگ پر رکھا ہوا تھا، اٹھایا گیا ہے تاکہ پیدا ہونے والا پودا اپنی قدرتی نشوونما پر گلزن ہو سکے۔

شخصیت آزادی حاصل کرتی ہے، غلابا ہوتی ہے، اس کی کایا کلب ہو جاتی ہے اور لفظ کے مکمل ترین معنوں میں فرد بن جاتی ہے لیکن وہ اپنے فرد ہونے تک محدود رہنے کی

کوشش نہیں کرتی۔

حواشی

۱۔ نازی جرمنی میں نوجوانوں کی تحریک فٹلر انقلاب (Solstice) کی تقریب منعقد کرتے تھے اور بھیڑ کی قربانی دیتے تھے، ایک خوشخبری دینے والا پادری (Evangelic Clergyman) جو یہ نظام پسند ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کے پاؤں میں ٹاپ بوٹ ہوتے ہے، وہ دعا کرتا تھا کہ ہیڈز کا سفر مرنے والے کے لئے آسان ہو اور وہ وال ہالا (Valhalla) میں جائے جو کہ سٹراٹیز (Sultried) اور ہالدر (Boldur) ہیروز (Heroes) کا گھر ہے۔

نفسی طریق علاج

(PSYCHOTHERAPY)

نفسی طریق علاج کی مدد سے ذہن کا علاج کیا جاتا ہے، بلکہ نفس (Psyche) اور وہ بھی نفسیات کے طریقے سے لوگوں کے ذہن میں نفسی طریق علاج یا معاملے کا تشخص تحلیل نفسی (Psycho-Analysis) کے ساتھ متعلق ہے۔ یہ اصطلاح فرائیڈ نے بنائی تھی۔ لہذا اس کو صرف اس طریق کار تک محدود رکھا جانا چاہئے۔ وہ نفسی علامات کو بچپن کی جنسی انگیزت (Impulse) کے اظہار (Repression) تک محدود رکھتی ہے، اس کے مضمرات یہ ہیں کہ نئورس کو بچپن کے منبعوں (Root) سے تک وابستہ لایا جاتا ہے۔ ایک اور طریق علاج جسے بہت شہرت حاصل ہوئی ہے افرڈ اڈلر (Alfred Adler) کا طریق کار ہے وہ نئورس کو ان اصطلاحات میں بیان کرتا ہے کہ گویا وہ قوت حاصل کرنے کی انگیزش (Drive) ہے جو اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ احساس کمتری (Inferiority Feeling) کی مٹائی کی جائے۔ نفسیات کا یہ کتب فکر انفرادی نفسیات (Individual Psychology) کہلاتا ہے۔

ڈونگ ایسے نقطہ نظر کو بیان کرنے کے لئے عقلی نفسیات (Analytical Psychology) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے، جو نہ صرف شطابی کا ایک طریقہ ہے بلکہ یہ فردیت کے عمل کے ساتھ شخصیت کا ارتقاء ہے، یہ بات بھی بہرحال وہ نظر رکھی جانی چاہئے کہ جو لوگ نفسیات کی مدد مانگتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ انہیں فردیت کی آرزو بھی ہو، اور اکثر اوقات تو ان کے مطالبے بہت ہی محدود ہوتے ہیں۔ چنانچہ علاج کرتے ہوئے بہت سی باتوں کو مد نظر رکھنا ہوتا ہے، یعنی یہ کہ مریض ذاتی پیش قدمی کی کوئی منزل میں

ہے اور اس کا مزاج کیا ہے اور ہم جنسی تحریک کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے اور نہ یہ بھول سکتے ہیں کہ اس کے اندر قوت حاصل کرنے کی شدید خواہش بھی ہو، ان میں سے کوئی بھی خورس کی علامات کو بروئے کار لانے کا باعث ہو سکتا ہے۔

ڈونگ کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ طریق علاج کی کئی صورتیں ہیں، پھر کیسے طے کیا جائے کہ کونسا طریقہ سب سے بہتر ہے اور پھر یہ بھی دیکھتا ہو گا کہ بیروں میں جینی کے حوالے سے کونسا اور دروں جینی کے حوالے سے کونسا اگر اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو فرائیڈ کی نظریات بیروں گفتی ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ سب سے بڑی وجہ جس سے خورس پیدا ہوتا ہے، بچپن میں جنسی انگیزش کا نا آسودہ ہو جانا ہے (اس جیلے میں جنس کو بڑے وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہے) اور یہ بھی کچھ باہر کے اثرات کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ازلہ اس کے برعکس انسان کے اندر موجود ایک انگیزش یعنی قوت کی خواہش پر زور دیتا ہے، اس کے تجربے کے مطابق وہ خورس پیدا کرنے کا سبب ہے کیونکہ وہ ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور وہ انسان کی نارمل معاشرتی سرگرمیوں میں دخل اندازی شروع کر دیتی ہے۔

مجھے یقیناً یہ خیال بھی نہ آتا کہ میں فرائیڈ کے بتائے ہوئے راستے کو خیر باد کہ دوں، میرے پاس ایسے بہت سے شواہد جمع ہو گئے تھے جنہوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اس نظریہ میں کچھ تبدیلیاں لکھوں اور یہی میرا مطالعہ ازلہ کے نظریات کے سلسلے میں بھی تھا مجھے شاید یہ بتانے کی ضرورت بھی نہ ہو "میں اپنے نظریات کو بھی ویسا ہی اضافی سمجھتا ہوں اور میں اپنے آپ ایک ایسا نمائندہ سمجھتا ہوں جو پہلے سے طے شدہ موضوعوں پر کام کر رہا ہے۔

ڈونگ نہ تو جنسی انگیزش کو فروغ دیتا ہے اور نہ ہی قوت کی خواہش کو، اگر وہ واقعی خورس کے فعال عناصر ہوں، لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ فرائیڈ یا ازلہ کے نقطہ نظر کے مابین عام طور پر کم عمر کے لوگوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں، زندگی کی اس منزل میں مرد یا عورت اپنی بہتوں کو اہمیت ضرور دیتا ہے جو ان کا حق ہوتا ہے، تاہم اس کی کوشش یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اس کے باوجود اپنا چال چلن اس طرح کا ضرور رکھے جو معاشرتی سطح پر قابل قبول ہو، زندگی کے اس حصے میں جنسی جبلت اور حکم ذات (SELF ASSERTION) کی جبلت زندگی کے اس

دور کی بنیادی انگیزش ہوتی ہیں، مادی اور دنیوی کامیابی اور خاص طور پر دانشورانہ کامیابی عام طور پر جنسی جبلت کی قیمت پر حاصل کی جاتی ہے۔ اور جب یہ بیماری کا باعث بنتی ہے اور نئورس کی سطح تک آ جاتی ہے تو پھر ان پر توجہ کی ضرورت پڑتی ہے اور پھر بھیجن کے جنسی شعبوں تک جانے کی حاجت پیش آتی ہے، اس کے برعکس جو شخص زندگی میں کامیابی حاصل نہ کر سکے تو پھر وہ اپنے قہقم ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور وہ اپنے مقاصد کی پُر فریب نوعیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ڈونگ بھی عناصر کے قیصری پہلوؤں کو فراموش نہیں کرتا، جس کے بارے میں اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نئورس کے اندر ضرور موجود ہوتے ہیں۔ وہ آگے کی طرف یا پیچھے کی طرف جاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ زندگی کے ان اندرونیات و واقعات (TRAUMAS) کا کھوج لگائے، جن کا تعلق بھیجن کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کا اثر شفاء دینے کی بجائے بیماری پیدا کر رہا ہے، ان معنوں میں وہ صرف بیماری کی وجوہات تلاش کرنے تک نہیں رہتا اس کی ایک کمال کی مثال اس نوجوان کے وہ بڑے نئورس میں دیکھی جاسکتی ہے جو ڈونگ کے پاس اپنی ہم جنسیت (HOMO SEXUALITY) کے علاج کے لیے آیا تھا اور اس کی ایک وجہ مل کے ساتھ اس کی شدید محبت تھی، اس نوجوان نے وہ خواب دیکھے تھے، ایک پہلے آیا تھا اور دوسرا ڈونگ سے انٹرویو کے فوراً بعد آیا تھا اس میں قیصر کی کوئی کوشش بھی نہیں کی گئی تھی۔ وہ خواب تھے۔

1- میں اپنے آپ کو ایک بہت بڑے گرجے میں دیکھتا ہوں، جس میں ہر طرف پر اسرار لگی روشنی پھیلی ہوئی ہے، اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ لارڈس (LOURDES) کا گرجا ہے، اس کے عین درمیان میں ایک گمراہ اور تاریک کتواں ہے اور مجھے اس میں اترنا ہے۔

2- میں ایک بہت بڑے گوتھک (GOTHIC) گرجے میں ہوں، الٹار (ALTAR) پر ایک پادری کھڑا ہے، میں اپنے دوست کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ایک جلیبی سورت ہے اور میرے دل میں خواہش ہے کہ اس کا پتھر ہوتا چاہیے (BAPTIZED) اچانک ایک سحر خاتون آتی ہے اور میرے

ہاتھ سے بھائی بھری (FRATERNITY) کی انگوٹھی لے لیتی ہے اور اپنے ہاتھ میں پہن لیتی ہے۔ میرا دوست ڈرتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس سے بندھا ہوا ہے، مگر اس وقت شاعر آگن (ORGAN) موسیقی شروع ہو جاتی ہے۔
ان خوابوں کے بارے میں ڈونگ کہتا ہے

وہ مریض کی صورت حال پر خاص روشنی ڈالتے ہیں، اور یہ ایک ایسی روشنی ہے، جو شعور کے لئے بہت عجیب و غریب ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ صورت حال ایک ماسٹے کی بات دریافت کرتی ہے، جو خواب دیکھنے والے کی ذہنی خصوصیت کے عین مطابق ہے، اور اس قابل ہے کہ وہ جمالیاتی، عقلی اور مذہبی حوالے سے اعلیٰ دلچسپی کی حامل ہو۔ معاملے کے لئے اس سے بہتر صورت حال کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ایسی صورت حال تخلیق کی جاسکتی ہے۔

اس خواب کی تعبیر کے لئے قاری کو خود ڈونگ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہو گا، لیکن اگر کوئی ایسا تعبیر کرنے والا ہو، جو ابھی جندی ہو، وہ بھی ایسی تعبیر کر سکتا ہے جو اس لغزا کے مطابق ہو اور اس کی رسائی کسی حد تک معقول تک بھی ہو سکتی ہے، اس میں شغلیابی کا حوالہ ہے، لاویلیں جو شغلیابی کا مقام ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ کسی آزمائش سے گزر کر ہی تبدیلی تک پہنچا جاسکتا ہے اور یہ بات خواب سے بالکل واضح ہے اور اس میں کسی غلطی کی یا کسی اور طرف جانے کی گنجائش ہی نہیں ہے، اور اس سے یہ بھی لگتا ہے کہ اس سارے تجربے کو ایک مذہبی حوالے سے دیکھنا چاہیے، اگرچہ یہ بات عمومی یک طرفہ ہم جنسی تلازمے سے بالکل متضاد ہے اور یہ بات خاصی واضح بھی ہے۔ نوجوان شخص کے دوسرے خواب میں باخمی دانت کی موتی کے ساتھ جو تلازمہ ہے، وہ پتھر کے ساتھ ساتھ یہودی کی رسم ختنہ (CIRCUMCISION) سے متعلق ہے، اسے بھی ایک طرح پتھر ہی سمجھنا چاہیے۔ یوں لگتا ہے جیسے جنسی عضو کا پتھر کرنا مقصود تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کوئی دوسرا کام لینا مقصود ہے، خاص طور پر اس وقت جب ایک پادری بھی موقع پر موجود ہے۔ ڈونگ اس مقام پر آغاز کرنے کی رسوم کی بہت سی مثالیں پیش کرتا ہے، جن سب میں ایک ہی مقصد مد نظر ہوتا ہے کہ ابھرتے ہوئے نوجوان کو جو بچپن سے آگے آ رہا ہے بلوغت کے ساتھ دنیا میں شرکت

کرنے کا موقع ملے، آخری بات یہ ہے کہ انکو خفی دوست سے لی جاتی ہے اور دوست بھی ایسا جس سے اس کا ہم جنسی کا ناتھا اور ایک عورت کو دے دی جاتی ہے۔ یہ درست ہے کہ اس بوڑھی عورت کے بہت سے خواص ماں جیسے ہیں، اس سے یہ بھی متنبہ نکلا جاسکتا ہے کہ یہ تو محض ایک مزاحمت (REGRESSION) ہے، کیا اس کا مطلب ماں کے ساتھ جنسی تعلقات (INCEST) استوار کرنے کی خواہش ہے۔ مگر خواب کا خاتمہ ایک مثبت بات پر ہوا ہے، وہ آرگن کی خوبصورت موسیقی ہے، جس نے خواب دیکھنے والے نوجوان کو سکون اور آہنگ کی حالت میں چھوڑا ہے، چنانچہ ہم یہ سوچنے میں پوری طرح حق بجانب ہیں کہ کسی عورت کے ہاتھ کی انگلی میں انکو خفی ڈالنا ہے ایک پیش قدمی ہے یہ ہم جنسی روابط کی بجائے مخالف جنس کے ساتھ جنسی تعلقات استوار کرنے کا آغاز ہے۔ اور بعد میں یہی حقیقت بھی تھی، چنانچہ یہ خواب ایک ترقی کی طرف اشارہ کر رہے تھے جو مناسب ماحول میں اپنے آپ کو زیادہ آسانی سے نمایاں کر سکتی تھی، اگر ہم صرف یہیں تک رہتے کہ اس کی وجہ دریافت کر لیتے تو یہ بے فائدہ تھا بلکہ یہ تو نظرائے انداز کر دیتے وہی بات تھی، بلکہ اس سے لاشعور کی وہ طاقتیں جاہر ہو سکتی تھیں جو شغالیہ کی طرف رہنمائی کر سکتی تھیں۔

جب بزرگ تر لوگ اپنا بیس برس کے قریب کے لوگ (ذاتی مریض ہوتے ہیں تو ان کا علاج نوجوانوں کے مقابلے میں بہت مختلف طریقے سے کیا جاتا ہے، یہ بات اس وقت خاص طور پر درست ہوتی ہے، جب انہوں نے اپنی زندگی کامیابی کے ساتھ گزاری ہو اور اس کے بعد وہ نیورس کا شکار ہوئے ہوں مگر وہ اپنی زندگی کو خالی خالی اور بے معنی سمجھتے ہیں، یہ ایسا نیورس ہے جسے کسی کلینک میں قحطی علاج نہیں سمجھا جاسکتا اور نہ ہی اس حوالے سے اس کی تعریف ہی ممکن ہے، مگر اسے بیان کرتے وقت اسے ”ہمارے عصر کا عمومی نیورس بھی کہا جاسکتا ہے، ڈونگ کا ہر تیسرا مریض انہی لوگوں میں سے ہوتا ہے، چنانچہ یہ قدرتی امر ہے کہ ڈونگ کا نفسی طریق علاج میں حصہ، اس خاص نقطہ نظر سے دیکھا جائے اور اسے ان خاص مریضوں کے حوالے سے سمجھا جائے۔

ڈونگ کا موقف ہے کہ ہر نیورس کا کوئی ہدف ہوتا ہے، یہ زندگی کے یک دمے روسیے کی طائی کرنے کی ایک کوشش ہوتی ہے، اور یہ ایک آواز ہے جو انسان کی توجہ شخصیت کے کسی خاص رخ کی طرف مبذول کرنا چاہتی ہے، وہ حصہ جسے نظرائے انداز کیا گیا ہے اور جو ابھٹان

(REPRESSION) کا آثار ہے۔

نورس کی علامات محض گزرے ہوئے واقعات کا نتیجہ نہیں ہیں، خواہ وہ بچپن کی جنسی انگیزت ہو یا بچپن کی حالت حاصل کرنے کی خواہش اور یہ زندگی کی ایک نئی تالیف (SYNTHESIS) حاصل کرنے کی کوشش بھی ہیں۔ اس میں صرف اتنا اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ ناکام کوشش ہیں، مگر کوشش تو وہ بہر حال ہیں اور ان کے اندر قدر اور معانی بھی موجود ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جس میں ڈونگ کا نفسی طریق علاج میں اپنا حصہ، ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اول تو یہ کہ وہ اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ نورس کو مکمل طور پر کوئی متقی شے نہیں سمجھا جانا چاہیے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ انگیزتیں محض جنس یا حکم ذات ہی تو نہیں ہیں، کچھ اور بھی تو ہیں، اور زندگی کے دوسرے حصے میں شافقی یا روحانی انگیزش بہت زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے (دماغی اس لئے اہمیت کا حامل ہے، اگر وہ واضح طور پر حل کو متاثر کر رہا ہو) اور جب لیبڈو (LIBIDO) شخصیت کو آگے لے جانے میں رکاوٹ محسوس کرے اور اسے اگلی منزل تک جانا دشوار نظر آتا ہو، یہی وہ نقطہ ہے جہاں ہر طرح کی عقلی تشریح اور مطابقت پیدا کرنے کی شعوری کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔ ایسے موقع پر ایک ہی امید باقی ہوتی ہے کہ لاشعور سے توانائی حاصل کی جائے اور زندگی کے نئے فیض کو کام میں لایا جائے، اس بات کا حوالہ پہلے بھی فرویت کے باب میں دیا جا چکا ہے اور ہم اس کی طرف پھر لوٹیں گے کیونکہ ایسا کرنا تخلیقی نفسیات کو سمجھنے اور جاننے کے لئے ضروری ہے کہ اس نے اس کا اندازہ کرنے میں کیا حصہ لیا ہے۔ اس دوران میں یہ ضروری ہو گا کہ عمومی نفسی طریق علاج کا مطالعہ قدرے تفصیل میں کریں۔

نورس ایک خاص طرح کی نفسی بد نظمی ہے، جو زندگی میں دخل انداز ہو جاتی ہے، اور اس شخص کی صحت میں بھی جو اس کا شمار ہو گیا ہو، ڈونگ کے خیال میں یہ دو مداخلت کے تصالوہ سے پیدا ہوتی ہے ایک کا اعتبار لاشعوری طور پر ہوتا ہے اور دوسرے کا اس خبط (COMPLEX) کے ذریعے جو شعور سے پھوٹا ہے اور اس کا موجود ہونا خود مختصر مگر لاشعوری ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہ کامپلکس پہلے سے شعوری طور پر جانا گیا ہو یا نہ جانا گیا ہو، مگر اہم بات یہ ہے کہ نورس کے مریض کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ موجود ہے، مگر وہ مداخلت کرتا ہے اور یہ مداخلت یا تو غیر متوقع طور پر شعور میں دخل اندازی ہوتی ہے یا پھر وہ توانائی اپنے طرف کھینچ

لیتا ہے اور شعور اور بلاواسطہ افہام کے لئے استعمال کرنے کے لئے بہت کم بچتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ نخورس اپنے آپ کو بہت ہی بھلی پھلکی سلج پر رکھے، ہم بھی کسی نہ کسی حد تک اس کا شکار ہوتے ہیں، ہماری گفتگو میں سو کا پیدا ہونا یا یادداشت میں کسی شے کا کھو جانا اور سننے میں غلطی کر جانا یا پڑھنے میں، کچھ اور ہی پڑھ لینا یا دوسروں کے محرکات کا غلط اندازہ کر لینا یا پھر یادداشت میں غریب نظر (HALLUCINATION) کا ظاہر ہو جانا جب ہم غلطی سے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے کچھ کیا ہے، حالانکہ ہم نے وہ نہیں کیا ہوتا۔۔۔۔۔ یہ سب کے سب نخورانی بنیاد رکھتے ہیں۔ دوسری طرف یادداشت کے کھو جانے کے ذرا لمبی واقعات ہیں۔

شٹا ہسٹریک فالج (HYSTERICAL PARALYSIS) اندھا پن یا بے ہوشی، کوئی بھی ایسی جسمانی حالت جس کے لئے کوئی طبی وجہ تلاش نہ کی جاسکتی ہو، اور بہت سے تشویشوں، غموں اور جذباتوں (OBSESSIONS) کے درمیان جب مریض ایک بھاری کے عالم میں اپنی جان چھڑانے میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ بہت سی ایسی امراض جن کی تشریح نہیں کی جاسکتی مثلاً سر درد، بخار اور دیگر کئی طرح کی علامات بھی نخورانی ہو سکتی ہیں، مثال کے طور پر ہم ایک ایسے شخص کا حال بیان کرتے ہیں جسے بہت تیز بخار تھا اور وہ اس وقت بالکل نارمل ہو گیا تب وہ اس قائل ہوا کہ ایک صلیب تارک اور بھولے ہوئے راز کو بیان کر سکے۔ اعتراف (CONFESSION) حقیقت میں کسی بھی عقلی علاج کے لئے پہلی بنیادی شرط ہے۔

”عقلی علاج کا پہلا آغاز (بقول ڈونک) اعتراف کی صورت میں ہوتا ہے اگر دو طرح کے عمل کے درمیان بظاہر کوئی ملتی (Causal) رشتہ نہیں ہے مگر دونوں ایک ہی منبع سے پھوٹتے ہیں، کسی بھی باہر کے آدمی کے لئے فوری طور پر اس رشتے کا پتہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ عقل کے بنیادی کام اور اعتراف کی مذہبی صورت حال کا آپس میں کیا تعلق ہے۔

جب انسان مسئلہ کے خیال کا تصور کرنے کے قائل ہوا تھا تو وہ ایسے راستے پر تھا کہ وہ نفسی رازوں کو چھپا لے۔ یا عقلی زبان میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں سے اظہار

(Repression) کا آغاز ہوا تھا۔

یہ ایک مشترک نفسی منبع ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ لوگ باتوں کو چھپاتے ہیں، اور ایسا

کرتے ہوئے وہ اپنے آپ کو معاشرے سے الگ تھلک کر لیتے ہیں۔ جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ ایسی ہی چیز ہے جو ہمارے اندر تاریک ہے اور نامکمل ہے اور احمقانہ ہے۔ چنانچہ جو چھپا ہوا ہے وہ گمنام سے معمور ہے، خواہ وہ ہماری اخلاقیات کے اعتبار سے واقعی غلط ہے یا نہیں ہے۔ حقیقت میں غفلت ہونے کی ایک شکل جس کا اثر بہت زیادہ چاہ کن ہو سکتا ہے۔ اسے نیکی جان کر اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہ وہ شے ہے جسے جذبات کو غفلت رکھنا کہتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں ایک طرح کی بے تعلقی ضرور ہوتی چاہئے۔ کچھ راز تو ایسے ہوتے ہیں جو بطور فرد ہماری ترقی کے لئے ضروری ہیں، اور ہمیں لاشعور میں حل ہونے سے بچاتے ہیں، دوسری طرف وہ ہمیں معاشرے میں کھو جانے سے بھی باز رکھتے ہیں۔ جذبات پر قابو رکھنا لازمی بھی ہے اور پسندیدہ بھی ہے بشرطیکہ اسے ٹھیک طرح کیا جائے۔ ان باتوں سے بھی ذاتی رشتے چھٹی کا شکار ہوتے ہیں۔ اگر سرد مری اختیار کی جائے۔ اپنے طور پر جذبات پر قابو پائے رکھنا ایک ایسی خوبی ہے جو بد صورت کیفیات اور پاکہازوں کی تحد مزاحمت کو جنم دیتی ہے۔ ایسی جگہوں پر جہاں گرم جوشی ہوتی چاہئے وہ سرد مری کو جنم دیتی ہے۔ برتری کا ایک غلط احساس چھپایا رہتا ہے کہ ہم زیادہ نیکوکار ہیں یا ایک طرح کا نیم گرم سا آہنگ ہے۔ حقیقت میں خود پر قابو رکھنا معاشرتی اور مذہبی معاملات میں بروئے کار آنا چاہئے۔ اس لئے ضمیمہ کہ یہ ذاتی برتری کی کاسبب ہے یا پھر خوفزدگی اس کی وجہ ضمیمہ ہوتی چاہئے۔

ایک مکمل اعتراف۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ محض عقلی طور پر حقیقتوں کا اعتراف نہ ہو، بلکہ دل سے ان کی تصدیق ہو، اور اس سے واقعی دبے ہوئے جذبات کو رہائی ملے۔ اس کا اثر احتمالی طور پر شغلیابی کا ہوتا ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں میں جو زیادہ چھپے گیوں کا شکار ضمیمہ ہوتے، لیکن بد قسمتی سے اعتراف کوئی سادہ معاملہ ضمیمہ ہے۔ کیونکہ اعتراف کرنے والے کی شخصیت درست نتائج حاصل کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ بھی اکثر ہوتا ہے، لگتا ہے کہ بیمار صحت یاب ہو گیا ہے کیونکہ اعتراف کرنے سے اس کی علامات غائب ہو جاتی ہیں اور وہ اب ان کے منبع کو اور معالیٰ کو سمجھنے لگ پڑا ہے، وہ اپنے علاج کو اس کے بعد بھی مسلسل جاری رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کے پیش نظر کوئی ایسا نیورس ضمیمہ ہوتا جو دکھائی دیتا ہو اس کا اس شخص کے بغیر گزارا ہی ضمیمہ ہوتا جس نے اسے شغلیاب کیا ہے۔

یہ معلوم ہو چکا ہے (اور یہ خاص طور پر فرامیڈ کی دریافت ہے) کہ مریض کا ہری طرح

معالج کے ساتھ چہنہ رہتا مریض کے انتقال (Transference) کی وجہ سے ہے اور اس نے اپنے جذبات اس کے ساتھ منتقل کر لئے ہیں۔ یہ وہی جذبات ہیں جن کا مریض کسی زمانے میں والدین کی طرف تھا۔ یا نفیات کی اصطلاح میں اس کو یہ کہا جائے گا کہ یہ باپ اور ماں کی یادداشتیں شیبیں ہیں مگر ان کی جذباتی رو کا مریض تحلیل ماہر کی طرف ہو گیا ہے، لہذا اس منظر کو انتقال کا نام دے دیا گیا ہے۔ مریض بچے کی طرح کا ہو جاتا ہے بلکہ وہ تو پیش ہی سے بچہ ہی رہا ہے، مگر اس نے اس حقیقت کو چھپائے رکھا اور اب وہ کوشش کرتا ہے کہ ماہر تحلیل کی مدد سے بچپن کی غائباتی صورت حال کو پھر سے پیدا کرے۔ عام طور پر ماہر تحلیل (Analyst) مخالف جنس کے Parent کا نمائندہ ہوتا ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ بھائی، بہن، باپ بیٹے، اور ماں بیٹی کا تعلق ظاہر ہو جائے۔ اس ذاتی کیفیت میں وہ بہت کچھ جو اطفال کی حالت میں ہے روشن ہو جاتا ہے اور بہت سے نقصانیا ابھر آتے ہیں، جس میں خاص طور پر زہائے محرم (Incest) خاص طور پر اطفال ذکر ہے۔ اس لئے یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ باہمی پہلے لاشعور کے اندر رہی ہیں اور آسان بھی نہیں ہے کہ انسان کو ایسے نواؤ کا شعور حاصل ہو جائے، اور ایسے بدعوا محاطات کو کیونکر باہر نکالا جائے۔ تحلیل کی اس منزل کے دوران جو قوتیں فعال ہو جاتی ہیں اور بہت شدت کے ساتھ شمولی ہوتی ہیں لیکن جس شے کو اذکار قوت کی خواہش کا نام دیتا ہے، وہ بھی جاگ نکلتی ہے، مریض کوشش کرتا ہے کہ وہ صورت حال سننے کے لئے اپنے آپ کو بھونے لکھ لائے اور اپنے نیورس کو اہمیت حاصل کرنے والے ذریعے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ مریض اس ساری شے کا شعور انتقال کی تعبیر سے حاصل کرتا ہے۔ اس سے اس شے کی وضاحت ہوتی ہے کہ اس کے اور ماہر تحلیل کے درمیان کیا واقعہ ہو رہا ہے، اور ہر منزل پر اس کی توجہ جسے سرے سے کرتی پڑتی ہے، کیونکہ انتقال قدرتی طور پر آگے بڑھتا ہے اور تبدیل ہو جاتا ہے۔

تشریح (Explanation) شاید ایک ایسا لفظ ہے جو غلط سمت میں لے جاتا ہے اور طریقے (Method) اور عمل (Process) کے معانی ایک ساتھ بیان نہیں کرتا، کیونکہ جذبات بہت گہرائی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ انتقال کو پوری طرح بیان نہیں کیا جاسکتا، اس کا تجربہ تو بس ماہر تحلیل ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی کچھ حدود مقرر کی جاتی ہیں۔ مثلاً جس کمرے میں معالجہ (Treatment) کیا جاتا ہے، اور پھر اس کا وقت بھی مقرر ہوتا ہے۔ ڈونگ کو اس

بات پر اصرار ہے کہ علاج کو مریض کے ساتھ ایک رفیق انسان کی حیثیت میں ملنا چاہئے اور اگر ممکن ہو تو دونوں میں ایک جیسی بے تکلفی ہونی چاہئے کہ ہر مصیبت دونوں کو ایک ساتھ جھیلی چاہئے۔ دونوں کے اپنے ہی رشتے سے نفسی طریق علاج سے ایسے نتائج حاصل ہوتے ہیں، جس پر کوئی تشریح اثر انداز نہیں ہوتی۔

اس انسانی رشتے میں جو ماہر تحلیل کی شخصیت کو اس قدر اہم بنا دیتا ہے کہ مریض کو اعتراف کرنے سے سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مریض یہ محسوس کرے کہ اس کی شخصیت کا ایک حصہ تقسیم ہو گیا اور وہ اپنے طور پر ایک کیپکس بن گیا (Autonomous Complex) اور پھر اس کے ساتھ یکجہتی (Integration) حاصل کرنے میں بے حد مشکل پیش آئے، تاہم اس کے باوجود وہ شعوری شخصیت سے مکمل طور پر متضاد کسی شے کا اعمار کرتی ہو، ایسے مقام پر ماہر تحلیل کی سمجھداری اور ہمدردی، "اختلالی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ وہ شعوری قوتوں کو پھر سے کار فرما ہونے میں مددگار ہوتی ہے۔ اس وقت تک جب تک وہ پریشان کرنے والے عنصر کو پوری طرح ہضم نہیں کر لیتی۔ چنانچہ مریض اس عمل کے دوران ان جزوی قوتوں کی لڑائی میں تھما نہیں ہوتا، بلکہ ایک ایسا شخص جس پر وہ پورا اعتماد رکھتا ہے، اس کی مدد کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اس سے اسے وہ اخلاقی قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ بے قابو جذبات کی سفاکی سے نہروانا ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا قریبی رشتہ قائم ہوتا ہی ہے، تو وہ احتمالی اہمیت کا حامل ہو گا مگر اس سے پہلے ماہر تحلیل کو اپنی تحلیل کردہائی پڑے گی کیونکہ وہ کسی بھی شخص کی مدد اس مقام سے آگے جا کر نہیں کر سکتا۔ جہاں تک وہ خود پہنچا ہوا ہے۔ ماہر تحلیل کو اپنے شیڈو کے بارے میں ضرور علم ہونا چاہئے اور اسے لاشعوری قوتوں کے حقیقی تجربے سے بھی گزرنا چاہئے، وہ تجربہ جو اب اس کے مریضوں کے لئے مددگار ثابت ہو رہا ہے۔ دوسروں کا علاج کرتے ہوئے وہ اپنی مشکلات سے دو گردانی نہیں کر سکتا، سب سے پہلے تو اسے خود کو شغلیاب کرنا چاہئے، جب وہ مریضوں کے تجربے میں شریک ہوتا ہے تو اسے یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ ان کی بیماری کے جراثیم کہیں اس کو بھی بیمار نہ کر دیں۔ (بالکل اسی طرح جس طرح ڈاکٹر کو یہ خدشہ رہتا ہے کہ وہ جسمانی طور پر کہیں مریض سے مرض حاصل نہ کر لے؟ اور اسے اس سارے استحکام کی ضرورت ہوتی ہے جو علم سے حاصل کیا جاتا ممکن ہے۔

نفسی طریق علاج کی اس ساری بحث میں ڈونگ اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ اس کا انحصار دو انسانوں کے تعلق پر ہے۔ یہ اتنی زیادہ اہم بات ہے کہ تمام نظریات اور طریق کار کی حیثیت اس کے سامنے ثانوی ہوتی چاہئے، بعض اوقات ماہر تحلیل اپنے آپ کو یہ سمجھنے سے باز نہیں رکھ سکتا کہ مریض کے لئے یہ راستہ یا وہ راستہ سب سے بہتر رہے گا مگر اسے یہ حق حاصل نہیں ہو گا کہ وہ اپنا نقطہ نظر مریض پر قہرپ دے اس کا کام تو محض اتنا ہے کہ وہ مریض کو اس ذہنی حالت میں لے جائے جس میں مددگار ہو کہ جہاں مریض خود اپنے لئے وہ راستہ تلاش کر سکے جو اس کے زعمہ ذہن میں سودمند ہو اور پھر اس کے دل میں یہ خواہش بھی ہو کہ وہ اسے عملی طور پر اختیار بھی کرے، نظریات اور طریق محض اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

ہمت سی ایسی منازل آتی ہیں۔ جہاں نفسیاتی علاج اپنے اہتمام کو پہنچ جاتا ہے۔ مثلاً اس وقت جب کوئی چابندیدہ علامت غائب ہو جائے۔ جب بھیجن کی حالت سے کوئی قلبی بخش پیش قدمی ہو جائے، جہاں زندگی سے مطابقت پیدا کرنے کا نیا اور بہتر طریقہ ڈھونڈ نکالا جائے اور اس وقت جب کوئی لازمی یا لاشعوری مواد دریافت کر لیا جائے اور زندگی کو نیا ذوق شوق حاصل ہو جائے، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو ان نتائج کے حاصل کرنے سے بڑی تھکن حاصل نہیں ہوتی اور وہ یا تو ماہر تحلیل کے ساتھ اپنا کام جاری رکھتے ہیں یا بعد میں پھر علاج کے لئے واپس آ جاتے ہیں اور ان کے دل میں خواہش ہوتی ہے کہ مزید آگاہی اور پیش قدمی حاصل کی جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے فروخت کا ہدف ایک ضرورت بن جاتا ہے اور ان پر کسی عام نفسی طریق علاج کا اطلاق کم ہی ممکن ہو پاتا ہے۔ حقیقت میں ڈونگ اسی منزل کو "مشور اور لاشعور کے مابین ایک جدلیاتی (Dialectical) بحث قرار دیتا ہے۔ یہ ایک پیش قدمی ہے کسی مقصد یا ہدف کے حصول میں، ایک پیش قدمی ہے جس کی پریشان کن نوعیت کئی برس تک توجہ کو مشغول رکھ سکتی ہے۔ وہ ہمت سے مریض جن پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اکثر اوقات مطابقت رکھنے والی زندگی اور با مقصد زندگی گزارنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ان سب نے کسی نہ کسی صورت میں نفسی طریق علاج سے فیض پائی حاصل کی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو اس سے جزوی فائدہ ہے اور کچھ لوگوں پر اس کا حتیٰ اثر بھی مرتب ہوتا ہے، اور وہ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ وہ زندگی میں غلطی پن ڈا ہے معذرت محسوس کرتے ہیں۔ یا وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ کسی مقام پر اب تک کر رہ گئے ہیں۔ یا پھر ان کو یہ سمجھ میں نہیں

آنا کہ وہ کس طرف جائیں اور کیا کریں کیا نہ کریں۔ ایسے لوگ عام طور پر قتل اور ذبح لوگ ہوتے ہیں۔ جن کے لئے نارمل انسان بننا کوئی معنی نہیں رکھتا، بلکہ ان کے لئے تو نیورس (اگر اسے نیورس کہا جاسکتا ہو) ان کا نارمل ہوتا ہے؟ اور ان کی شدید خرابی ہوتی ہے کہ وہ غیر عمومی یا بیمار دل زندگی گزاریں۔

کوئی بھی شے اس سے زیادہ بہتر اور مفید نہیں ہے کہ انسان نارمل (Normal) ہو۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی تو ہے کہ انسان اوسط (Average) میں پھنس گیا ہے۔ یہی حال مطابقت (Adaptation) کے اصول کا بھی۔۔۔۔۔ نارمل ہونا کامیاب ہو جانے والوں کے لئے اعلیٰ مثالی (Ideal) ہے اور ان سب کے لئے بھی جو ابھی تک مطابقت پیدا نہیں کر پائے، مگر وہ لوگ جن میں قابلیت بہت زیادہ ہے اور اوسط انسان سے بہت بلند ہیں اور جن کے لئے یہ بھی مشکل نہیں تھا کہ وہ کامیابی حاصل کریں اور دنیا کے کاموں میں اپنا حصہ لدا کریں۔ ان کے لئے یہ پابندی کہ وہ نارمل کی سطح پر رہیں یکسانیت پیدا کرنے والی (Procrustes) اور برداشت نہ کی جاسکے والی پوریت کے ساتھ ساتھ، دانگی بالجھ پن اور کسبیری کی حالت ہے۔^{۱۹}

مگر یہ لوگ اور وہ لوگ جو یہ محسوس کریں کہ ان کے لئے سب دروازے بند ہو گئے ہیں۔ وہ بہت زیادہ پڑھتے ہیں، بہت گمراہ سوچتے ہیں اور مذہب اور فلسفے نے جو بھی امکانات پیش کئے ہیں ان کی چٹان پتک کر کے ہیں ان کو ان تمام جو اہلیت کا علم ہوتا ہے، جو شعور دے سکتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ڈوگ نفسی طریق علاج میں اپنا سب سے بڑا حصہ لدا کرتا ہے۔

”ڈوگ کتا ہے میرے پاس اس کا کوئی بھی بنانا علاج نہیں ہے۔ جب کوئی مریض مجھ سے پوچھتا ہے ”آپ میرے لئے کیا تجویز کرتے ہیں؟ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ تو مجھے بھی اس سے بہتر کوئی علم نہیں ہوتا۔ میں تو صرف ایک بات جانتا ہوں کہ جب کسی شعوری نقطہ نظر سے بعید جانے کی گنجائش ہی نظر نہ آتی ہو اور میں ایک جگہ رک جانے پر مجبور ہو جاؤں تو میرا لا شعور اس ناقابل برداشت شعراء کے خلاف ردِ عمل ظاہر کرے گا۔

سب دروازے بند ہو جانا ایک عمومی اور جلتی پکائی صورت حال ہے، اور انسان کی تاریخ میں متعدد بار دہرائی گئی ہے۔ چنانچہ یہ بہت سی چیزوں کی کہانوں، اساطیر کا جن میں خاص

ظہور پر Open Sesame شامل موضوع ہے۔ جہاں کوئی بند دروازہ جلدی الفاظ سے کھلتا ہے۔ جہاں کوئی چھپا ہوا راستہ کسی مددگار جانور یا عجیب غریب مخلوق کی مدد سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ بری طرح پھنس جانا ان خاص واقعات میں سے ایک ہے، جو ایک خاص وقت کے دوران کوئی خاص رد عمل یا طاقی پیدا کرتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب یہ صورت حال کسی جدید انسان کے لاشعور میں دہرائی جائے، تو وہ اس کے سلسلے میں خواب نگر والائی یا کوئی دیباہی رد عمل پیدا کرے۔

طریق علاج کا مقصد ان حالات میں یہ ہوتا ہے کہ مریض اپنے لئے خود چھپے ہوئے امکانات کو بروئے کار لائے اور یہ معلوم کرے کہ وہ اصل میں کس طرح کا آدمی ہے اور پھر اس کے مطابق زندگی گزارنا سکھے۔ چنانچہ یہ علاج کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے طے شدہ تمام خیالات کو خیرباد کہے کہ مریض کو کس طرح پیش قدمی کرنی ہے، زور علاج پر نہیں ہے بلکہ ماہر تحلیل اور مریض کے رشتے پر ہے، کسی کو جواب معلوم نہیں ہے اور کوئی بھی پیش گوئی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ ڈونگ کہتا ہے ”ہم کسی بھی طریقے سے کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتے، یہ علاج تو ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتا ہے جس میں ماہر تحلیل کے ساتھ ساتھ مریض کی بھی پوری شخصیت شامل ہوتی ہے اور دونوں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔“

ڈاکٹر اور مریض کے رشتے میں ہماری ملاقات ایک ایسے عنصر سے ہوتی ہے، جو ناقابلِ فور ہے اور اس کے باعث باہم تبدیل (Transformation) عمل میں آتا ہے، اس لین دین میں، زیادہ مستقل اور مضبوط شخصیت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ آخری سوال کیا ہے؟ میں نے ایسے معاملات بھی دیکھے ہیں، جن میں مریض ڈاکٹر سے کہیں زیادہ مضبوط ثابت ہوتا ہے اور بھی کچھ عام طبی نظریات اور ڈاکٹر کی نیت کے خلاف ہے۔۔۔۔۔ یہ حقیقت کہ دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ کچھ بھی اس کے ساتھ مخلوق ہے اس کے پیچھے تبدیل کی کوئی حیل کام کر رہی ہوتی ہے۔

ڈونگ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ وہ دونوں شخصیتوں کے اس ملاپ کو دو کیمیائی عناصر کا ملاپ ظاہر کرے۔ اگر کوئی رد عمل ہو تو دونوں ہی یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی تصوراتی یا فیرواخ ممالکت نہیں ہے۔ کیونکہ اسی بات نے ڈونگ کی اگلی (Alchemy) کی بنیاد مہیا کی

ہے یہ عمل (جو باہم تبدیل کا عمل ہے) اس پر ویسا ہی بوجھ مسلط رہے گا جیسا کہ مریض پر ہوتا ہے وہی ایسا انداز اور صبر اور استقامت کی ضرورت ہے، اور تبدیلی کے لئے ہر لمحہ تیار رہنا پڑتا ہے اور یہ ساری بات اس کے لئے اچھا خاصہ کام بن جاتی ہے کیونکہ بالآخر یہ شخصیت ہی ہوتی ہے جو نتیجے کو تحسین کرتی ہے کوئی طریقہ یا تکنیک نہیں۔

اگر مریض کا مسئلہ دہی ہو، تو پھر ماہر تحلیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ مریض کے مذہبی مسئلے پر بھی توجہ دے اور اس سے بھی زیادہ اہم یہ بات ہے کہ وہ کھلے دل کے ساتھ تمام باتیں مریض کے ساتھ کر سکتا ہو۔ اگر مریض کا معاملہ بلند تر ثقافتی منزل کا حصول ہو، تو پھر ماہر تحلیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ بھی اس رخ میں پیش قدمی کرے۔

”فحسی طریقہ علاج (ٹوئنگ کہتا ہے) اس صورت میں مطلب (Clinic) کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور وہ محض مریضوں کے علاج کا طریقہ نہیں رہ جاتا یہ تو اب ایک ایسی خدمت ہے جو صحت مند لوگوں کو بھی فراہم کی جاسکتی ہے یا کم از کم ان کو جو فحسی صحت پر اپنا حق رکھتے ہیں اور ان کی بیماری ایک ایسی تکلیف ہے جس میں ہم سب مبتلا ہیں۔“

تحلیل کے آغاز کا زمانہ زیادہ تر ذاتی مسائل سے متعلق ہوتا ہے۔ لہذا اس کا تعلق ذاتی لاشعور سے ہے، لیکن آخری درجے میں جب فرد اپنی پوری نسل کی زندگی میں مقام چاہتا ہے، اجتماعی لاشعور کی سرحد شروع ہو جاتی ہے اور یہ ٹوئنگ کا نظریہ اجتماعی لاشعور اور ذاتی لاشعور ہے، جو اسے دوسرے نفسیات دانوں سے الگ کرتا ہے۔

حواشی

۱۔ جب ٹوئنگ نے فرانیٹز کے طریقے کے برعکس اپنا طریق کار ۱۹۵۰ء کو اس کے لئے درست بھی تھا کہ اسے نئی صورت میں بیان کیا جائے۔ حال ہی کی بات ہے کہ فرانیٹز کا اپنا کتب خیال اور خاص طور پر وہ شارح جو میلانی کلین (Melanie Klein) کی سربراہی میں کام کرتی ہے۔ ان کے راستے میں یہ دشواری حائل ہو گئی کہ وہ بچے کی مشردانہ انجیٹھ کو نیورس کی اہم ترین وجہ قرار نہ دے سکے۔

۱۔ اس الجملہ کو دور کرنے کے لئے جو سی ایف سٹاٹ (G.F. Stout) کی اصطلاح (Analytic Psychology) سے پیدا ہو سکتی ہے۔ Analytical Psychology کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ یکہ برس پہلے تک ڈونک کی نفسیات کو Complex Psychology کہا جاتا رہا۔ ہر صورت تحلیل نفسیات وہ اصطلاح ہے جو زیادہ جلد پہچانی جاتی ہے اور تحقیقت میں وہی مروج بھی ہے سٹاٹ کی اصطلاح سے بالکل ہی مختلف معانی میں استعمال ہوتی ہے۔

۲۔ یہ اضافہ کرنا ضروری ہے کہ جو پیش قدمی خواب میں ظاہر کی گئی ہے۔ فوری طور پر سامنے نہیں آگئی تھی اور نہ ہی آسانی سے آئی تھی اور بغیر کسی مثبت اشارے کے معاملے کے دوران ایسا وقت بھی تھا جب قنوطیت (Passivism) کا دور دورہ تھا۔

Two essays on Analytical Psychology P.P. 114-15
collected works vol: 7 para 182.

۳۔ یہ اضافہ کرنا ضروری ہے کہ جو پیش قدمی خواب میں ظاہر کی گئی ہے۔ فوری طور پر سامنے نہیں آگئی تھی اور نہ ہی آسانی سے آئی تھی اور کسی مثبت اشارے کے معاملے کے دوران ایسا وقت بھی تھا جب قنوطیت (Passivism) کا دور دورہ تھا۔

چھنا باب

خواب اور ان کی تعبیر

اس سے پہلے باب میں خواب کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے تو اتنا بھی کافی تھا کہ ڈونگ نفسیاتی عوامل میں خواب کے منظر کو کتنی اہمیت دیتا ہے، وہ کہتا ہے، ”خواب کو پورنی سمیڈی کی سے لینا چاہئے۔ گویا وہ ایک واقعہ ہے جو ہمارے ساتھ وقوع پذیر ہوا ہے اس کو شعور کا نقطہ نظر تکلیل دینے کے لئے ایک ایسے عنصر کی حیثیت حاصل ہوئی چاہئے جو کچھ نہ کچھ اضافے کا باعث ہوتا ہے۔“ اور اس کے تجربے نے اسے یہ بتایا ہے۔ اگر ہم کسی خواب پر غامض درجہ تک غور کریں اور خاصی تفصیل سے غور کریں۔ اگر ہم اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھیں اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے رہیں۔ تو بیشک ہی اس سے کچھ نہ کچھ ورآمد ہوگا۔

خواب ایک فیراختیاری اور فوری نفسی عمل ہے۔ یہ قدرت کی آواز ہے، یہ عام طور پر فیرواضح ہوتی ہے اور سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا اظہار علامتوں اور تصویروں میں ہوتا ہے۔ جیسے کہ بہت قدیم رسم الخط ہیں یا تحریریں ہیں، یا پھر ایسے مشکل حروف جو بچے ڈرائنگ کی شکل میں خود ہی بناتے ہیں اور انہیں اہم لفظوں کا بدل قرار دیتے ہیں۔ اس کو شش میں کہ خواب کی زبان کو سمجھا جائے، ڈونگ انوائیڈی کی (Amplification) کا طریقہ استعمال کرتا ہے۔ جس کا موازنہ بعض پہلوؤں سے اس طریق کار سے ہو سکتا ہے جس میں پرانے رسم الخط اور تحریریں جن کا تعلق بھولی ہوئی زبانوں سے ہوتا ہے، ماہرین لسانیات (Philologist) پڑھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

اس کے خیال میں خواب کی تقسیم کا پہلا قدم یہ ہے کہ اس کا تعلق (Context)

تحصین کیا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس کے رشتے کس کس کے ساتھ ہیں اور خود تعلق خواب دیکھنے والے کے ساتھ کیا ہیں، اس کے ساتھ اور اس کی زندگی کے ساتھ کیا ہیں، پھر ان تمام تداخل کو سمجھا جائے، جو اس خواب میں ظاہر ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر، ہو سکتا ہے کہ کسی کی ماں اس کے خواب میں آئی ہو، ہر ایک کا کوئی نہ کوئی ماں کا تصور ہوتا ہے، مگر ہر شخص کے لئے، ماں کا تصور جدا ہوتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص کے ہاں یہ تصور بار بار تبدیل ہوتا رہے، ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے ہاں ماں کا ملازمہ محبت ہو، دوسرے کے لئے قوت، غصہ یا ناآسودگی اور یوں خواب میں ماں کے مفہام تبدیل ہوتے رہیں۔ جہاں تک ممکن ہو، ہر ایچ اور علامت کو اتنی دیر تک زیر مطالعہ رہنا چاہئے، جب تک اس کے خواب دیکھنے والے پر اس کے معانی پوری طرح ظاہر نہ ہو جائیں اور جب تک سارا عمل پوری احتیاط کے ساتھ مکمل نہ کر لیا جائے، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خواب کا مطلب کیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ڈوگ نے تعبیر خواب کا کوئی ایک طریقہ تحصین نہیں کیا (مثلاً یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو کچھ تعبیر خواب کے سلسلے میں عام مقبول کتابوں میں لکھا ہوتا ہے یعنی یہ کہ سیاہ مٹی کو دیکھنا خوش قسمتی ہے) یہ خواب دیکھنے والے کے لاشعور کا بلاواسطہ اظہار ہے اور اسے صرف اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔ وہ کہتا ہے :

”جب کوئی شخص صوبہ کی گلی کی بنی ہوئی میز دیکھتا ہے، تو اس کا کوئی تعلق یا ملازمہ کھینے والی میز سے نہیں ہوتا جو کہ صوبہ کی گلی (Deal) کی بنی ہوئی نہیں ہوتی۔ خواب میں خاص طور پر صوبہ کی میز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اگر اس مقام پر خواب دیکھنے والے کو کچھ سمجھنا نہیں ہے، تو اس کی چھکچھاہٹ سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک خاص تار کی آواز کے خواب کی تشکیل کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ شخص کی ہمت ہے۔ ہماری توقع تو یہ تھی کہ صوبہ کی میز کے ساتھ اس کے ہمت سے علاوے ہوں گے اور جب اسے ایک بھی یاد نہیں آتا، تو پھر اس کا کوئی خاص مطلب ہونا چاہئے۔ اس خاص صوبہ حال میں بلم ہار اس میز کی طرف لوٹیں گے اور اس میں اپنے مریض سے کہیں گے ”فرض کرو مجھے بالکل ہی یہ اندازہ نہیں ہے ذیل نہیں کیا جا سکتا ہے“ اس شخص کو بیان کرو اور اس کے بارے میں مجھے اس طرح بتاؤ کہ میں یہ سمجھنے میں کامیاب

ہو ہاؤں کہ وہ کس طرح کی چیز ہے۔" چنانچہ اس طریقے سے ہم اس خواب کے اسیج کے خاص متن کو صحیح کرنے میں بہت حد تک کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جب ہم یہ کر چکے ہیں اور اس عمل کا تعلق خواب میں موجود تمام تشابہات سے ہوتا ہے تو پھر ہم تعبیر کی کارگزاری کے لئے عمل طور پر تیار ہو جاتے ہیں۔

خوابوں کا ایک سلسلہ تعبیر خواب کے لئے زیادہ قبل بخش بنیاد فراہم کرتا ہے، بجائے ایک خواب کے، کیونکہ ایسی صورت میں جو بنیادی خیالات لا شعور بیان کرتا چاہتا ہے، واضح ہو جاتا ہے، اہم تشابہات بار بار وقوع پذیر ہونے کی وجہ سے نوٹ کر لی جاتی ہیں اور اگر ایک خواب کی تعبیر میں غلطی ہو بھی جائے تو وہ سرا خواب اس کی تصحیح کر دیتا ہے۔

خواب کی تعبیر معروضی (Objective) سطح پر بھی ہو سکتی ہے اور ذاتی (Subjective) سطح پر بھی۔ پہلی صورت میں خواب کا رشتہ ان معلومات سے ہوتا ہے، جو وارد گرد وقوع پذیر ہو رہے ہوں۔ جو لوگ اس میں دکھائی دیتے ہیں وہ حقیقی لوگ ہوتے ہیں ان کا رشتہ اور خواب دیکھنے والے پر اس کے ممکنہ اثرات کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے مگر دوسری صورت میں خواب میں نظر آنے والی صورتیں (Figures) خود اس کی شخصیت کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ اس بات کا انحصار فوری لمحے پر ہوتا ہے کہ زور کس رخ پر دیا گیا ہے۔ ایک خاتون جو اپنے باپ کو خواب میں دیکھتی ہے، ممکن ہے اس سے متعلق کسی مسئلے میں ابھی ہوئی ہو، یا اس کے ساتھ تعلق کا کوئی پہلو سامنے آگیا ہو یا پھر اس کے مواد اصول (Male Principle) کو، جس کی نمائندگی اس کا باپ کر رہا ہے، تسلیم کیا جانا ضروری ہو۔ عام طور پر ذاتی یا موضوعی (Subject) معاملہ معاملے کی تحلیل کے آخری منازل میں اہمیت اختیار کرتا ہے۔ جب ذاتی مسائل کو دیکھا جاتا ہے تو اس کی تقسیم ہو چکی ہو۔

بعض خوابوں کی اہمیت محض ذاتی معاملے سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ ایسے خواب عام طور پر بہت واضح ہوتے ہیں اور ان کی نمائندگی حیران کن اور ناقابل تقسیم علامات کے ذریعے ہوتی ہے اور مریض کے ساتھ ان کا رشتہ تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ان کی جماعت بندی (Classification) ٹروٹک "اجتماعی خواب" (Collective Dream) کے طور پر کرتا ہے اور ان کو سمجھنے کے لئے تاریخی یا اساطیری مماثلت تلاش کرنی پڑتی ہے۔ جس کا مطلب یہ

معلوم کرنا ہوتا ہے کہ دوسرے زبانوں کے دوسرے لوگ اس سے کیا معلوم افہم کرتے رہے ہیں۔ شروع شروع میں یہ سوچنا ممکن ہے بہت عجیب لگے کہ ان کا ہمارے ساتھ آخر کیا تعلق ہو سکتا ہے! ہم جو کہ باطنی سے اپنا رشتہ اس بری طرح توڑ چکے ہیں کہ اب گئے وقتوں کے تجربے کو دہرانا کچھ قرین قیاس لگتا نہیں ہے اور نہ ہی اس زمانے کے لوگ ہمارے لئے کچھ معافی رکھتے ہیں، مگر اس کے باوجود صورت ایسی ہے کہ لاشعوری طور پر ہم اپنے پرانے اہلادب کی طرح سوچتے ہیں، اور اس بات کو سمجھ لیتے اپنے تجربے کو گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔ اس سے نئے امکانات کے دروازے وا ہوتے ہیں۔ ہم کو استقامت اور قوت ملتی ہے اور اس کا تعلق اپنے منبع کو تلاش کرنے سے ہوتا ہے۔ یہ بات بہت مشکل ہوتی ہے کہ ذاتی اور اجتماعی خوابوں کے درمیان خط امتیاز کھینچا جائے، اور اس وقت تو اس قدر تفصیل میں جانا بھی ممکن نہیں ہے۔ بہر صورت زندگی میں کبھی تو یہی کچھ ہمارا مقدر ہے۔ ہم دو چیزوں کے درمیان امتیاز کا خط کم کم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ہم اپنی ذاتی حیثیت میں کچھ بھی سوچیں اس کے کچھ نہ کچھ اثرات تو دوسروں پر بھی مرتب ہوتے ہیں اور اس کے برعکس خود ہم بھی تو اپنے عصر کا حصہ ہیں، ہمارا عصری ہماری صورت گری کرتا ہے خواہ ہم ایسا چاہیں یا نہ چاہیں۔ سچ بات تو یہ ہے کوئی بھی ذاتی خواب اس وقت اپنی ذاتی سطح سے اوپر اٹھ آئے گا اور اس کا تعلق خواب دیکھنے والے کی ذاتی زندگی کے کسی پہلو سے قائم ہو جائے گا جب یہ خواب اپنے خاندان کے متعلق، کسی دوست کے متعلق یا روزمرہ کے واقعات کے متعلق دیکھے گا۔

ایک اجتماعی خواب، بہر حال، اجتماعی لاشعور کے آدے کے باپ کی نمائندگی کرتا ہے، اور اس کی اہمیت دوسروں کے لئے بھی ہوتی ہے اور خواب دیکھنے والے کے لئے بھی۔ شاید کچھ قارئین ایسے بھی ہوں، جو ناشی کی میز پر ایسا خواب بیان کرتے ہوں اور پھر دیکھنا چاہتے ہوں کہ دوسروں پر اس کا اثر واضح طور پر اس خواب سے کیسے زیادہ ہوتا ہے، جو وہ ذرا لمبی انداز میں فوری طور پر پیدا کرتا ہے۔ قدیم انسان جبلی طور پر ان دونوں خوابوں کے درمیان امتیاز کو محسوس کر سکتے تھے۔ انہیں معلوم ہوتا تھا کہ ذاتی خواب کونسا ہے اور اجتماعی کونسا اور وہ ان کو چھوٹے یا بڑے خواب سے تعبیر کرتے تھے، کیونکہ ان طرح ان پر علم کے وہ دروازے کھل جاتے تھے، جو کسی اور ذریعے سے نہ کھل سکتے تھے۔ اس کی ایک مثال راس مومن (Rasmussen) نے اپنی کتاب قطبی اسکیمو (Polar Eskimos) میں دی ہے، جس میں

قیطے کے ایک فرد کو خواب میں ایک رؤیت (Vision) ہوئی اور اس کی وجہ سے وہ دوسروں کو ساتھ لے کر کئی دن تک برف کے اندر سفر کرتا رہا اور ایک ایسی جگہ پر جا پہنچا جہاں خوراک بھی تھی اور رہائش بھی میسر تھی اور یہی بات خواب میں بتائی گئی تھی۔ کچھ لوگ سفر کے دوران احمقوں کو بچے تھے اور وہ وہیں چلے گئے تھے اور وہاں وہ بھوکوں مر گئے تھے اور یہ بات بھی خواب میں پہلے سے بتائی جا چکی تھی۔

قدیم زمانے میں انتہائی خواب کو بہت زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ خاص طور پر اس وقت جب اس کے بارے میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ فیسی اثرات (Oracular) رکھتا ہے، اور اس کے بتائے ہوئے خطرات کو خاص طور پر نظر میں رکھا جاتا تھا۔ ہم کو اب یہ خواب اور ان کی تعبیریں ایسا ہی لگتی ہیں۔ بہر حال کچھ ایسی متوازی باتیں موجود ہیں، جن کا موازنہ تعبیر خواب کے اس عمل سے ہو سکتا ہے، جو آج رواج پا گیا ہے۔ ان سے بھی تعبیر خواب کے کچھ اصول وضع کئے جاسکتے ہیں۔ فرعون (Pharoan) جس کا ذکر ”پیدائش“ (Genesis) 41 میں ہے اور پھر اس کے ساتھ حضرت یوسف کی توجیہ، یہ بھی کچھ وہی ہے جسے انتہائی خواب کہا جاتا ہے اور اس کا اطلاق فرعون کے خواب دیکھنے کے دو برس بعد شروع ہوا تھا۔

بادشاہ کے خواب رعایا کے لئے انتہائی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ فرعون تو خدا بھی تھا اور خداؤں کے درمیان اس علاقے کا نمائندہ بھی تھا۔ وہ خدا اور لوگوں کے درمیان ایک تعلق تھا اور تعلق اخلاقی نہیں تھا بلکہ لازمی تھا۔ چنانچہ اس کے خواب خدا کی آواز تھے جو لوگوں تک پہنچائی جانی ضروری تھی۔ یہ لازمی نہیں تھا کہ فرعون اپنے خوابوں کی توجیہ بھی خود کرے چنانچہ اس کے لئے وہ جادو گروں کو بلاتا تھا مگر یہ ان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ اس کے خواب کی تعبیر کر سکیں۔ پھر فرعون نے حضرت یوسف کو بلایا تھا وہ اس سے پہلے بھی تعبیر خواب کی صلاحیت کا مظاہرہ کر چکے تھے اور انہوں نے فرعون کے دو خوابوں کے خواب کی تعبیر کی تھی۔

فرعون نے یوسف سے کہا ”میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میں دریا کے کنارے پر کھڑا ہوں اور اس دریا میں سے سات موٹی اور خوبصورت کانیں نکل کر میدان میں چلنے لگیں۔ ان کے بعد سات خراب اور نہایت بد شکل اور دلی کانیں نکلیں اور وہ اس قدر بری تھیں کہ میں نے سارے ملک مصر میں ایسی کبھی نہیں دیکھیں، اور وہ دلی

اور بد شکل گائیں ان پہلی سات سوئی گھبریں کو کھا گئیں، اور ان کے کھا جانے کے بعد یہ معلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ انہوں نے کچھ کھا لیا ہے، بلکہ وہ پہلے کی طرح جیسی کی جیسی بد شکل رہیں، تب میں جاگ گیا ہے اور پھر خواب میں دیکھا کہ ایک انٹھی میں سات بھری اور اچھی اچھی پائیں تھیں، اور ان کے بعد اور سات سوئی اور تکی اور چوڑی ہوا کی ماری اور مرجھائی ہوئی پائیں تھیں، اور یہ تکی پائیں ان ساتوں اچھی اچھی پائوں کو نکل گئیں اور میں نے ان جلوہ گردوں سے اس کا بیان کیا پر ایسا کوئی نہ نکلا، جو مجھ کو اس کا مطلب بتاتا۔

(کتاب مقدس، پراانا محمد نامہ، پیدائش، باب ۳۱ آیت ۷ تا ۲۵)

پائیں اور گائیں^(۱) دونوں ہی مصریوں کے لئے عظیم اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کا اظہار ان کے اساطیر اور مذہبی رسوم میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ معنی ہیں اور وہ روزِ مہ سے ملودا ہیں اور ان کا تعلق خوراک سے لے کر موت تک ہے، پھر ان کا رشتہ، دوبارہ پیدائش اور تخلیق سے ہے، لہذا اپنی قومیت میں وہ آرکی ٹائپ کی دنیا سے متعلق ہیں۔ حضرت یوسف نے جو کچھ خواب کے معنی نکالے وہ وجدانی معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے جب فرعون نے اپنے ہادرہی اور غلام سے مشورہ کیا تھا تو اس نے کہا تھا کیا تعبیر کا تعلق خدا کی ذات سے نہیں ہے، اور اب وہ یہ کہتا ہے ”مجھ میں یہ بات نہیں ہے“ خدا فرعون کو اس کا صحیح جواب دے گا اور یوں فرعون کا جواب ایسا ہے کہ خدا نے اسے بتایا کہ وہ کیا کرنے والا ہے، سات اچھی گائیں سات برس ہیں اور سات اچھے سال ہیں اور یہ خواب ایک اکائی ہے۔

آج ہم کو بھی خوابوں کے بارے میں ایسے ہی بیانات دینے چاہئیں، جیسا کہ پہلے جواب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ لاشعور مستقل طور پر مختلف علامات استعمال کرتا ہے، جن کو شعور ایک اور ایک جیسی شے ہی سمجھتا ہے۔

حضرت یوسف کا بیان جاری رہتا ہے:

تب یوسف نے فرعون سے کہا کہ فرعون کا خواب ایک ہی ہے، جو کچھ خدا کرنے کو ہے، اس نے فرعون پر ظاہر کیا ہے۔ وہ سات اچھی اچھی گائیں سات برس ہیں، اور سات اچھی اچھی پائیں بھی سات برس ہیں، خواب ایک ہی ہے، اور سات بد شکل اور

دلی گائیں جو ان کے بعد نظمیں اور وہ سات خللی اور چوبلی ہوا کی ماری مرصعہ ہوتی
 پائیں بھی سات برس ہی ہیں، مگر کل کے سات برس یہ وہی بات ہے جو میں فرعون سے
 کہہ چکا ہوں کہ جو کچھ خدا کرنے کو ہے، اسے اس نے فرعون پر ظاہر کیا ہے۔ دیکھو،
 سارے ملک مصر میں سات برس تو پیداوار کثیر کے ہوں گے۔ ان کے بعد سات برس
 کل کے آئیں گے، اور تمام ملک مصر میں لوگ اس ساری پیداوار کو بھول جائیں گے
 اور کل ملک کو جاہ کر دے گا اور اور ذاتی ملک میں یاد بھی نہیں رہے گی، کیونکہ جو کل
 بعد میں پڑے گا، قہریت ہی سخت ہو گا اور فرعون نے یہ خواب جو دو دفعہ دیکھا تو اس کا
 سبب یہ ہے کہ یہ بات خدا کی طرف سے مقرر ہو چکی ہے اور خدا اسے پورا کرے گا۔

(انجیل مقدس، پیدائش، باب ۴۱ آیات ۲۵ تا ۳۳)

ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ خوابوں کے ایک سلسلے کو سمجھنا ایک خواب سمجھنے سے کہیں
 زیادہ آسان ہے، اور اسی طرح اب بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم خوابوں کا اعلاہ ہوتا ہے، اگر وہ
 ٹھیک سے سمجھے نہ گئے ہوں یا اگر ان پر اصرار کرنے کی ضرورت ہو۔

انجیل کی کہانی، اب بات ختم ہوتی ہے کہ حضرت یوسف اس نگران پر قابو پانے کی
 کوشش کرتے ہیں اور فرعون ان کی تمام باتوں کو تسلیم کرتا ہے۔ بعد میں وقوع پذیر ہونے
 والے حالات سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تعبیر کس قدر درست تھی، کثیر پیداوار کے دنوں کے
 بارے میں بھی اور قحط کے دنوں کے بارے میں بھی اور تمام واقعات اسی طرح رونما ہوئے جیسے
 کہ ان کی مشن گوئی کی گئی تھی۔

قدیم انسان کا تو یہی خیال تھا کہ یہ خواب خدا کی طرف سے تھا، اور چچ تو اس امکان
 پر اب بھی ایمان رکھتا ہے (ہمت احتیاط کے ساتھ اور اپنے پاس یہ حق رکھتے ہوئے کہ وہ اس پر
 فیصلہ صادر کرنے کا حق (Adjudicate) محفوظ رکھتا ہے، عوام کی رائے میں اس قسم کی نفسی
 سرگرمیاں اس قدر اغوطلا پذیر ہو چکی ہیں کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ خواب محض طبعی
 وجوہات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جیسے کہ سوتے وقت ایسی جسمانی حالت میں ہو جائے جو پڑ سکون نہ ہو۔ یا
 سوتے سے پہلے بہت زیادہ پیٹ بھر کر کھانا کھا لیتا۔ یہ درست ہے کہ بعض خواب انہی وجوہات
 کی بنا پر آتے ہیں۔ (مثلاً کے طور پر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خواب کے اندر ہم برفانی علاقے

پھر رہے ہیں اور جب آنکھ کھلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اوپر سے کھیل کھٹک گیا۔ مگر اکثر اوقات دکھائی دینے والے محرک اور خواب کے اندر بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ موقف اختیار کر کے خواب کے عمل کو صحیح معنوں میں بیان نہیں کر پاتا۔ ایک اور خیال جو اس لحاظ میں خاصہ مقبول ہے، یہ ہے خواب میں وہی کچھ دہرایا جاتا ہے جو دن کے وقت ہم عملی طور پر کرتے رہتے ہیں، خاص طور پر اس وقت جب یہ واقعات ہمارے لئے خصوصی اہمیت کے حامل ہوں۔ جب احتیاط سے یہ مطالبہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ خواب ان واقعات کو اسی ترتیب سے بیان نہیں کرتے۔ اس میں یا تو وہ اضافہ کر دیتے ہیں یا پھر کوئی چیز منع منہا کر دیتے ہیں اور یوں تجربے کی نوعیت ہی تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ بتایا جا سکتا ہے کہ یہ خواب اپنی نوعیت میں حقائق کو بروئے کار لے آئے ہیں۔ یہ وہاں کہ کسی شعوری رویے کی خلاف ورزی خواب کے ذریعے کی جائے۔ خوابوں کی ایک اہم خصوصیت ہے، اور اسے ہر لحاظ سے نظر رکھنا چاہئے، خاص طور پر اس وقت جب ان کی تقسیم کے لئے کوشش کی جا رہی ہو۔ اس کی مثال کے طور پر ڈونک ایک نوجوان کا حوالہ دیتا ہے کہ اس کا باپ شریلوں کی طرح لڑکھڑاہا تھا اور ایک تماشا بنا ہوا تھا مگر اس کے باپ نے حقیقت میں کوئی ایسی بات نہ کی تھی اور خود بیٹے کے بیان کے مطابق اس کے باپ کا کردار مثالی تھا۔ نوجوان کے تعلقات اپنے باپ کے ساتھ نہایت اچھے تھے، اور اس قدر زیادہ اچھے تھے کہ اپنے باپ کے کردار کی وجہ سے وہ نوجوان اپنی ذات کے اندر وہ احساس پیدا نہ کر سکا تھا جو سب کے لئے ضروری ہوتا ہے اور اس وجہ سے اس کی اپنی شخصیت کا ارتقاء رک گیا تھا۔ چنانچہ اب کی بار خواب دوسری انتہاء کو چھونے لگا اور اس نے باپ کے کردار کو اختلافی طور پر بگاڑ کر پیش کیا۔ ”وہ ایسا بھی قابلِ قدر اور اعلیٰ درجے کا انسان نہیں ہے اور وہ بہت غیر محتاط انداز اختیار کر سکتا ہے، لہذا مجھے کیا ضرورت ہے کہ اس کے مقابلے میں خود کو احساسِ کمتری کا شکار بنا لوں۔“ لاشعور اس رشتے کو اجاگر کر رہا تھا جو باپ کے مثالی تصور کا حامل تھا اور اس باعث وہ بیٹے کی بلوغت کے حصول میں حارج ہو رہا تھا۔

خواب کی ایک کارگزاری دوسری طرف سے بھی ہے۔ اگر ہم علوِ جاہ کی قدر قیمت نکھائیں، تو پھر اس کے بارے میں ایسے خواب آتے ہیں، جس میں اس کو بڑھایا جا سکا ہوتا ہے۔ مثلاً وہ ایسی حیثیت میں نظر آتا ہے جو اس کی عام حیثیت سے بہت بلند ہے، اور ایسی شے آسانی سے اور روایتی سے کر رہا ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں

دارے پر چلتے ہیں اور ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔

خواب چھپے ہوئے قصاص بھی سامنے لے آتے ہیں اور اس کے لئے وہ کردار کا کوئی ان دیکھا رخ سامنے لاتے ہیں۔ مثلاً جب کوئی نرم ظور اور غیر منتشر شخص ایسے خواب دیکھتا ہے جو "تکدو سے لبریز ہوتے ہیں" یا پھر ایسے جنسی افعال کرتا ہے، جو نہایت ناچندیدہ ہوں، لیکن عام طور پر خواب اسنے واضح نہیں ہوتے اور خواب کی زبان ایسی بلا واسطہ نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر اساطیر اور خوابوں میں ایسی بے شمار جنسی علامتیں ہیں جو بہت معروف ہیں، جیسے گوداحہ ابر (Pomegranate) یا گھوڑے گمر، نکل اور رقص وغیرہ یہ محض چند مثالیں ہیں۔

بعض اوقات خواب چھپی ہوئی خواہشات کا اظہار کرتے ہیں مگر ان سب کو اس عنوان کے تحت لے آنا ضرورت سے زیادہ سہل پندی ہے، آرزو مندانه خواب آسانی سے پہچانے جاتے ہیں۔ جب مثال کے طور پر ایک بھوکا خواب میں لذیذ ترین کھانا کھاتا ہے اور ایک پیاسا صاف شفاف پانی کی آنکھیں خیرہ کرنے والی چمک دیکھتا ہے۔

کچھ خواب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق فرد سے ہوتا ہے۔ یہ وہ خواب جو پورے ہونے والے ہیں، اس سے یوں لگتا ہے جیسے مکان و زمان (Space and time) دارے شعور کی پیداوار ہیں اور انسانی (Relative) ہیں اور لاشعور ان تصورات کے حوالے سے کار فرمائی نہیں کرتا۔

پیش منظری (Prospective) خواب کی ایک مثال یہ ہے کہ انسان دیکھے کہ وہ اٹھا ہے اور اس نے لباس تبدیل کیا ہے، جب وہ سویا ہوا ہو، اور الارم نہ بجا ہو، مگر اس سے کہیں زیادہ واضح خواب اور بھی ہوتے ہیں، ایک خاتون جو جلد ایک نئی جگہ پر جا کر آباد ہونے والی تھی اور علاقہ بھی اس کا دیکھا ہوا نہیں تھا اور اس نے جو خواب دیکھا، نئے گھر کے بالکل مطابق تھا اور پھر وہیں جا کر وہ رہی، یہ خواب پھوٹی پھوٹی تفصیل تک درست تھا اور اس خواب میں اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو وہیں رہ رہے ہیں، اسے چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں، ایسے خواب کیاب تو نہیں ہیں۔ مگر ہم ایسی نفسی سرگرمیوں پر اکتفا نہیں کرتے اور ہم ان کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ تو محض اتفاق تھا۔

کبھی کبھی تو یہ بھی لگتا ہے کہ خواب واضح طور پر خطرے سے خبردار کرتے ہیں۔ اس کی مثال پہاڑ کی چوٹیاں سر کرنے والے اس ہم جو کی ہے۔ جس نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ

بلند سے بلند تر پہاڑ پر چڑھتا جا رہا ہے اور پھر خوشی کے ساتھ اپنا اگلا قدم خلا میں رکھ دیتا ہے۔ اس خواب کے بارے میں یہ سوچا جاسکتا تھا کہ ایسے خواب ان لوگوں کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیتے جن میں تو اہلکات کا شائبہ بھی نہیں ہوتا مگر جس آدمی کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ اس پر ہنستا رہا۔ مگر اس خواب کے کچھ ہی عرصے کے بعد وہ ایک پہاڑ کو سر کرنا ہوا ہلاک ہوا۔ اس کے ایک دوست نے دیکھا کہ اس نے واقعی ہوا میں قدم رکھ دیا تھا۔ اگر ہم موت کا خواب دیکھیں تو اس کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کسی جانکاه جلائے کی پیش گوئی ہے۔ یہ کوئی علامتی یا واقعی طبعی موت ہے۔ شاعر اس سلسلے میں حقیقت سے آگاہ ہیں۔ سب مر جاتے ہیں، گیت مر جاتے ہیں۔ عاشق حلق کے پاٹ مر جاتا ہے اور صوفی زندگی کے لئے مرنے لگتا ہے۔

مرے اندر مزاحم بھی رہتے نہ وہ

مجھے اس طرح اپنی زندگی پر مہاکو میں

میں اپنی ساری زندگی پر موت طاری کر لوں

صرف خواب دیکھنے والے کا علم اور اس کے فوری حالات بھی یہ بتا سکتے ہیں کہ زور خواب کے کسی حصے پر دیا گیا ہے۔

بعض اوقات خواب دیکھنے والا ان نچوڑوں کو دہراتا ہے، جو اس نے کبھی دیکھی تھیں، سنی تھیں، بہت پہلے پڑھی تھیں اور پھر وہ ان کو بھول گیا تھا، اب وہ ایک بھول بھری بات کو یاد کر رہا ہے، یہ اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کیا واقعی کوئی بھولی ہوئی بات یاد کی گئی ہے، یا یہ کہ خواب میں نظر آنے والا واقعہ حقیقتاً وقوع پذیر ہوا تھا، مگر اس کی کوئی خاص عملی اہمیت نہیں ہے۔ جو بات اس سلسلے میں یاد رکھنے والی ہے، صرف اتنی ہے کہ خواب دیکھنے والے نے یہ خواب کسی خاص موقع پر کیوں دیکھا ہے اور اس نے یہ کیوں محسوس کیا ہے کہ وہ اس خاص واقعے سے گزر چکا ہے۔

ایک اور عجیب بات جو خوابوں کا خاصہ ہے، یہ ہے کہ قریبی دوست ایک خاندان کے مختلف افراد، خاص طور پر میاں بیوی، یا والدین اور بچے، ایک ہی خواب دیکھتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے اس کے بارے ایک دوسرے سے بھی کوئی بات نہیں کی ہوتی۔ اس سے بھی کہیں زیادہ حیرت انگیز وہ خواب ہیں، جو بچے اپنے والدین کے مسائل کے بارے میں دیکھتے ہیں، جبکہ

ان مسائل کو ان سے چھپانے کی پوری کوشش کی گئی ہوتی ہے۔ ایسے خواب عام طور پر سیدھے سادھے بیان میں ہوتے، وہ کئی بار اخلاقی ہوتے ہیں اور بہلاو و قاتلست دیدہ زیب اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ ایک عجیب و غریب مثال ان تین بچوں کی ہے جن کی ماں ان سے شدید محبت کرتی تھی۔

جب وہ بلوغت کے قریب پہنچیں تو انہوں نے بہت شرماتے ہوئے، ایک دو سرے کے سامنے اعتراف کیا کہ وہ ایک ذہن سے اپنی ماں کے بارے میں ایک الٹا خواب دیکھتی چلی آرہی ہیں۔ انہوں نے خواب میں ماں کو چڑیل یا خطرناک جانور کے روپ میں دیکھا ہے، اور یہ بات کسی طرح بھی ان کی کچھ میں نہیں آئی۔ کیونکہ ماں تو بہت محبت کرنے والی ہے اور ہمیشہ ان کا کتنا خیال رکھتی ہے۔ کچھ برس کے بعد ماں پاگل ہو گئی اور اپنی روح انگی میں وہ جوانوں کے طرح ہاتھ پاؤں سے چلنے لگی اور منہ سے سور کی آواز نکالتے لگی، یا کتوں کی طرح بھونکنے لگی، یا بھر رہیوں کی طرح فریاد کرتی لگی۔

سب سے زیادہ چونکا دینے والے وہ خواب ہوتے ہیں جو لگتا ہے کہ ایک ہی وقت میں لاشعور سے ابھرے ہیں۔ وہ کوئی ایسی شے پیش کرتے ہیں جو مکمل طور پر عجیب ہوتی ہے۔ مگر بہت صاف نظر آتی ہے اور توجہ اپنی طرف لانا سمجھ لیتی ہے۔ بعض اوقات تو یوں لگتا ہے کہ لاشعور کے اس رجحان کی طرف اشارہ ہے کہ شعوری رویے کو یکسر تبدیل کر دیا جائے، اور یہ خواب اس قدر زیادہ مؤثر ہو سکتے ہیں کہ بعض اوقات خواب دیکھنے والا محض انہی کی وجہ سے بالکل ہی بدل جاتا ہے اور اس کے لئے کسی تعبیر کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی۔ مثال کے طور پر ایک عقلی طور پر ترقی یافتہ خاتون نے جو اوجیز ممری ہونے والی تھی یہ خواب دیکھا تھا۔

میں ایک بہت بڑے مندر میں اکیلی کھڑی ہوں۔ ایک طرف دیو تا کا بہت بڑا بہت نصب ہے۔ میرے ساتھ ایک پردہ پوش کھڑا ہے، جس نے دسی لباس پہنا ہوا ہے، سارا ماحول مصری یا چینی ہے۔ ہم بہت ہی وسیع و عریض مگر خالی فرش پر دوسرے کنارے کی طرف دیو تا کی صورت کی طرف بڑھتے ہیں۔ میں چند قدم اٹھانے کے بعد منہ کے بل گر جاتی ہوں اور بار بار ایسا ہوتا چلا جاتا ہے اور پردہ پوش دیو تا سے مخاطب ہو کر چلاتا ہے کہ یہ عورت

کتاب ہو کر تھوڑے حضور حاضر ہوتی ہے اور پھر وہ میرے اعتراف کو بار بار دہراتا ہے اور اس کی آواز بلند ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہم بہت آہستگی سے آگے بڑھتے ہیں مگر بڑھتے ضرور ہیں، لیکن اپنے ذہن کے اندر میں اس سارے عمل کے سلسلے میں ہلک و ثبوت محسوس کرتی ہوں! یہ سوچتی ہے یہ تو کچھ عجیب و غریب قسم کی رسم ہے اور سامنے جو دیوتا نظر آ رہا ہے، وہ محض ایک سورتی ہے۔ چمر کی سورتی۔ آخر کار ہم اس تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے ہر طرف میز صیحاں سی بنی ہوئی ہیں اور یہی صورت حال قربان گاہ (Altar) کے پیچھے بھی ہے۔ جب میں وہاں پہنچ جاتی ہوں اور مندر چھوڑنے سے پہلے میں مڑ کر ایک بار پھر سورتی کو دیکھنے کی کوشش کرتی ہوں تو وہ سورتی آہستگی سے مڑتی ہے اور میری طرف دیکھتی ہے۔ یہ دیکھ کر میں لرز جاتی ہوں اور اس کے رعب اور وہم کے کاٹھنڈے کے بل زمین پر گر جاتی ہوں اور مجھ پر اس کی اطاعت طاری ہو جاتی ہے، کیونکہ اب مجھے واقعی محسوس ہونے لگتا ہے کہ دیوتا کی حضوری میری بہت (Absolution) ختمی جا رہی ہے اور اس کی رحمت مجھ پر برس رہی ہے۔ کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ یہ محض جمل ہے، دھوکا ہے۔ کوئی مشین لگی ہوئی ہے جو سورتی کو موڑتی ہے مگر میں اب مجسم جذبہ بنی ہوئی ہوں، اگر ایسا ہے بھی کہ کوئی مشین اس بہت بڑی سورتی کو ایک طرف موڑ رہی ہے، مگر یہ تو حقیقت ہے کہ وہ دیوتا ہے اور وہ مجھ پر دامد ہوا ہے۔ میں نے اس کا تجربہ کیا ہے اور میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ میرا دل روشن ہو رہا ہے، میرے اندر انکساری اور انجسلا پھیلنے چلے جا رہے ہیں۔

تحلیل عمل میں خواب ایک قتلِ قدر ہے، کیونکہ وہ انسان کے اندر دونوں بلکہ ہیروئی حالات کے بارے میں بھی وہ کچھ بتاتی ہے جس سے انسان آگاہ نہیں ہوتا۔ وہ پہلا خواب جو مریض ماہر تحلیل کو سناتا ہے، وہ ایسی روشن تھنیں ہوتی ہے جس سے اس کی کیفیت واضح ہو جاتی ہے، اور کوئی ایسا اشارہ بھی کئی بار مل جاتا ہے کہ علاج ان خطوط پر کرنا چاہئے۔ خواب کے اندر آئندہ کے بارے میں جو رویہ پایا جاتا ہے وہ اور کئی وجوہات کے ہمراہ ڈونگ کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اس بات پر اصرار کرے کہ ان کو نہ صرف تھوپی (Reductive) مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے، جس کا مطلب یہ ہے کہ خواب نہ صرف بھولے ہرے واقعات یاد

دلاتے ہیں اور حالیہ مشکلات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مگر خاص طور پر فردیت کے عمل کے لئے۔ میں لگتا ہے کہ ان کے پیش نظر کوئی منزل بھی ہے، جوں جوں تحلیل آگے بڑھتی ہے، عام طور پر خواب زیادہ پیچیدہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور انہیں سمجھنا مشکل تر ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہوتا ہے۔ جہاں کہ اساطیری افلا سائنے آنے لگتی ہے اور ایک بہت بڑے حوالے کا دور کھلتا ہے۔ جو محض مریض کا ذاتی تجربہ نہیں ہو، بلکہ ایسی صورت میں علامتہ (Association) ضروری ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو خواب دیکھنے والے کسی باطنی علامتہ کی طرف بھی اشارہ نہیں کرتے اور وہ خواب کی صورت حال سے کوئی رشتہ بھی نہیں ڈھونڈ پاتے۔ یہی وہ صورت حال ہے جس میں اساطیری متوازی کام آتا ہے۔ یہ عام طور پر خواب کے اجتماعی معنی پر روشنی ڈالتا ہے اور اس کے بعد خواب دیکھنے والے کے ساتھ اس کا حوالہ ڈھونڈا جاسکتا ہے۔

ڈونگ خواب کی تعبیر کبھی مریض پر ٹھونکتا نہیں۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ خواب دیکھنے والا اپنے خواب کو خود سمجھے۔ بجائے اس کے کہ ماہر تحلیل اس کو سمجھائے کہ اصل بات یہ ہے کہ خواب کی تحلیل، خواب دیکھنے والے اور ماہر تحلیل کے باہمی اتفاق سے ہونی چاہئے۔ اس نے بہت سا کام اس رخ پر کیا ہے کہ مریض کو مدد فراہم کی جائے کہ وہ اپنے لاشعوری مواد کی تفسیم خود کرے، اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنے خواب کو بہت احتیاط کے ساتھ یاد رکھے، یا نوٹ کرے اگر ممکن ہو تو وہ اس کی تصویر بنائے یا کبھی مٹی سے ڈیزائن تیار کرے۔ اس کے لئے کسی فنکارانہ صلاحیت کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ بہتر ہے کہ کام عام سطح پر ہی کر لیا جائے۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ اپنی دیکھی ہوئی تصویر میں ردوبدل نہ کر پائے گا۔ لاشعور کے اظہارات اکثر اوقات بڑی کنگنی (Primitiveness) کے حامل ہوتے ہیں، اور ان کی قوت اس وقت ختم ہو جاتی ہے، اگر ان کو جمالیاتی تصورات کے تحت لانے کی کوشش کی جائے۔ مریض پر اس کے خواب کے سلسلے میں اس طرح کام کے کرنے کے بعد (اگرچہ اب بھی اس امر کا امکان ہوتا ہے وہ پابندی نہ مضمرات کو نظر انداز کر دے)۔ یہ امکان موجود ہوتا ہے کہ مریض اپنے آپ پر انحصار کرنے لگے اور کچھ نہ کچھ اس جہل ہو جائے کہ اپنے لاشعور کو سمجھنے لگ جائے، وہ اس فتناسیا کو زیادہ حقیقی بنائے، جو اس کے اندر فعال ہے اور یوں اس کو مظلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا ہے۔ صرف پینٹنگ بنانے ہی سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس کے لئے بے کیفی کم ہو سکتی ہے اور اس کی کھٹن بھی ختم ہو سکتی ہے۔ اس طرح کی فعل باہمی

مدد سے محض بے مقصدیت کے سمندر میں تھرتے رہنے کے عمل میں کمی آسکتی ہے اور کچھ خدشات بھی دود ہو سکتے ہیں اور خواب نام صرف مطلوبات کا ذریعہ بن سکتے ہیں، بلکہ وہ ایک تخلیقی قوت کی شکل بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

حواشی

(۱) اوری کس (Orisis) مصری اساطیر میں غلے کا خدا ہے، اس کے علاوہ مقدس نخل بھی ہیں، جو اس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اور ان کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ انہیں خداؤں کی طرح پوجا جائے۔

(Golden Bough-Frazer)

ساتواں باب

نفسیات اور تعلیم

ڈونگ نے ایک دلچسپ اضافہ بچے کی نشوونما کی نفسیات کے سلسلے میں بھی کیا ہے۔ یہ سب کچھ ملازمہ ٹسٹ (Association Test) کے ذریعے ممکن ہو پایا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بچے کی نفسیات کا والدین سے اتنا ہی کمر تعلق ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں، بچے ایسے خواب دیکھتے ہیں۔ جن کا تعلق والدین کے مسائل سے ہوتا ہے۔ اس کے حوالے سے ان کا اعلیٰ نظامہ والا کردار، بدسلوکی اور ہمت سے دوسرے مسائل کا تعلق والدین کے عام کرداروں کے ساتھ ہو سکتا ہے، خواہ اسے بچے سے چھپانے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہو، اگر والدین اپنے مسائل کو حل کر لیں اور بعض اوقات تو یہ بھی ممکن ہے کہ اگر وہ اپنی مشکلات کو روز روشن میں لے آئیں اور ہمت بے تکلفی کے ساتھ بچے کو اس میں شریک کر لیں (ظاہر ہے اس کی سطح وہی ہوگی کہ بچہ اس کو سمجھ پائے) تو بچے کا اعلیٰ نظامہ سرکشی (Refractoriness) یوں غائب ہو جائے گی گویا کہ چادر کر دیا گیا ہو۔

ڈونگ نو برس کی ایک بچی کا کیس بیان کرتا ہے۔ جسے کئی ماہ تک ہلکا ہلکا بخار رہا اور وہ سکول جانے کے قابل نہ رہی۔ اگرچہ اس کی کوئی وجہ معلوم نہ کی جاسکی، والدین کی آپس میں جتنی نہیں تھی، اور وہ ایک دوسرے کو طلاق دینا چاہتے تھے، مگر دونوں میں سے کوئی خود کو اس قابل محسوس نہ کرتا تھا کہ کوئی عملی قدم اٹھا سکے، انہیں یقین تھا کہ بچی کو اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے، اور یہ کہ اسے کسی طرح کی پریشانی لاحق نہیں ہے، بچی کے خوابوں سے یہ اندازہ ہوا کہ وہ صورت حال کے بارے میں آگاہی رکھتی ہے، اور اس نے یہ اعتراف کیا کہ

جب بھی اس کا والد کام کرنے کے لئے گھر سے باہر جاتا (وہ کئی بار تجارتی نوڈ پر باہر جایا کرتا تھا) اسے یہ خوف ہوتا تھا کہ وہ شاید کبھی واپس نہیں آئے گا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ اس کی ماں اس کی عدم موجودگی میں بہتر محسوس کرتی ہے۔ آخر والدین کو اس بات کا اندازہ ہوا کہ وہ بچے کی بیماری کی وجہ بنتے جا رہے ہیں اور انہیں خیال آیا کہ اس مسئلے کو پیش کے لئے حل ہونا چاہئے۔ یا تو وہ آپس میں مستقل مفاہمت کر لیں یا پھر علیحدہ ہو جائیں۔ آخر انہوں نے ایک دوسرے کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور انہوں نے بچی کو بتایا کہ وہ دونوں میں کسی سے بھی الگ نہیں کی جائے گی بلکہ آئندہ اس کے دو گھر ہوں گے، اگرچہ یہ انتظام کوئی مثالی انتظام نہیں ہے مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بچے کو اس خوف سے جو ایک مظلوم صورت حال کا خوف تھا، اس کے دل سے اور اس کے وجدان سے نکل گیا اور وہ کچھ ہی دنوں میں پہلی چنگی ہو گئی اور اسکول جانے کے بھی قابل ہو گئی۔

ایک جیسے خیالات کی فردانی بعض خاندانوں میں خصوصیت کے طور پر موجود ہوتی ہے۔ جب گھر کا ایک رکن دوسرے کے خیالات کی بازگشت ہوتا ہے۔ ان کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی بھی مشترک ہوتی ہے مگر والدین اور بچوں کی لاشعوری مماثلت کم ہی ہوتی ہے اور اس کا اظہار عام طور پر یا تو خواہوں میں ہوتا ہے یا پھر ایسے ذریعوں سے جن میں علامہ شٹ شامل ہیں۔ والدین کے لاشعوری اثرات بچے کے لئے بوجھ بن سکتے ہیں اور ان کی وجہ سے اس کی ذہنی ترقی رک سکتی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی ایسی بیوی جو اپنے خلود سے مطمئن نہیں ہے وہ لاشعوری طور پر اپنے بیٹے پر ان جذبات کا بوجھ لا سکتی ہے، جن کا رخ عمومی حالات میں باپ کی طرف ہو اور باپ اپنی چھوٹی سی بچی کی محبت میں گرفتار ہو سکتا ہے اور وہ اس بات پر حاسد ہو سکتا ہے کہ کوئی اور اس کی زندگی پر اثر انداز ہو، 'الرجو'، 'ہیرٹ براؤننگ' (Elizabeth Barret Browning) اس کی ایک انشائی مثال سمجھی جا سکتی ہے مگر یہ اس کی ابتدائی زندگی کی ایسی مثال ہے، جو بعد میں بھی اس کی زندگی پر اثر انداز رہی، مسٹر ہیرٹ نے وکٹوریہ زمانے کے والد کی حیثیت میں ہر وہ حربہ استعمال کیا کہ اس کی بچی کسی طرح شادی نہ کر پائے مگر ایک جدید زمانے کا باپ بھی ایسے ہی حالات پیدا کر سکتا ہے۔ اگرچہ اس صورت میں وہ خاصے ڈھکے چھپے ہوں گے اور اسے شاید خود بھی یہ علم نہ ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ تجزیاتی پریکٹس (Analytical Practice) میں بہت نوجوان مرد اور خواتین حصہ لے رہی ہیں جو اپنے

والدین کی سانجھی پر بھروسہ نہیں کرتے اور اس لئے وہ بالوں کی طرح زندگی نہیں گزارتے۔
 ڈونگ تو اس سلسلے میں یہاں تک چلا گیا ہے کہ وہ بچے کے مسائل کو اتنی دیر تک ہاتھ لگانے کو
 بھی تیار نہیں ہوتا جب تک والدین اپنے مسائل کو حل کرنے کے لئے پورے تیار نہیں ہو
 جاتے مگر اس کے مقلدین (Followers) نے اس کے اس طریق کار میں تھوڑا بہت رد و بدل
 کر لیا ہے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بچے کے شعور کی ترقی اور طاقت کے لئے یہ ممکن ہے۔
 تاکہ وہ کسی نہ کسی حد تک فرد بن سکے، اسے والدین کے بڑے اثرات کی روک تھام کرنی
 ہوتی ہے۔

بچے پر والدین کے لاشعوری اثرات کا ایک عملی پہلو یہ ہے کہ والدین کی شخصیت
 بچے کے کردار کی صورت گری میں دور تک اثر انداز ہوتی ہے مگر اس کے تصورات میں اس
 کے اثرات اتنے نمایاں نہیں ہوتے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا اہم یہ ہے کہ
 وہ کیا ہیں! یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے بلکہ پرانی حکمت کی ایک مثال ہے۔ جس کی تائید جدید علوم
 نے بھی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ والدین اور خصوصاً بگڑے بچوں
 (Maladjusted Children) کے والدین یا اگر تھوڑا بہت تطابق (Adjustment)
 ہو بھی کہ وہ اپنے بارے میں زیادہ کچھ جان سکتے ہیں اور ان پر اپنی باطن کی زندگی کھل سکتی ہے اور
 اس کا انہیں فائدہ بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ معلوم سے کہیں زیادہ معلوم کے اثرات خطرناک
 ہوتے ہیں۔

بعض اوقات بچے اپنے والدین کے ان پہلوؤں کو اپنی شخصیت میں اجاگر کرتے ہیں،
 جو انہوں نے دیا دینے ہوں یا وہ ماحول جس کی وجہ سے بچوں کی ترقی رک گئی ہو۔ دوسری
 صورت میں والدین کے اثرات اکثر اوقات شعوری یا نیم شعوری ہوتے ہیں۔ مگر دوسرے لوگ
 ان غلطیوں کو آسانی سے دیکھ سکتے ہیں، یہ ممکن ہے کہ خود ان کو اپنی غلطیاں نظر نہ آئیں۔ جب
 مثال کے طور پر والدین یہ کہتے ہیں۔ ہم نے اسے کما تم وہ تعلیم ضرور حاصل کر دو، ہم نہیں کر
 پائے، وہ یہ بالکل نہیں سوچتے کہ جس تعلیم کو حاصل کرنے کے لئے، وہ اپنے بچے کو آلودہ کرنے
 کی کوشش کر رہے ہیں، وہ اس کے لئے سوزوں ہے بھی یا نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ
 سکول یا یونیورسٹی میں ناکام ہوتا چلا جاتا ہے۔ جب والدین میں سے کسی نے اپنی جہنی خواہشات
 کو دبا دیا ہوتا ہے، تو اس کا مظاہرہ کم کم ہوتا ہے کہ اس کی بیٹی مردوں کے پیچھے بھاگی پھرتی ہے

اور اس کا بیجا بد معاشوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ ہر حال یہ اندازہ تو مختلط اور تفصیلی مطالعے کے بھی ہی ہو سکتا ہے اور وہ بھی مریض کی زندگی کو کھٹکاتے کے بعد کہ یہ واقعہ کیونکہ رونما ہوا ۹ لاشعور کے اندر ابطلان کے عمل میں ڈال گئی تو کائناتی ہزار طریقوں سے پڑ پڑے نکال سکتی ہے اور بچے کو ایسے راستے پر ڈال سکتی ہے جس سے والدین واقعی خوفزدہ ہوں مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ ان کی خواہش بھی ہو۔

لاشعور کے یہ اثرات ٹی ایس ایلیٹ (T.S.Ellot) کے ڈرامے "خانہ دان کا پھر سے مل بیٹھنا" (The Family Reunion) میں عجیب و غریب اور خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ یہاں ان کا اثر اجتماعی ہے انفرادی نہیں اور اسے خاندان پر پڑی ہوئی لعنت (Curse) کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ جیسے یہ ان کا مقصد ہے۔ لارڈ مونو ہنسی (Lord Monohensy) اپنی بیوی کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ مگر وہ اپنی ہی کمزوری اور اس عورت کے اثر کی وجہ سے یہ کر نہیں پاتا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اس کے بیٹے ہیری (Harry) کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے لاشعوری طور پر اپنی بیوی کو قتل کرنے کی خواہش کی ہے اور اس کو اس جہاز سے باہر دھکا دیتا ہے جس پر وہ سڑ کر رہے ہیں۔ ہیری کو بہت سے سوال پوچھے جاتے ہیں اس کا خوف اور فتنایا جاتا ہے اور یہ سبھی کچھ اس گناہ کے احساس سے کہیں زیادہ ہو جاتا ہے جو اس کو محسوس کرنا چاہتے تھے اور جب وہ اپنے پرانے گھر میں واپس آتا ہے تب اسے اپنے ماضی کے اسرار کا پتہ چلتا ہے اور اس کے بعد وہ اپنی زندگی خود گزارنے کے قائل ہو جاتا ہے۔

شاید ہیری تمام زندگی ایک خواب ہی تھی
وہ خواب جو دوسرے لوگ میرے ہاتھ سے دیکھتے تھے

یہ ہیری کے الفاظ ہیں جب وہ یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ اس کھیل (Play) میں ٹی ایس ایلیٹ چھپے ہوئے جذبات کے طاقتور اثرات کو ظاہر کرنا چاہتا ہے جو اس پر اثر انداز ہوئے ہیں کیونکہ اس کے والدین خود اپنے جذبات اور تشدد کو سمجھنے اور بروئے کار لانے میں ناکام رہے تھے۔

سات برس تک میں نے اسے ساتھ رکھا
 آنکھ کے لئے۔۔۔۔۔ وہ ایک مقررہ موت تھا
 اس کے اپنے ہی گھر۔۔۔۔۔
 اور وہ بیٹے کو اس باپ کے دسے ڈال رہا تھا جو تیار نہیں تھا
 میری کی بل اس کے باپ سے کہتی ہے :

اگر ایسا ہو سکتا ہے کہ مجھے بیٹے نصیب ہو جاتے اور غلامی کی ضرورت نہ پڑتی تو میں
 اس سے جان بچا لیتی

اور میری کہتا ہے :

میرا خیال ہے کہ وہ چیزیں جنہیں گھر پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ان کے اثرات بچے پر
 بہت گہرے مرتب ہوتے ہیں، ان چیزوں کی نسبت جو ان کو تادی جاتی ہیں۔

اگر بچوں کی نشوونما تسلی بخش ہوتی ہے تو پھر کسی شے کو اہمیت حاصل ہوگی؟ کیا
 والدین کو چاہئے کہ وہ زندگی کو قبول کریں اور اس کو پوری ^(۱۲) طرح جینے کی کوشش کریں اور اگر
 کوئی نا آسودگی ہو جس کا ہونا بعید از قیاس نہیں ہے، انہیں اپنے ساتھ اطمینان داری کا رویہ رکھتے ہوئے،
 اسے قبول کرنا چاہئے۔ نقصان وہ شے وہ ہوتی ہے جو گچی ہوئی ہو یا پھر پھیلتی ہوئی ہو، جیسے بیماری
 کے اندر غلطی پڑیوں کا بنا ہوا اڑھانچہ۔۔۔۔۔ بہت نقصان وہ ہو سکتا ہے۔

جس طرح والدین کے لئے یہ فیصلہ کن ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی ہر ممکن طریقے سے بھرپور
 گزاریں اور پھر اپنے بارے میں پوری پوری آنکھیں حاصل کرنے کے لئے کوشش کریں اور یہی بات
 استادوں اور معلموں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ یہ رویہ اپنائیں۔ جب بچے سکول جاتے ہیں تو
 سکول کے دورانیے میں ان کے استاد ان کے والدین کا بدل بن جاتے ہیں۔ طلباء اپنے استاد کی
 طرف وہ جذبات منتقل کر دیتے ہیں جو وہ اپنے والدین کے لئے رکھتے ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ
 استادوں کی شخصیت سے بھی خاصے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ باہمی رشتہ تعلیمی طریق کار سے کہیں زیادہ
 اہمیت کا حامل ہے۔ اگر اس رشتے میں کوئی غلطی یا رکاوٹ پیدا ہو جائے تو بچے کی تعلیمی زندگی میں
 بگڑ بگڑ نوال پڑی آ جاتی ہے اور اگر استاد صحیح معنوں میں معلم بننا چاہیں تاکہ وہ بچوں کو تسلی

بخش تعلیم دے سکیں، ان کا کام محض یہ نہ ہو کہ علم کے پورے لڑکوں اور لڑکیوں پر لا دوں، تو وہ اس میں صرف اسی وقت کامیاب ہوں گے، اگر ان کی اپنی شخصیت بھرپور ہوگی۔ جتنا بھی چاہیں آپ دماغ کر لیں اور کہتے بھی اچھے طریقے سے کر لیں، اصول خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجے کے کیوں نہ ہوں، ٹھیک خواہ کیسی ہی سمجھداری سے کیوں نہ چلی گئی ہو، میکاگی ذوالع خواہ کتنے ہی جدید کیوں نہ استعمال کئے جائیں، یہ بھی کچھ کسی ایسی ترقی یافتہ شخصیت کا بدل نہیں ہیں، جو بچوں پر برلا راست اثر انداز ہو سکتی ہے۔ استادوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ بھرپور افراد (Whole Individuals) ہوں، یعنی ان کے اندر فردیت کا عنصر موجود ہو۔ ایک وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ جب وہ اس پیشے میں داخل ہوتے ہیں تو وہ غاصے کم عمر ہوتے ہیں۔ مگر ان کو چاہئے کہ وہ جس قدر بھی شامل رہ سکیں رہیں اور بچتے بھی زندگی سے معمور ہو سکیں ہوں، اور جہاں تک ممکن ہو اپنے بارے میں عمل کو وسعت دیتے چلے جائیں اور ان پر توجہ دینے کے دوران بجائے اس کے کہ وہ اپنے ہی کامپلکس طلباء پر تھوپے رہیں۔ ایسا کرتے ہوئے وہ اپنی ہی توانائی ضائع کریں گے، اور وہ اپنے سے متاثر ہونے والی عمر کے طلباء کے مقاصد کو تروڑ موڑ دیں گے۔

کسی بھی تشویش سے بھری ہوئی یا مزی تری شخصیت عام طور پر صاف نظر آ جاتی ہے اور پھر ایسے اثرات کے خلاف رد عمل کا اظہار کر بھی سکتا ہے، اور کرتا بھی ہے لیکن جہاں تک کامپلکس کے ایک فرد سے دوسرے فرد تک منتقل ہونے کا تعلق ہے، اس کا طریقہ کیس زیادہ دور رس ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی غیر شادی شدہ استانی جو اپنے اپنی مس (Animus) کے ساتھ بہتر تعلقات استوار نہیں کر پاتی، ممکن ہے کہ وہ عقلی حصول پر اتنا زیادہ زور دے کہ وہ اپنی خاتون شاگردوں کے اندر محض اس لئے کتھری کا احساس پیدا کر دے کہ ان کے ہدف نسائی نوعیت کے ہیں، اور پھر ان کی باقی زندگی اجڑن ہو کر رہ جائے۔ سب مشکلات کے باوجود یہ واقعہ ان لڑکیوں کے ساتھ پیش نہیں آئے گا، جو اپنی نساہیت کی قدر و قیمت کو اچھی طرح جانتی ہیں مگر اس وقت جب بچے کے اپنی ماں کے ساتھ تعلقات بچپن کے آغاز میں تسلی بخش نہ رہے ہوں تو کچھ مشکلات پیدا ہونے کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے۔

اس وقت بھی استاد کے کامپلکسوں کا اندازہ اچھی طرح ہو جاتا ہے جب وہ ڈیپلن (Diplom) کے حق میں یا اس کے خلاف دلائل دیتا ہے۔ وہ بچکانہ قسم کا استاد جو اس قابل

نہیں ہو گا کہ وہ شاگردوں کو ڈچلن سکھا سکے، یہ دلیل دیتا ہے کہ اصولی طور پر یہ اہم مسئلہ نہیں ہے اور دوسرے اساتذہ قوت کی خواہش کو بروئے کار لاتے ہیں اور چونکہ وہ اپنی مماثلت ایک ایسی شبیہ کے ساتھ بنائے ہوئے ہوتے ہیں جو بہت زیادہ قوت اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مشکلات پر سختی سے عمل کروایا جائے اور غلطی کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے۔ یہ لوگ محض دلائل تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ اپنے خیالات کو عملی جامہ بھی پہناتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ ایسا کرنا کس حد تک مناسب ہے مگر اس کے نتائج بہت زیادہ افسوسناک نکلتے ہیں۔ یہی اضافہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے اساتذہ موجود ہیں جو یہی تمام کام کھلے دل کے ساتھ کرنے میں آسانی سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔

والدین اور اساتذہ چونکہ آئندہ نسلوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ان کا رویہ اپنے حیطے میں اور زندگی کے حیطے میں صحت مندانہ ہو۔ یہ اضافہ شاید ضروری ہو کہ تمام سیاست دان، جن کے دلوں میں لوگوں کے لئے فکرن موجود ہو، وہ قانون بنا کر یا کوئی حکمت عملی اختیار کر کے کسی بدی غلطی کے امکان کو بڑھاتے نہیں ہیں، اگر وہ اپنے ذاتی اوصاف کو بھی سمجھتے ہوں اور انسانی فطرت کے بارے میں بھی جانتے ہوں، آج کل تو اس طرح کا علم عام طور پر عقلی انداز میں استحصال ہوتا ہے۔ یعنی ہر صورت حال کا استعمال کیا جاتا ہے اور مثبت رویے اختیار نہیں کئے جاتے۔

لہذا یہی وہ سوچ ہے جو ڈونگ کو یہ تجویز کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ بچوں کو بھی تعلیم کی اتنی ہی ضرورت ہے، جتنی کہ بچوں کو ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ تعلیم ذرا مختلف نوعیت کی ہوگی۔ یہ وہ تعلیم نہیں ہوگی جو سکول مہیا کرتے ہیں۔ اس کے ذہن میں مختلف بات ہے۔ ڈونگ کہتا ہے۔

ہم لوگوں کو محض وہی تک تعلیم دیتے ہیں کہ وہ اپنی روٹی کمانے کے قائل ہو جائیں اور پھر شادی رہا سکیں، اس کے بعد تعلیم مکمل طور پر ختم کر دی جاتی ہے گویا کہ تمام ذہنی تربیت کا عمل اپنی تحصیل کو پہنچ گیا ہے۔ زندگی کے باقی وسیعہ مسائل کا حل لوگوں کو خود تلاش کرنا ہوتا ہے، حالانکہ لوگ اس حیطے میں کوئی علم نہیں رکھتے، پیشہ فلاحی شلوں ہو جاتی ہیں اور بہت سے پیشہ دراندہ غلطیوں میں آ جاتے ہیں اور یہ سب

کچھ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں ہفتوں کی تعلیم کا کوئی رواج ہی نہیں ہے
بہت زیادہ تعداد میں عورتیں اور مرد اپنی ساری ساری زندگی ایسے حالات میں گزار
دیتے ہیں جب انہیں اہم چیزوں کے بارے میں کوئی علم سرے سے ہوتا ہی نہیں۔

ہم یہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح بیروں ہیں اور دروں ہیں ایک دوسرے کو
سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور زندگی کے بارے میں مختلف رویوں کے باعث رشتوں میں کس
طرح الجھاؤ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ بات صاف ہے اگر ان بنیادی باتوں کے بارے میں کچھ علم
فراہم کر دیا جائے تو وہ مددگار ہو سکتا ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کو جو دروں میں ہوتے ہیں، جو
عام طور پر بیروں بیروں کی عام مقبولیت کے باعث احساس کثرت کا شکار ہو سکتے ہیں یا ان پر یہ
اثرام حاکم کیا جاسکتا ہے کہ وہ لوگوں سے ملنے جلتے نہیں ہیں یا خود سر ہیں اور انہیں کبھی کبھی
غیر حقیقت پسند بھی کہہ دیا جاتا ہے خاص طور پر اس وقت جب وہ لوگوں سے الگ تھلک رہتا
چاہئیں۔ دروں بیروں کو ایسے پیشے تلاش کرنے چاہئیں جو ان کو ان کے قدرتی رویوں سے باہر کی
طرف نہ کھینچتے ہوں، جہاں غور و خوض کرنا زیادہ اہم ہو، بجائے اس کے انہیں جلدی جلدی
بعض فیصلے کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ اس کے برعکس بیروں ہیں کو ایسی صورت حال میں
نہیں پڑنا چاہئے، جو عملی کی صورت حال ہو اور ایسا کام جو انہیں تھما ہی کرنا پڑے۔ اس کے
بدیہی ہونے کے باوجود اور اس امکان کے باوجود کہ کچھ لوگوں کو یہ علم عام طور پر ہوتا ہے، یہ
حیرت انگیز ہے کہ وہ کس طرح اس طرح کے غلط فیصلے کر بیٹھتے ہیں اور ایسی روایتوں میں الجھ
جاتے ہیں، جو ان کے لئے کسی طرح بھی خوشگوار نہیں ہوتیں۔ ممکن ہے کہ شوہر اور بیوی
قوت برداشت کے حامل ہو جائیں اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اصل صورت حال کیا ہے،
خاص طور پر اس وقت جب ان کے بیویں ساتھی کا رویہ ان کے رویے سے مختلف نظر آتا ہو۔

خاص طور پر انتہیا اور اپنی مس کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات ذاتی رشتوں میں
بہت زیادہ مددگار ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر جب کوئی مرد کسی عورت کے بارے میں خاص
طرح کے مفروضے بناتا ہے یا عورت مرد کے بارے میں سوچتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ
انتہیا اور اپنی مس کو دوسری شخصیت پر منعکس کیا جا رہا ہے۔ اگر مفروضہ ایسا ہے کہ جس نے
دوسرے کی شخصیت کو بڑھا چھا دیا ہے، تو اس بات کا بہت کم امکان ہے کہ کسی اور کو اس پر

اعتراض ہو (صرف دوستوں کو بسا اوقات اعتراض ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے اس خاتون کے اندر کیا نظر آتا ہے) لیکن جب حالات بگڑ جائیں اور کردار شکنی تک بات جا پہنچے تو جس شخص کے بارے میں غلط فہمی پھیلائی گئی ہو وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ وہ بے شمار لڑائیاں جو خاندانوں اور بیویوں کے درمیان آئے دن ہوتی رہتی ہیں، اسی طرح کی بنیاد رکھتی ہیں۔ مرد کے اندر اس کی انتہا کی وجہ سے جو غصہ اور مرنے مارنے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی کوئی عقلی بنیاد نہیں ہوتی۔ وہ ایک ایسی عورت سے بری طرح الجھ رہا ہوتا ہے، جو اس کی صورت حال کو سرے سے سمجھتی ہی نہیں۔ کچھ کہ تو جہلی طور پر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس طرح کی جذباتی صورت حال کو نظر انداز کرنا چاہئے، ان کو یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسی چیز کی وجہ سے نہیں ہے، جو انہوں نے کی ہو یا کھی ہو، کچھ خواتین اپنے اپنی مس کی وجہ سے پریشانی میں گرفتار ہوتی ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں کہ ان سے متعلق مرد یا بچہ ان کو تنگ کر رہا ہے۔ جلد ہی طعنہ زنی کا آغاز ہو جاتا ہے دونوں اپنے لاشعور کے اسیر ہو جاتے ہیں اور پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی آدمی یہ اندازہ نہ کر سکے کہ اس کے اندر بھی ایک عورت انتہا کی شکل میں موجود ہے، تو وہ اسے ان عورتوں پر منعکس کرتا چلا جائے گا جو اسے دھننا فوٹھا ملیں گی، خاص طور پر ایک مرد جس کا احساس رخ زیادہ ترقی یافتہ نہ ہو اور اسے آسانی سے اکسایا جاسکتا ہو، بعض اوقات تو حالات بھی ایسے ہوتے ہیں جو اسے اکسانے والے کی گود میں پھینک دیتے ہیں، اور اگر واقعی وہ اس کی گرفت میں آجائے تو پھر وہ ہر شے کو حس حس کر سکتا ہے اور اس عالم میں وہ اپنے مستقل کو بھی داؤ پر لگانے سے دریغ نہیں کرتا۔ بہت سی فلمیں اسی خیال پر استوار کی گئی ہیں، بے شمار ناول لکھے گئے ہیں کہ کس طرح یہ عنصر زندگی میں کار فرما ہوتا ہے۔ شاید یہ تو ممکن نہیں ہے کہ انتہا کی انکاسی کار فرمائی پر ہی طرح فہم کر دی جائے۔ یہ کئی لحاظ سے انسان کے لئے ایک ناقابلِ قدر شے بھی ہے۔ زندگی کی کئی جتوں کا اندازہ اسے اسی کی وجہ سے ہوتا ہے، مگر اسے یہ تو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کون سی ایسی شے ہے، جو اس کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔ تاکہ وہ اس تجربے کو اپنی نشوونما کے لئے استعمال کر سکے، اور محض اس پر ایک شے کو جلا نہ کر بیٹھے جو اس نے زندگی بھر کی محنت سے بنائی ہے۔ مردوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ عورت کی قدر و قیمت کو کم کر دیتے ہیں اور اس حد تک کر دیتے ہیں کہ اس کے لئے

صورت حال کو قبول کرنا ممکن ہو جاتا ہے اور وہ سمجھ نہیں پاتی کہ یہ شخصیت کا کونسا عنصر ہے۔
 بہر حال یہ تو اسی طرح ممکن ہو گا کہ وہ شخصیت کے اس رخ کو ترقی دیں تاکہ وہ اضافی طور پر
 انہما کے اثرات کے اس تخریبی پہلو سے محفوظ رہ سکیں، عورتیں، اس کے برعکس، یہ رجحان
 رکھتی ہیں کہ وہ اپنے مردانہ خواص کی اہمیت کو بڑھا چڑھا دیں کیونکہ ایسا کرنا ان کے لئے اکثر
 اوقات فخر و افتخار کی بات ہوتی ہے۔ لہذا وہ اسے بڑھا دیتی ہیں اور ایسی منڈا
 (Woman Masculin) بن جاتی ہیں۔ یہ وہ عورتیں ہوتی ہیں جن میں عورت کی بجائے
 ان کا اپنی مس حکومت کرتا ہے۔ حالانکہ عورتوں کو اپنی شخصیت کے اس حصے کا استعمال نہایت
 کو اہلکار کرنے کے لئے کرنا چاہئے۔

اگر اپنی مس عورت پر مسلط ہو جائے، تو عورت پیش غیر متوازن گفتگو کی طرف مائل ہو
 جاتی ہے۔ اس کا رویہ تشددانہ ہو جاتا ہے اور وہ خمدی اور اذیل ہو جاتی ہے۔ عورتوں کی
 تحریکیں، جن کے پیچھے پیش اپنی مس کی قوت ہوتی ہے، عورت کی لاشعوری خصلت کی نقازی
 کرتی ہیں اور اکثر اوقات نہایت کے خواص کو گھٹا دیتی ہیں یا فراموش کر دیتی ہیں حالانکہ وہ
 ویسے ہی قدر و قیمت والے خواص میں، جو صحت مند زندگی کو متوازن رکھنے کے لئے انتخابی
 ضروری ہیں۔

شعوری زندگی میں انہما اور اپنی مس کا مربوط ہونا۔ یہ اگرچہ دو الگ الگ آرکی ٹائپ
 ہیں مگر ان کو مربوط کر لینا ممکن ہے، اور اس طریقے سے مرد اور عورت کے رشتے میں نئے
 امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے متضاد بن کر رہ جائیں
 وہ برابر کے رفیق بن سکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے دونوں کو ہی کوشش کرنی پڑے گی، ایسا تو ممکن
 نہیں ہو سکتا کہ کوئی ایک بھی اپنے کردار سے چٹا رہے، اگر ایسا ہو تو ممکن ہے زندگی سکون سے
 گزر جائے مگر یہ خطرہ بہر حال درپیش رہے گا کہ لاشعور کسی وقت بھی اس سکون کو ختم
 کر دے، اب اس بات کی ضرورت ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے قربانی دیں اور اپنے
 مخصوص حصے میں دوسرے کو بھی شریک بنائیں، ایسے کرتے ہوئے وہ یقیناً پریشان کر دینے والے
 لاشعور کی پلنگہ سے محفوظ رہ جائیں گے، کم از کم اتنا تو ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کو بہتر طور پر
 جان پہچان لیں گے۔ شخصیت میں اس طرح کی ترقی مرد اور عورت کے تعلقات میں نئے
 امکانات کو دور کر دیتی ہے، اور شادی میں ایسی رفاقت پیدا ہوتی ہے جو محض جسمانی تقاضوں

تک محدود نہیں رہ جاتی وہ جنسی تعلقات کی عقلی کے آگے بھی کچھ دیکھ سکتی ہے اور بچوں کی دیکھ بھال زیادہ صحت مندانہ طریقے سے ہو سکتی ہے۔ اس کے شاہد بھی موجود ہیں کہ یہ رویہ اب معاشرے میں پھیلنے پھولنے لگا ہے، کئی طریقوں سے مرد عورت کے گھروں میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔ یہ بات میں برس پہلے کبھی سنی ہی نہیں گئی تھی، اور یہ بھی کوئی عام بات نہیں تھی کہ عورت گھر کے باہر کے محلات میں دلچسپی لے اور گھر سے باہر کوئی کام ہاتھ کی سے کرنے لگ سکتے تھے۔ یہ ترقی، بہر حال ضرورت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، اس میں اس شے کا دخل بہت کم ہوتا ہے کہ شخصیت کی توسیع کی شعوری کوشش کی جائے، یہ سچ ہے کہ خواتین کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مردانہ رخ کو ترقی دیں مگر ایسا کرتے ہوئے وہ اپنی نجاست کو لا شعور کے اندھیرے میں دھکیل دیتی ہیں، لہذا اس عمل کی وجہ سے دست پذیر ی تو نہیں ہو جاتی البتہ چیزیں اپنی ضرورت ہو جاتی ہیں۔ چونکہ مردوں اور عورتوں کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کر کیا رہے ہیں لہذا ہر پیش قدمی کے ساتھ ایک بے چینی سی ہی لگتی رہتی ہے اور وہ معاشرے کے ساتھ چل نہیں پاتے۔

بد قسمتی سے اس دہدھا (Dilemma) کا کوئی آسان حل موجود نہیں ہے، وہ طبعی جو باغوں کے علم اور آگہی میں پیدا ہو جاتی ہے، اسے چند لکھڑوں میں شریک ہونے سے پانا نہیں جاسکتا اور نہ ہی ان کا حل نفسیات کی کتابیں پڑھنے سے نکلتا ہے۔ بلکہ ڈرایا بھی ہوتا کہ خود علم ہی رکاوٹ نہ ہی بن جائے اور پھر علم کو تجربے کے خلاف مدافعت کے طور پر استعمال کیا جائے اور یہ مشکلات کا سامنا نہ کرنے کا دوسرا ایک ہوا زمین کر رہ جائے اور اگر اسے آگے چلا جائے تو یہ شخصیت کی ترقی میں مشکلات بھی پیدا کر سکتا ہے یا پھر اسے قومی رویے کا جواز فراہم کرنے کے کام میں لگا دیا جائے۔ آپ کئی بار ایسے لوگوں سے ملے ہوں گے جو نفسیات کا علم پڑھنے کے بعد اپنی تمام ناکامیوں کی وجہ سمجھنے کے ان حالات کو دہاتے ہیں، جو مشکل نہیں تھے۔ اگر وہ اسے کور نظر نہ ہوتے تو وہ یہ دیکھ سکتے تھے کہ سمجھنے کے یہ مشکل حالات فرد کے طور پر ان کے ارتقاء میں بھی مدمد معاون ثابت ہو سکتے تھے اور ان سے بہتر آغاز کیا جاسکتا تھا مگر یہی تو سارے کا سارا انحصار ہی والدین پر کر لیا گیا ہے۔ اگر کوئی مثبت محبت ہی ان کو مل جاتی تو ان کا یہ چہ کرنے والا اثر ختم ہو سکتا تھا۔ ایسے بے شمار، مشہور لوگوں کی مثالیں دی جاسکتی ہیں جنہوں نے دکھ سے بھرے ہوئے سمجھنے پر فتح حاصل کی اور یہی رویہ زندگی بھر ان کے کام آیا اور انہوں نے

اس خراب زمانے کو آئندہ کامیابیوں کی بنیاد بنالیا۔ مشہور ماہر تعلیم فورے مل (Forebel) کی سوانح اس کی ایک روشن مثال ہے۔

ڈونگ ایک ایسے پڑھے لکھے نوجوان کی کہانی سناتا ہے جو نفسیات کا علم کچھ نہ کچھ جانتا ضرور تھا مگر اس کا اعتماد وہ عجیب و غریب طریقے سے کرتا تھا۔ وہ جب ڈونگ کے پاس آیا تو اپنے مسائل کے بارے میں ایک نقطہ نظر پہلے سے بنا چکا تھا۔ اس نے اپنے کیس کو بیان کرتے وقت کہا کہ ”نیورس کی سائنس اور معانی یہ ہیں“ مگر ایسا کیوں ہے، کیا آپ مجھ کو بتا سکتے ہیں، اگرچہ میں اس معاملے کو خود بھی پوری طرح سمجھتا ہوں مگر میری معلومات پھر بھی جوں کی توں ہیں! میں صحت یاب کیوں نہیں ہو جاتا!

نوجوان کے ساتھ مکالمے میں یہ نکلا کہ اگرچہ اس کے پاس کوئی خاص رقم نہیں تھی مگر اس کے باوجود وہ اپنی سردیاں سینٹ مورٹز (St. Moritz) کے جنوب میں گزرتا تھا ”ڈونگ نے پوچھا یہ کس طرح ممکن ہے۔ معلوم ہوا کہ کوئی اس کی خاتون دوست جو کسی سکول میں پڑھاتی تھی، وہ اس کی تعلیمات کا خرچہ برداشت کرتی تھی مگر جب ڈونگ نے اسے یہ بتایا کہ ایسا کرنا مناسب ہے، اس پر وہ غصہ برپا ہوا اور کہنے لگا کہ ہم نے اس پر کئی بار بات کی ہے اور ہم ہمیشہ اسی نتیجہ پر پہنچے کہ اس خاتون کے خرچ پر ہمیں ضرور گزارنی چاہئیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس خاتون کے محبت بھرے لگاؤ کا استحصال کر رہا ہے اور ہنگامہ اور اثاثیت سے بھرپور رویہ اس کے نہ ختم ہونے والے نیورس کا ایک بنیادی عنصر ہے، لوگ عام طور پر ان کمزوریوں کو قبول کر لیتے ہیں جن پر وہ کوئی نفسیاتی لیبیل چسپاں کر سکیں اور پھر وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں جو کچھ کرنا ضروری تھا انہوں نے کر لیا ہے اور یوں وہ اپنے ہی شیڈو کے وجود سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی نے بہت سی نفسیات بھی پڑھ لی ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی شخصیت اس سے ذرا بھی متاثر ہوئی ہو، اکثر اوقات یہ ضروری ہوتا ہے کہ کسی ماہر تحلیل کی مدد حاصل کی جائے تاکہ یہ علم عمل کی صورت اختیار کر سکے۔

تحلیل، بطور ایک تعلیم کے نارمل انسانوں پر منطبق کی جاسکتی ہے اور پھر یہ امید کرنی چاہئے کہ اس کا اثر آہستہ آہستہ ہو گا اور وہ بھی چند ہی افراد کے سلسلے میں۔ ڈونگ بطور عجیب بہت سے افراد کا علاج کر چکا ہے، یہاں فرد کا لفظ عام معنوں میں استعمال ہوا ہے، وہ اس سلسلے

میں کہتا ہے:

ہمارے تمام آثار خاصی خاموشی کے ساتھ ہوتے ہیں، لہذا اگر ہمیں خاصی منت کرنی پڑے اور ایسے لوگوں کے ساتھ کام کرنا پڑے، جو جانے پہچانے لوگ نہیں ہیں، خواہ یہ محسوس ہو کہ ہماری منزل کو سوں دور ہی نہیں، بلکہ ناممکن بھی نظر آتی ہے، کم از کم ایک ہدف تو ہم حاصل کر ہی سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنی شخصیت کو زیادہ پختہ اور منضبط شخصیت بنالیں۔

عقلی علوم کو رد کر دینا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی ان کو بے فائدہ کہا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ بھی لوگوں کے لئے تحریک کا سبب بنتے ہیں اور ان کی مدد سے بھی دور تک اور گہرائی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ تو ہو جاتا ہے کہ عام طور پر مشکل کمال پیدا ہوتی ہے اور کس مقام سے آگے بڑھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ علم لوگوں کو ان چیزوں پر دوبارہ غور کرنے کے لئے اکساتا ہے جن کے بارے میں ہمارا خیال ہوتا ہے کہ کبھی کبھ جانتے ہیں، مگر ہم ان کے بارے میں سوال اٹھاتے ہیں۔ اس سے انسان کی قدر و قیمت میں فرق پڑسکتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو سکتا ہے کہ قوتِ عقلی صرف شاعروں یا آرمسٹوں تک محدود نہیں ہے۔ عقلیت کی خاص بات یہ ہے کہ وہ لاشعور کو ایسی قوت کے طور پر پیش کرتی ہے جسے پہچانا ضروری ہے اور ایسے حالات میں اس کا اکتما رہی ہونا چاہئے جب حالات ہمارے قابو سے باہر ہونے کا امکان نہ ہو، اور لیبٹو کے لئے نئے نئے راستے بھی تلاش کرنے چاہیں، خصوصاً اس وقت جب پہلے راستے بند ہو چکے ہوں (اس کا دلچسپ موازنہ دل کی مرض انجانا سے کیا جاسکتا ہے جس میں بائی پاس اس لئے لگائے جاتے ہیں کہ خون کی گردش میں رکاوٹ کو دور کیا جاسکے) اس کے علاوہ یہ ان گہرے سرچشموں تک بھی جاتی ہے، جنہیں مذہب کا نام دیا جاتا ہے۔

انجمنی لاشعور کا کچھ عمل اور تجربہ بے حد ضروری ہے۔ اگر ہمیں ان کی تقسیم واقعی کرنی ہو تو کیونکہ یہ ایسی قوتیں ہیں جنہوں نے اس جدید اور منہذب زمانے میں کئی مردوں اور عورتوں کو وحشی اور تشدد دوسے اپنانے پر مجبور کر دیا ہے۔ قومیں مختلف افراد سے مل کر بنتی ہیں جن میں مرد اور عورتیں دونوں ہی شامل ہوتے ہیں اور فرد کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح سنٹ ٹیوب کے اندر پچے کو بعض قوتیں حرکت دیتی رہتی ہیں۔ اسی طرح

عوام کے نفسی امراض کا منبع انفرادی نفسیات کے اندر ہوتا ہے۔ مگر جب بہت سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور اجتماع تشکیل دیتے ہیں تو کسی فرد کی خصوصی اہمیت کے خواص کسی شمار قطار میں نہیں ہوتے۔ کیونکہ اس سے امتیازات پیدا ہوتے ہیں، جنگیتی میں مدد نہیں ملتی۔ یہاں تو وہ چیزیں کام میں آتی ہیں جو سب میں مشترک ہیں یعنی جب ایک ہی طرح کے آرکی ٹائپ بہت سے لوگوں میں جاگ اٹھے تو وہ ان سب کو بھیج کر لیتا ہے۔ جیسے محتاطیوں کو بے کو بچھا کرتا ہے اور پھر ان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ غیر عقلی طریقے سے صورت حال میں کار فرما ہوں، اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ آپ جس گروہ کے رکن ہیں اس میں شامل کبھی اور کان اپنے ہی تحفظ کے لئے حالات سے مطابقت پیدا کریں۔ تاکہ فرق کم ہو جائیں اور مشترکہ خواص کی افزائش ہو سکے، چنانچہ گروہ جس قدر بڑا ہو گا اتنی ہی احمق ہونے کے امکانات زیادہ ہوں گے اگر کوئی ایسا گروہ ہو جس میں کبھی لوگ اعلیٰ ذہانت کے ہوں مگر جب وہ گروہ بیش کے قوانین کی اوسط ذہانت اجتماعی اوسط سے کہیں کم ہو جائے گی۔ ایک بار ڈونلڈ نے طرزِ طور پر کہا تھا کہ سو ذہین دماغ جب اکٹھے ہوں گے تو وہ سب ایک ہو کر استقامتِ دماغ (Hydrocephalus) کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۱۹۳۸ء میں اس نے لکھا:

عظیم تنظیموں کے لئے ہماری رعب اسانی فوراً زوال پذیر ہوتی شروع ہو جائے، اگر ہم کو یہ اگلی حاصل ہو جائے کہ مجبورے کا دوسرا رخ کیا ہے، یعنی اس قدیم اور کثرت انسان کے کئے ہوں کموں کے بڑے بڑے ڈیروں اور بار بار کی ہوئی ایک سی باتیں اور اس کی انفرادیت کی ناگزیر توجہ پھر وہاں ایک خوفناک بے ترتیبی بن جاتی ہے۔ یہ شے ہر تنظیم کے دائیں اور بائیں طرف موجود ہوتی ہے۔ آج کا انسان جو آج کے اجتماعی انتہائی آئینہ دل سے کم و بیش مطابقت رکھتا ہے۔ اس نے اپنے دل میں قتل و غارت کے لئے جگہ پیدا کر رکھی ہے۔ یہ بات اس کے اجتماعی لاشعور کے تجربے کے بعد ثابت کرنی مشکل نہیں ہے اگرچہ وہ ان عوامل کی موجودگی سے بالکل پریشان نہیں ہوتا۔ اگر اب تک وہ نارمل طریقے سے اپنے اندر گروہ سے رابطہ رکھے ہوئے ہے تو اس کے گروہ کو کبھی بھی بڑی بدنامی نہیں مل جائے، اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے

گا اور یہ اتنی دیر تک اسی طرح قائم رہے گی جب تک اس کے ساتھیوں کی زیادہ تعداد پوری طرح اس بات میں یقین رکھے گی کہ ان کے معاشرتی ادارے اخلاقی لحاظ سے قائم و دائم ہیں۔

یہ بہت سخت الفاظ ہیں مگر اس کے بعد جو واقعات رونما ہوتے ہیں۔ وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ خود تک اس معاملے میں کسی قدر افسوسناک طور پر حق پر ہے۔

پچھلے ایک سو برس میں جو اخلاقی سائنس نے نشوونما پائی ہے۔ انسان نے مادی طور پر بے حد ترقی کی ہے، مگر وہ مٹی میں اپنی جڑوں سے دور ہوتا چلا گیا ہے۔ درخت جس قدر بلند ہوں اسی قدر اس کی جڑیں بھی مٹی میں ہونی چاہیں مگر جدید انسان کا قدرت کے ساتھ رشتہ بے حد کمزور پڑ گیا ہے، لہذا وہ خطرناک طور پر متزلزل ہو گیا ہے، اور وہ ہر طوفان کا نشانہ بننے کے خطرے میں ہے، اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ ہمارے معاشرتی ادارے اپنے قوانین رکھتے ہیں۔ خواہ وہ کھسے ہوئے ہوں یا نہ کھسے ہوئے ہوں۔ اس کا نظام تعلیم لاشعوری جہلی فطرت کو دبائے کے لئے کام کرتا ہے اور اپنے ساتھ متعلق لوگوں کو بظاہر مذہب بتا رہا ہے، جبکہ اس کے اندر کا قدیم وحشی انسان ویسے کا دیرینہ ترہیت یافتہ رہ جاتا ہے اور پابندوں کے نیچے دبا ہوا محسوس کرتا ہے، اور چونکہ اسے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ اندر سے کس قدر کنگلی کا شکار ہے، وہ ایک ایسے شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس نے اپنے لباس کی جیبوں میں لڑاکا مینٹ چھپا رکھے ہوں، مگر دیکھنے والے کو سگرنوں کی طرح غیر نقصان دہ لگتے ہیں۔ جس چیز کی بھی وجہ سے یہ ابطان کمزور پڑے گا اس کے اندر سے تشدد کا لادا پھوٹ پڑے گا یا پھر اس کا سارا کردار الجھا ہوا اور بے ترتیب ہو جائے گا یہ اصل میں لاشعور کا احتجاج ہے۔ تاکہ خواہ مخواہ مذہب اور شعوری رویے کی کچھ غلطی ہو سکے۔

جب زندگی میں ترتیب ہو اور نظم ہو تو لاشعور اپنا اہتمام بے ترتیبی سے کرتا ہے، جب وقت کا قانون ہی بے ترتیبی ہو جیسا کہ جنگ کے فوراً بعد عام طور پر ہوتا ہے اور اس سے کہیں زیادہ یہ انقلاب کے دنوں میں ہوتا ہے تو پھر لاشعور کو شش کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی ترتیب کی غلطی پیدا کر کے کرے اور لوگ یہ خواہش کرتی شروع کر دیتے ہیں، حالات پر سکون ہوں اور ان کے اندر پھر سے نظم و ضبط آ جائے۔ بجائے اس کے کہ یہ اندازہ کیا جائے کہ اس

کی لاشعور خواہشیں پہلے فرد کی اپنی زندگی میں اپنا اظہار کریں، وہ انہیں حکومت پر متعکس کرتا ہے یا پھر لیفٹرزوں پر جنہوں نے بہتر حالات کا وعدہ کیا ہوتا ہے، وہ یہ سوچنے کی تکلیف گوارا ہی نہیں کرتا کہ اس کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے، چنانچہ وہ ایک اتنا سے دوسری انتخاب تک ٹھہر جاتا ہے، اس کے محرک اور اس کے مالک لاشعور کے آرکی ٹائپ ہوتے ہیں۔

لاشعور ٹکی خلائی کرنے کی کوشش، کسی بھی فرد میں، اگر شعور کے ساتھ مربوط نہ ہو، تو اس کا لازمی نتیجہ نئورس ہوتا ہے، کبھی کبھی سائی کوکس (Psychosis) بھی ہو سکتا ہے، اور اس کا اطلاق انتہائیت پر بھی ہوگا۔ چنانچہ اس بات کا احتمال شعوری رویے کی اس طرح کی خلائی کی کوشش ممکن ہو سکے، مگر اس میں یا تو کسی شے کی کمی واقع ہو جائے گی یا پھر زیادتی، کیونکہ کوئی نفس والا شعوری رویہ ہی لاشعور کی اس قسم کی کوشش کے خلاف مزاحمت کر سکتا ہے، ایسا ہو سکتا ہے کہ لاتعداد چیزیں ملنا ہوں اور آپ جانتے ہی ہیں کہ اس سلسلے میں آرا بھی تقسیم شدہ ہوں گی، صحیح رویہ کیا ہے اس کا پتہ تو خاصی دیر کے بعد چلے گا، ہم اپنے شعوری رویے کے نقصان کا اس وقت اندازہ کر سکتے ہیں جب ہم یہ دیکھ لیں کہ اس کی وجہ سے لاشعور کے اندر کونسا رد عمل برپا ہو رہا ہے۔

عظیم کی اس خواہش میں اور نفاذ کی صورت حال کو برداشت کرنے میں مشکلات کو، جو لوگوں کو مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ حکومتوں کا آمرانہ رویہ برداشت کریں اور اس کا نتیجہ لوگوں کی خلائی کی صورت میں نکلا ہے اور فرد محض کسی مشین کا پرزہ بن کر رہ جاتا ہے، اس کے برعکس ڈونگ کہتا ہے:

صحیح جمہوریت اعلیٰ درجے کا نفسیاتی ادارہ ہوتی ہے، جو ہمیشہ فطرت انسانی کو، جیسی کہ وہ ہے، مد نظر رکھتا ہے، لہذا وہ اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ اس کے قومی عوامل کے اندر تصادم کی اجازت برقرار رکھی جائے۔

دوسرے فنکاروں میں نہ تو مکمل انارکی (Anarchy) اور بے ترتیبی اور نہ مکمل عظیم ہی ممکن ہیں، اور فطرت انسانی اسی قسم کی واقع ہوئی ہے۔ واحد انتہا متوازنہ حالت وہ

ہے جس میں تصویری سمت اختلاف رائے اور بے ترتیبی کی گنجائش رکھی گئی ہو اور اس کے ساتھ ہی ساتھ کچھ ترتیب اور تنظیم بھی موجود ہو۔

انفرادی شعور کی ترقی اور ذاتی لاشعور سے اس کی یکجہتی ایک طرح کا تحفظ ہے، جو آرکی ٹائپ کے تسلط سے آزادی دلاتا ہے، لہذا وہ خطرناک عوامی تحریک میں فراہم ہوتا ہے، ہر چیز کی طرح آرکی ٹائپ بھی لاشعوری طور پر دو چہرے رکھتا ہے، جس کے باعث وہ مکمل طور پر مختلف اثرات پیدا کر سکتا ہے۔ وہ شر بھی ہو سکتے ہیں اور خیر بھی، تعمیری بھی توڑ بھی، جو رویہ وہ اختیار کرے گا اس کا تعلق اس رویے سے ہو گا جو شعوری طور پر اختیار کیا گیا ہے اور اس کے اثرات فرد کی ان صلاحیتوں پر مرتب ہوں گے، جو تقسیم اور اخلاقی پرکھ سے متعلق ہیں۔

چنانچہ لاشعوری مواد کے ساتھ یکجہتی پیدا کرنا ایک انفرادی سطحی فعل ہے، جس سے تقسیم بن حاصل ہوتی ہے اور اخلاقی قدر دانی بھی ہوتی ہے۔ یہ سمت ہی دشوار کاموں میں ایک کام بن اور اس کے لئے اعلیٰ درجے کی اخلاقی شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سطح میں محض چند ہی افراد ایسے ہوتے ہیں کہ چاہا یہ توقع ہندھی جائے کہ وہ یہ کام سرانجام دے سکیں، ایسے لوگ سیاسی قوتیں الہت اخلاقی رہنما ضرور ہوتے ہیں اور انسانیت ان کے نقبل قدم پر چلتی ہے۔ تہذیب کا قائم ہو جانا اور تہذیب کا ترقی کرنا ان لوگوں پر منحصر ہوتا ہے۔

لیکن اگر چند افراد بھی ایسے ہوں جو اس سمت میں پیش قدمی کر سکیں، دوسروں کو اس سطح میں کم از کم کوشش تو کرنی ہی چاہئے۔ حقیقت میں بات صاف ہے کہ ہر کوئی خواہ صرف اپنے ہی تحفظ کے لئے اتنی جدوجہد تو بہر حال کرے کہ وہ اپنے لاشعور کو مان بھی لے اور جان بھی لے۔

حواشی

۱۔ ”بہر حال زندگی سے کیا مراد ہے۔ یہ تجربہ سے گزرنے کرنا نہیں بلکہ تجربہ کو قبول کرنا ہے۔ مثال کے طور پر ایسے لوگ موجود ہیں جو اس بنیاد پر شادی کو اختیار میں ڈالتے ہیں کہ وہ ایسا کرنے کی ہمت

آٹھواں باب

تحلیلِ نفسی کا ولی عہد

استاد اور شاگرد کا ادارہ ہمیشہ سے ایک جذباتی پہچان کا شکار رہا ہے۔ اس میں بھی ایسی ہی جذباتی دو گوشتیت (Ambivalence) پائی جاتی ہے، جیسی کہ باپ اور بیٹے کے رشتے میں موجود ہے۔ استاد ہر صورت میں اپنی اقدار کو قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور شاگرد اسے ریزہ ریزہ کرنے کے لئے موقعہ کی تلاش میں رہتا ہے۔ سوائے سقراط اور افلاطون کے، شہتِ تعلیق کی شاید کوئی اور ایسی مثال نہ ڈھونڈی جاسکے، جہاں شاگرد مکمل طور پر استاد کا فریضہ بردار رہا ہو۔۔۔۔۔ مگر شاید یہ تاثر درست نہیں ہے۔ سقراط تو ویسے ہی تحریری شواہد کا قائل نہیں تھا۔۔۔۔۔ مگر افلاطون نے اس کے بارے میں، بلکہ خود اسی کو مرکزی کردار بنا کر جو مکالمے لکھے تھے، وہ انسانی علم اور ادب کی بنیادی دستاویز ہیں۔ اگر افلاطون سقراط کی ہدایت پر عمل کرتا اور لکھنے کی طرف راغب نہ ہوتا تو ساری دنیا ایک عظیم آغاز سے محروم ہو جاتی۔

پھر اس بات کی کیا حجت ہے کہ جو کچھ افلاطون نے سقراط کے کردار کی زبان سے ادا کیا وہ واقعی سقراط نے کہا بھی تھا۔ یہ خیال عام ہے کہ افلاطون نے اکثر مکالمات میں اپنے افکار و خیالات سقراط کے ذریعے بیان کئے تھے اور ایسا کرتے ہوئے وہ سقراط کی حدود سے تجاوز کر گیا تھا۔ سقراط کے سپاہی شاگرد نے جو یادداشتیں چھوڑی ہیں، ان میں سقراط بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ مگر اس کی وجہ شاگرد کا سپاہی ہونا بھی ہو سکتی ہے، ممکن ہے وہ فلسفے کی باریکیاں کو سمجھا ہی نہ ہو۔

تیسری بات وہ البتہ ہے جو افلاطون کو پیش آیا۔ خود اس کے شاگرد ارسطو نے اس کے فلسفے پر غلط فہمیاں تخلیق کی۔ اس پر اس قدر شور مچا ہوا کہ لوگ ارسطو کو اپنے استاد کا بانی سمجھنے لگے۔ کچھ نے کہا یہ جتنا کہ نہیں تھی، محض رائے کا اختلاف تھا۔ غرض خوب خوب خاک اڑی

سی جی ڈونگ " (CROWN PRINCE C.Q. JUNG) رکھا ہے۔ گویا فرائیڈ نے اسے اپنا جائزین نامزد کر ہی دیا تھا۔ فرائیڈ کے وی آنا کے شاگرد ڈونگ سے بہت حسد کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ ان کا روحانی باپ ڈونگ کو دوسروں پر فوقیت دیتا ہے۔ فرائیڈ کے سب سے پہلے سوانح نگار فریڈرلز (Fritz Wittels) نے جر فرائیڈ کا شاگرد بھی تھا۔ یہ لکھا ہے کہ جب تحلیل نفسی کی بین الاقوامی انجمن بٹلر گئی تو فرائیڈ نے اس کا پستل صدر ڈونگ کو مقرر کیا۔ وی آنا کے یہودی شاگردوں کو یہ بات پسند نہ آئی، چنانچہ انہوں نے ایک مقامی ہوٹل میں جمع ہونے کا فیصلہ کیا تاکہ اس سلسلے میں کوئی حکمت عملی بٹلر جاسکے۔ اس اجلاس کے بارے میں نہ جاننے کس طرح فرائیڈ کو معلوم ہو گیا۔ ابھی یہ جلسہ شروع ہی ہوا تھا کہ فرائیڈ داخل ہوا اور وہ اس وقت خاصہ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے آتے ہی کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ یہاں کیوں اکٹھے ہوئے ہو مگر یاد رکھو اگر میں نے اس انجمن کا صدر کسی یہودی کو بنا دیا تو اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا اور اس کے جاتے ہی یہ اجلاس بھی اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔

مگر عیسائی ہونا ڈونگ کی واحد خصوصیت نہیں تھی۔ فرائیڈ کے نقطہ نظر میں سی جی ڈونگ (۱۸۷۷ء-۱۹۰۷ء) کی تحلیلی نفسی سے جدا ہی اس سے جدا ہو جانے والے تمام شاگردوں سے کہیں زیادہ تکلیف دہ تھی۔ ڈونگ نے اس تحریک کے لئے سب سے زیادہ فضل و انشوراء کروا کر ادا کیا تھا۔ اڈلر (Adler) اور سٹیکل (STEREL) کے انحراف تک انحراف کے بعد فرائیڈ نے ڈونگ کو زندقہ (Heretic) قرار دیا تھا۔ مگر ان تینوں کا فرائیڈ سے جدا ہو جانا تاریخی طور پر ایک دوسرے سے بہت قریبی تعلق رکھتا تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے تحلیل نفسی کی روایت کے اندر انقلاب کی بنیاد رکھی تھی۔ چنانچہ انہی کی وجہ سے بعد میں اس تحریک کے اندر داخل ہونے والوں کے لئے تحریک سے انحراف کرنا ایک وقت ایک خواہش اور ایک خوف کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ ۱۹۲۰ء تک جب آئورنک (Otto Rank) اس تحریک سے الگ ہوا تو گویا۔۔۔ کے سر پر آور وہ شاگرد ایک دوسرے کو اس انحراف کی طرف دھکیلنے لگ پڑے تھے۔ چنانچہ یہی وقت تک بہت سی ایسی مغرب حکمت عملیاں پیدا ہو گئی تھیں، جو ماہرین تحلیل نفسی کو اس تحریک سے حلق سے بھی رکتی تھیں اور ان کے اندر انحراف کے رجحانات بھی پروان چڑھتے رہتے تھے۔

اس سلسلے میں جو اثرات بھی فرائیڈ پر عامہ کئے گئے ان میں سے دانشورانہ سطح پر وہ اثرات شاید سب سے زیادہ جہاں کن تھے جو ڈونگ نے عامہ کئے تھے۔ ہر ثانوی ثقافت (Subculture) کے اندر اس کے ولن (Villains) موجود ہوتے ہیں۔ فرائیڈ کے لئے ڈونگ خاص طور پر ایک نفرت انگیز کردار تھا۔ اس کی ایک جزوی وجہ تو یہ تھی کہ فرائیڈ نے اس کے ساتھ بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ پھر اس وقت یہ نفرت اپنی انتہا تک پہنچ گئی، جب یہ معلوم ہوا اس کا رابطہ نازیوں کے ساتھ ہے۔ فرائیڈ اور اس کے شاگرد تو پہلے ہی سے اس کے لئے حقیقی جذبات رکھتے تھے۔ یہ لوگ آج بھی ڈونگ کو رد کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے اسے مسٹک (Mystic) اور غیر سائنسی رویے کا مظہر دیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے ڈالر کو سوشلسٹ کہہ کر رد کیا جاتا ہے۔

فرائیڈ کے حلقے میں ڈونگ سے کس قدر ناراض ہیں، اس کا اندازہ ان مشکلات سے کسی حد تک لگایا جاسکتا ہے۔ جو ڈونگ کے خطوط "فرائیڈ کے آثار (Archive)" سے حاصل کرنے کے لئے ڈونگ کے مقلدین کو پیش آئیں۔ فرائیڈ کی موت کے بعد جب ڈونگ ابھی زندہ تھا (فرائیڈ کی موت ۱۹۳۹ء میں ہوئی تھی) ڈونگ کے اہل آثار نے فرائیڈ کے اہل آثار سے دونوں کے خطوط کے چلنے کی درخواست کی تھی۔ ان دونوں کے درمیان کچھ عرصے تک خطوط کا جھولہ ہوتا رہا تھا۔ مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ فرائیڈ کی بیٹی ایٹا فرائیڈ (Anna Freud) کو اپنے باپ کے آثار سے ڈونگ کا کوئی خط دستیاب ہی نہ ہوا تھا۔ آخر ڈونگ کے حلقے نے فرائیڈ کے خط ان کو بھجوا دیے، مگر ان کی طرف سے کوئی بھی خط جواب میں موصول نہ ہوا۔ مگر پھر حیرت انگیز طور پر جب ارنسٹ جونز (Ernest Jones) کو فرائیڈ کی سوانح نگار بننے کے لئے ان خطوط کی ضرورت پڑی، تو وہ کسی نہ کسی طرح فرائیڈ کے آثار سے دریافت کر لئے گئے۔

یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ ڈونگ کے نفسیاتی مشاغل نے فرائیڈ کی زندگی اور کام میں کس طرح مرکزی کردار ادا کیا یہ دیکھنا ضروری ہے کہ فرائیڈ کے احساسات کس طرح اپنے زمانے کے طبی علوم سے الگ تھلک ہوئے۔ فرائیڈ ایک تربیت یافتہ ماہر اعصابیات (Neurologist) تھا۔ اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس کی محسوس سائنسی انٹری

(Psychiatry) نفسیات عوامل میں دلچسپی نہیں لیتی۔ اس نے تو صرف بعض نبیوں کے محض نام ہی رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ان کے بارے میں کچھ بتاتی نہیں ہے۔ فرائیڈ ان شاکردوں میں سے ایک؛ جس نے اس سے سائنسی ایزی میں تربیت حاصل کی تھی، یہ کہتا ہے کہ فرائیڈ سے پہلے کی کیس ہسٹریاں (Case Histories) نئی پٹلی (Stereotyped) ہوتی تھیں۔ مریض تو کچھ کہتا نہیں تھا کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ بکواس کرتا ہے اور وہ صاف سترہا بھی نہیں ہے۔

سائنسی انگری کی اس زمانے کی جو آشرہ۔ منگھیرن (Austro-Hungarian) مملکت تھی۔ وی آنا یونیورسٹی میں سب سے بڑا سائنسی انگری کا عہدہ فرائیڈ کے ایک پرانے ہم جماعت جو لیس وگنر وان جو ریگ (Julius Wagner Von Jauregg) کے پاس تھا۔ ایک دل دکھا دینے والے ذوق مزاح اور دفن کر دینے والے عقیدوں کی بلند آہنگی میں، وہ فرائیڈ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اگرچہ وگنر کو فرائیڈ ذاتی طور پر پسند تھا اور دونوں ایک دوسرے کو دوستانہ خطوط لکھا کرتے تھے مگر ایک سائنسی ایگزٹ ہونے کی حیثیت میں یہ لازم تھا کہ وہ تحلیل نفسی کے خلاف محاذ آرائی کرے۔ جس چیز کو فرائیڈ عظیم دریافت سمجھتا تھا۔ وہ اسے بکواس قرار دیتا تھا۔ وجہ یہ نہیں تھی کہ وگنر کو سائنسی تربیت کی کمی تھی۔ بعد میں تو اسے اس واحد فوٹل انعام کا حقدار قرار دیا گیا تھا جو کسی بھی نفسیات سے متعلق معالج کو ملتا ہے۔ یہ انعام ان خدمات کے صلے میں ملتا تھا جو اس نے قلع کے دوران بخار ہو جانے کے علاج کے سلسلے میں سرانجام دی تھیں۔ عمومی سائنس کا رویہ اس سلسلے میں واضح ہے۔ آج بھی نفسیات اور اس سے متعلق مختلف معالجی طریقوں سے وابستہ لوگوں میں سے کسی کو بھی فوٹل انعام کا حقدار قرار نہیں دیا گیا۔ اس میں ڈونک اور فرائیڈ بھی شامل ہیں۔ مگر ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ لندن میں آر تھر کو سٹلر (Arther Koestler) جب فرائیڈ کو ملنے گیا تھا تو اس کا خیال تھا کہ وہ فوٹل انعام حاصل کر چکا ہے۔ جب فرائیڈ کو اس کا حوالہ دیا گیا تو اس نے کہا تھا ”مجھ بوڑھے یہودی کی قسمت میں یہ انعام کب ”جیل ٹک وگنر کا تعلق ہے وہ تو نفسیاتی طریق علاج میں ذرا سی بھی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ اگرچہ وہ ٹریش روٹھا۔ کبھی کبھی اکٹھین کا مظاہرہ بھی کرتا تھا مگر اس کے باوجود وہ ایک مہربان شخص تھا اور اپنے مریضوں کا بہت خیال رکھتا تھا۔

وگنر اگرچہ فرائیڈ کا بہت مذاق اڑاتا تھا مگر اس کے دل میں فرائیڈ کے لئے معافیانہ

جذبات نہیں تھے۔ وہ کسی حد تک غیر متعصب بھی تھا اور اس نے اپنے پیروں کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ فرائیڈ کے بارے میں جو چاہیں ردیہ اختیار کریں۔ مگر اتفاق دیکھئے کہ وہ فرائیڈ کی تنقید کرنے کے سلسلے میں، تو اس سے اتفاق رکھتے تھے، مگر فرائیڈ کے لئے اس کے دل میں جو نرم گوشہ یا احرام موجود تھا وہ ان میں سے کسی کے حصے میں نہ آیا تھا۔ چنانچہ فرائیڈ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہی آناجیورڈی میں اس کے مخالفین پوری طرح قابض ہو چکے ہیں اور قابض رہیں گے اور جو کوئی بھی دیگر سے تربیت حاصل کرتا تھا اس کے بارے میں صرف یہی امید کی جاسکتی تھی کہ وہ بس فرائیڈ کی مخالفت ہی کرے گا۔

چنانچہ ۱۹۰۶ء میں فرائیڈ اس وقت بے حد خوش ہو رہا تھا جب ڈونگ نے اس کی نفسیات کے بارے میں اسے ایک خط لکھا۔ ڈونگ کا تعلق اس زمانے کے ایک نہایت ہی قابل احرام مرکز سے تھا۔ جہاں سائیکل انٹری کی تربیت ہوتی تھی۔ یہ سوڈرلینڈ کے شروڈیج ریج کی پرنسپل شلاگہ تھی۔۔۔ (یہ بات نہایت قابل توجہ ہے کہ جب ڈونگ نے سائیکل انٹری میں تربیت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، تو اس کے خیر خواہ اس بات پر بے حد پریشان ہوئے تھے کہ ڈونگ اپنے کیریئر کو چلہ کر رہا ہے)۔۔۔ ڈونگ ۱۹۰۰ء سے پرنسپل کے خلاف کارکن تھا اور اس دوران اس سے دفتری سطح پر یہ پہچان گیا تھا کہ وہ فرائیڈ کی کتاب "INTERPRETATION OF DREAMS" پر ایک رپورٹ لکھے۔

۱۹۰۶ء تک ڈونگ سائنسی معاشرت میں ایک قابل احرام مقام بنانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ نفسیات۔ آکلف تجربات پر اس کے طبی مقالات (Dissertations) کے علاوہ وہ لفظی ملازمت (Word Association) کی تکنیک کو اپنے کمال تک پہنچا چکا تھا۔۔۔ اس میں تجربہ کرنے والا ایک لفظ بولا تھا پھر جواب کتنی دیر میں ملتا ہے اس کے وقت کو نوٹ کیا جاتا تھا۔ ڈونگ کا اس سے مقصد یہ تھا کہ ابھلائی (Repressed) جذباتی تصادم تک رسائی حاصل کی جائے۔ اس کو اس نے بعد میں کمپلکس (Complex) کہا شروع کر دیا تھا۔ یہ رسائی جوابی حرکت (Response) اور علامات کے سلسلے سے ہاتھ آتی تھی۔ جوں جوں ڈونگ تحلیل نفسی کے وسیلے سے مریضوں کے علامات کی توجیسہ کرتا چلا گیا اس کے لئے ان نفسی علامتوں کے معانی کو سمجھنا ممکن ہوتا چلا گیا جو شروع شروع میں بے حد الجھی ہوئی اور عجیب و غریب نظر آتی تھیں۔ نومبر ۱۹۰۶ء میں ڈونگ نے فرائیڈ کے ہیٹریا (Hysteria) کے نظریے

کی تنقید پر اپنا ایک جواب شائع کروایا۔ پھر فروری ۱۹۰۷ء میں اس نے فرائیڈ سے دی آنا میں ملاقات کی۔ پہلی ملاقات میں وہ مسلسل تیرہ گھنٹے تک ایک دوسرے سے گفتگو کرتے رہے۔ وہ فرائیڈ جس کو دی آنا کی سانجی انٹری والے باہر والا (Outsider) خیال کرتے تھے اور یہ بھی پیش نظر رہتا ہے کہ عوام الناس میں بھی فرائیڈ کوئی مقبول شخصیت نہیں تھا۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ فرائیڈ سرکاری طور پر تسلیم کئے جانے کے کسی بھی امکان کو جو کبھی کبھی روپے کے طور پر ابھرتا تھا مطلوب ہو کر قبول کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔

اس وقت ڈونگ یو مین بلوئر (Eugen Bleuler) کا نائب اعلیٰ تھا۔ وہ برغولزی کا سربراہ تھا اور اسے schizophrenia (کاسب سے بڑا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ اپنے نظریہ دو گوئیت (Ambivalence) کی وجہ زیادہ شہرت حاصل نہ کر سکا۔ بلوئر کی دلچسپی نفسیات میں بھی تھی۔ اور اس نے ایک ہرڈسکی (Cosmopolitan) مرکز سانجی انٹری کے لئے بھی قائم کیا تھا۔ آئسندہ کے ماہرین تحلیل نفسی ارنسٹ جونز (Ernest Jones) سینڈور فرینزلی (Sandor Ferenczi) کارل ابراہام (Karl Abraham) اور ابراہام برل (Abraham Brill) نے وہاں تربیت حاصل کی تھی اور فرائیڈ ڈونگ سے مکمل علیحدگی کے بعد بھی ۱۹۱۳ء میں اس کا اعتراف خوش دلی کے ساتھ کرتا رہا وہ کہتا ہے کہ میرے ساتھی اور مقلدین زچو رچ کے راستے سے مجھ تک پہنچے تھے اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جنہیں دی آنا زچو رچ سے کہیں زیادہ نزدیک پڑتا تھا۔

بلوئر ڈونگ اس وقت دنیا کی اعلیٰ ترین سانجی انٹری کی اکادمی میں کام کر رہے تھے۔ فرائیڈ کے لئے ۱۹۰۶ء سے ۱۹۰۹ء کا زمانہ اپنے ماضی سے رشتہ توڑنے کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں وہ دی آنا کے تنگ ماحول سے نکل کر یورپ کی سانجی انٹری کے وسیع ماحول میں پہنچ گیا تھا۔ بلوئر فرائیڈ سے ایک سال بڑا تھا۔ وہ تحلیل نفسی کے جماعتی کردار کے سلسلے میں بہت ممتاز تھا۔ فرائیڈ نے بعد میں بلوئر اور ڈونگ کو کیڈٹ دیتے ہوئے کہا تھا ”انہوں نے ابتدائے میں تجرباتی نفسیات اور تحلیل نفسی کے مابین ایک نئی تعمیر کیا تھا۔“ اور اس کے لئے انہوں نے طرزاتی مطالعے کے لئے غائب واپس استعمال کی تھی۔ ۱۹۰۸ء میں اہل تحلیل نفسی کی پہلی کانگریس کے لئے ڈونگ کے ہمراہ بلوئر نے بھی سالزبرگ (Salzburg) میں شرکت کی تھی۔ جس کے بارے میں فرائیڈ نے بعد میں کہا تھا ”سالزبرگ میں بلوئر نے مجھ پر ایک پراسرار

(Uncanny) تاثر قائم کیا تھا۔ یہ بات اس کے لئے خوش کن نہ ہو گی۔ ”جب ڈونگ نے اپنی تمام تر توجہ تحلیل نفسی پر مبذول کرنے کے لئے بلیور کے مطلب سے استغناء دیا تھا تو فرائیڈ خوشی سے پھولا نہ سانا تھا۔ یہ بات بخیر نے اس کی سوانح میں لکھی ہے۔

۱۹۰۷ء میں ڈونگ نے ایک کتاب (اضطلاح ذہنی) (DEMENTIA PRAECOX) کی نفسیات کے بارے میں شائع کی، جس میں اس نے یہ بتایا کہ دیوانگی کی یہ قسم فرائیڈ کے نظریہ نیورس (Neurosis) کے حوالے سے سمجھی جاسکتی ہے۔ اس کتاب میں ڈونگ اجہلا (Delusion) کے معانی تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کمرانی میں اترتا چلا جا رہا تھا اور اس عمل میں اس نے اضطلاح ذہنی یعنی شیئرو فرینڈ کی توجیسہ بھی کر دی تھی، اور یہ بھی بتایا کہ اس میں رمزیت (Symbols) بہت ہوتی ہیں۔ لہذا وہ ان لوگوں میں شمار ہونے لگا تھا جنہوں نے شیئرو فرینڈ کے علاج کے سلسلے میں پہل کی تھی۔ بلیور اور ڈونگ دونوں نے سائی کوکس (Psychosis) کے مریضوں میں ان حرکی محرکات کا مطالعہ کیا، جو اضطلاح ذہنی (Psychosis) کی وجہ بنتے ہیں اور پھر قدرتی طور پر انہوں نے اس علم کو معاملے میں استعمال کیا۔

فرائیڈ کو یہ شکایت تھی کہ اس کے دی آنا کے گروپ میں متوسط ذہانت کے لوگ بہت ہیں۔ لہذا وہ تحلیل نفسی کے مرکز کو زہر ریح میں منتقل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا یہ رویہ جزوی طور پر اس لئے بھی تھا کہ اسے دی آنا پسند نہیں تھا اور بعض اوقات تو یہ اندازہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ فرائیڈ کو دی آنا سے اس قدر نفرت کیوں تھی؟ کیا یہ نفرت محض ایک ردوائی دکھلاوے کے سوا کچھ اور نہیں تھا؟ اس حقیقت سے تو بہر حال انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے بلوغت کے بعد اپنی ساری عمر اس شہر میں گزار دی تھی۔ فرائیڈ نے ۱۸۹۰ء میں ایک بے ہم آپ بیتی لکھی تھی اور اس میں یہ لکھا تھا ”میں نے کبھی اس شہر میں پر سکون محسوس نہیں کیا۔“

برصورت ۱۹۰۰ء میں نیورم برگ کانگریس (Nueremberg Congress) میں اس کے ہنگری کے شاگرد سینڈور فرینڈی (Sandor Ferenezl) نے دی آنا کے ماہرین تحلیل نفسی کے بارے میں بعض سخت باتیں کی تھیں اور یہ تجویز دی تھی کہ آئندہ ان کا مرکز زہر ریح ہونا چاہئے۔ وہیں سے ساری کارگزاری پر نظر رکھنی چاہئے اور اس وقت ڈونگ ان کا صدور تھا۔ چنانچہ اس وقت فرائیڈ کے دی آنا کے شاگردوں سے اشتکات کی بنیاد حقیقی طور

پر رکھ دی گئی۔ فرائیڈ جب سوئیڈر لینڈ والوں کو فوقیت دیتا تھا تو اس کی وجہ محض یہ نہیں تھی کہ اسے وہاں سے بہتر مبلغ فراہم ہونے کی توقع تھی، بلکہ تحلیل نفسی کے کام کو آگے بڑھایا جا سکے۔ بلکہ اس میں یہ شدید خواہش بھی تھی کہ اپنی ذاتی پہچان نمایاں کی جائے اور زیادہ وسیع سائنسی معاشرت سے تعلق قائم کیا جائے، کیونکہ اس وقت اسے وہی آنا میں زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

یہودی کے طور پر بھی فرائیڈ کو ڈونگ کے اشرافیہ کی ضرورت تھی، کیونکہ وہی آنا کا سارا کامیاب گروہ تقریباً یہودیوں پر مشتمل تھا اور فرائیڈ چاہتا تھا کہ تحلیل نفسی محض یہودی فرقے تک محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ ایک زمانے میں ڈونگ بقول فرائیڈ "اس کالے بالک تھا بڑا بیٹا تھا اس کا وارث تھا اور کراؤن پرنس (Crown Prince) تھا۔" فرائیڈ اس سوس (Swiss) کوئی آٹومی حسد سے بچتا چاہتا تھا چنانچہ ایک بار اس نے ابراہام کو لکھا تھا:

"درا مبر سے کام لیتے، یہ بہت فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ آپ کے لئے میرے خیالات کو سمجھنا ڈونگ سے کہیں زیادہ آسان ہے، اس سلسلے میں پہلی بہت تو یہ ہے کہ آپ عمل طور پر خود مختصر ہیں، پھر آپ میرے عقلی نظام کے بھی قریب تر ہیں، کیونکہ مجھ میں اور آپ میں ایک نسلی تضاد ہے، جب کہ وہ عیسائی ہے اور پادری کا بیٹا ہے اور مجھ تک رسلانی حاصل کرنے کے لئے اسے اندرونی مزاحمتوں میں سے گزرنا پڑتا ہے، اور اس باعث اس کا ہم سے تعلق کہیں زیادہ قلیل قدر ہے۔ میں تو یہ بھی کہنے کے لئے تیار ہوں کہ سنجے پر اس کے نمودار ہونے کی وجہ سے ہم اس خطرے سے بہت حد تک محفوظ ہو گئے ہیں کہ تحلیل نفسی محض یہودیوں کا معاملہ ہے۔"

فرائیڈ نے محسوس کیا تھا کہ ابراہام بہت ہی شدید طور پر ڈونگ کے سلسلے میں بے اعتمادی کا مظاہرہ یہ بہت دیر تک اہمیت کی حامل تھی کہ وہ اس وقت تک کامیابی کی امید ہی نہیں کر سکتا تھا جب تک وہ اشرافیہ (Centiles) میں اپنے مقلد پیدا نہ کرے اور یہودی کے طور پر وہ حیلہ جوئی کے ساتھ فح حاصل کرنا چاہتا تھا، خصوصاً عیسائی اخلاقیات کے معیارات کے معاملے میں۔ فرائیڈ کی یہ خواہش تھی کہ وہ وہی آنا کے یہودی حلقوں کو توڑ کر باہر نکل جائے۔

فرائیڈ سے علیحدگی کے بعد ڈونگ کے شاگردوں نے اڈلر اور اس کے ساتھیوں کی طرح اس بات سے انکار کرنا شروع کر دیا تھا کہ ان کا رہنا کبھی فرائیڈ کا شاگرد رہ چکا ہے۔ جہاں تک فرائیڈ کا تعلق ہے، وہ اپنے شاگردوں کے بارے میں جو کچھ کہتا چاہتا تھا، کھل کر کہتا تھا تو اس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتا تھا۔ جب بھی فرائیڈ ڈونگ کا ذکر کرتا تھا تو اس کا چہرہ کھل اٹھتا تھا۔ ”وہ میرا عزیز بیٹا ہے، اور میں اس سے بے حد خوش ہوں۔“ فرائیڈ نے ایک طویل عرصے تک اپنی مماثلت حضرت موسیٰ سے قائم رکھے رکھی تھی۔ وہ خود کو لوگوں کا نجات دہندہ اور رہنما سمجھتا تھا اور اسے خدشہ تھا کہ لوگ اس کے بدلے میں اس کے ساتھ زیادتی اور نا فرمانی کریں گے۔ ڈونگ اس کا جوشوا (Joshua) تھا اس کے میں مقدور میں لکھا تھا کہ وہ سائیکل لٹری کی سر زمین کو دریافت کرے گا اور یہ وہ عطیہ تھا جسے فرائیڈ کو محض دور سے دیکھنے کی اجازت تھی۔ فرائیڈ ڈونگ کو اپنا بیٹا اور چائین کہتا تھا۔ جب وہ سلطنت جس کی بنیاد میں نے رکھی ہے ختم ہو جائے گی تو اس کے تمام تر کے کا وارث ڈونگ ہو گا۔ ”ولی بعد مقرر کرنے کا یہ قصہ فرائیڈ جیسے فیملے کے سرٹیل (Patriarchal) آدمی کے لئے بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ جب ڈونگ اس سے منہ موڑ گیا تو فرائیڈ نے کہا ”میرا یہ خیال ہے کہ میری تمام بچے پوری طرح حقوق حاصل کر سکیں گے، ایک یہودی باپ کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے، میری خواہش ہے کبھی کچھ ڈونگ کے وسیلے سے حاصل ہو۔۔۔۔۔۔“

فرائیڈ ڈونگ سے انیس برس بڑا تھا اور ایک روز افروں ترقی کرتی ہوئی تحریک کا متاثرہ سرخیل تھا۔ ڈونگ نے یہ کوشش کبھی نہیں کی کہ وہ فرائیڈ جیسا سربراہ بنے اور اسے تحفہ پسند بھی نہیں تھیں، نہ اپنی، نہ دوسروں کی۔ شاید فرائیڈ کے اسی رویے کی وجہ سے ڈونگ نے اسے بروں میں قرار دیا تھا اور اپنی آپ کو اور اڈلر کو دروں میں ظاہر کیا تھا۔ حلاوت اڈلر سوشل ورک اور معاشرتی اثرات کا بے حد قائل تھا اور فرائیڈ اپنے تمام تر اٹھاپی رجحانات کے باوجود ایک باطنی شخصیت رکھتا تھا۔ تحلیل نفسی کے ادارے بنائے بغیر فرائیڈ کے لئے کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ ایک تھا شخص کے طور پر تحلیل نفسی کو متعارف نہیں کروا سکتا اور نہ اس کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ تحلیل نفسی کے تمام پہلوؤں پر کام کرنے والا اور جواب

دینے والا تھا شخص ہو، اس کے دروں بنی کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ اس کے تعلقات لوگوں سے بہت گہرائی تک نہ ہوتے تھے، وہ جب تعلقات بناتا بھی تھا تو بھی اپنی ذات کو بچا بچا کر رکھنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ اور دروں بنی کے دعوے کے باوجود ڈونگ کو اپنی تحریک کی بھی ایک باقاعدہ صورت بنانی پڑی تھی۔ اگرچہ اس کے بارے میں وہ زیادہ سنجیدہ کبھی نہ ہو پایا تھا۔ مگر اس کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا یہ مزاج ہی نہیں تھا کہ وہ تحلیل نفسی کی تحریک کا صدور بن کر خوشی محسوس کر سکتا۔ جب فرائیڈ نے اس کو تحلیل نفسی کے ادارے میں اہم انتظامی ذمے داری دی تھی، تو اس وقت بھی وہ اسے بوجہ ہی محسوس کر رہا تھا۔ اور فرائیڈ بار بار اسے کہا کرتا تھا کہ تم اپنی ذمے داریوں کو سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ پھر آخر کار ڈونگ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کی انتظامی ذمے داریوں سے کہیں زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ وہ اپنے نفسیاتی کام کو ترجیح دے۔ اس کے لئے بین الاقوامی تحلیل نفسی کی انجمن کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں تھی۔

اگرچہ اپنے ادارے کے مستقبل کے لئے فرائیڈ ہر آنے والے کو خوش آمدید کہتا تھا اور ان کے بارے میں سختی رویہ اختیار نہیں کرتا تھا مگر ڈونگ کے سلسلے میں تو اسے پہلے سے معلوم تھا کہ ڈونگ بہت ہی باصلاحیت ہے اور غیر معمولی شخصیت کا حامل ہے۔ فرائیڈ کے بیٹوں میں سے ایک کا بیان ہے کہ ڈونگ جب فرائیڈ کے گھر سے کھانا کھاتا تھا تو کھانے کی ہمیز پر اس کی کیا اہمیت ہوتی تھی۔

”اس نے کبھی ذرا سی بھی کوشش نہ کی کہ وہ ہماری والدہ سے یا بچوں سے رسی میزبانی منظم کرے، اور اس نے اس موضوع پر منظم کو بغیر وقفے کے جاری رکھا جس پر کھانے سے پہلے بات چیت ہو رہی تھی۔ اس مواقع پر ڈونگ ساری کی ساری منظم کیا کرتا تھا اور ہمارا والد بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اسے سنا کرتا تھا۔ بہت کم باتیں ایسی ہوتی تھیں، جو ہماری سمجھ میں آتی ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ ہمارا والد بڑے شوق کے ساتھ مریض کے حالات کے خاکے کو سنا کرتا تھا۔ میرے خیال میں اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی توانائی تھی، زندگی سے معمور باتیں تھیں اور اس کی وہ صلاحیت

جس کے ذریعے وہ اپنی شخصیت کو دوسروں پر حاوی کرتا تھا اور سننے والوں کو مسحور کئے رکھتا تھا۔ ڈونگ کی موجودگی ایک ایسا اثر تھی جو طاری ہو جاتا تھا اس کا قد بہت لمبا تھا اور شانے بہت چوڑے تھے۔

فرائیڈ کا قد مشکل سے پانچ فٹ سات انچ تھا۔ جب کہ ڈونگ چھ فٹ دو انچ کا مالک تھا جب ڈونگ کا سامنا ہوتا تھا تو فرائیڈ کو اپنے قد اور جسم کے بارے میں کمی کا احساس ہوتا تھا۔ ۱۹۰۹ء میں جب ڈونگ فرائیڈ کے ساتھ امریکہ میں کھہ تو ایک ایسی تصویر لی گئی تھی جس میں فرائیڈ اور ڈونگ اکٹھے بیٹھے تھے۔ ڈونگ فرائیڈ سے زیادہ جسم کا لگتا تھا پھر ۱۹۱۱ء میں جب وائمر کانگریس (Weimer Congress) کے دوران گروپ فوٹو لی گئی تھی، فرائیڈ دونوں میں سے زیادہ قد آور نظر آتا تھا فرائیڈ یہ اثر پیدا کرنے کے لئے نہ صرف کسی شے پر کھڑا تھا اور ڈونگ بڑی نیازمندی کے ساتھ آگے کی طرف جھکا ہوا تھا تاکہ وہ فرائیڈ کو اس تحریک کا صحیح معنوں میں لیڈر دکھائی دینے میں مدد کر دے۔

جب ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی تو فرائیڈ اپنے چھٹے عشرے کے آغاز میں تھا اس کے پاس اس وقت نہ صرف طے شدہ چند نظریات تھے بلکہ اس کی کمالی ہوئی یہ دولت بھی تھی کہ وہ زندگی میں کچھ حاصل کر چکا ہے، ڈونگ چوتھی دہائی میں تھا اور ابھی تک خود کو سالک ہی محسوس کرتا تھا ۱۹۰۹ء میں ڈونگ نے اپنے ایک خط میں یہ اعتراف کیا تھا ”آپ کے اندر جو تحفظ اور سکون ایک خصوصیت کے طور پر موجود ہے، میں ابھی اس کی تلاش میں ہوں۔“ فرائیڈ کو ان دونوں کے درمیان یہ فرق بہت اچھا محسوس ہوتا اور یہ اسے پسند تھا۔

”مجھے عیش یہ محسوس ہوتا ہے کہ میری شخصیت کے اندر کوئی لکی شے ہے کہ میرے الفاظ اور میرے خیالات لوگوں کو انجی سمجھتے ہیں مگر آپ کے لئے سب کے دل کے دروازے دا ہو جاتے ہیں، اگر آپ جیسا صحت مند انسان بھی خود کو اکھڑا ہوا محسوس کرے، تو میرے جیسے شخص کو تو غلبی ہونا چاہئے، ایسا خیال جس کی گرفت میں آنے کے بعد دنیا کے سب دروازے بندے پر بند ہو جاتے ہیں۔“

جیسے فرائیڈ کو شروع شروع میں فلیس (Fliess) کی ضرورت تھی کہ بات کرنے والا

کوئی تو ہو۔ اب وہ زیادہ بہتر بنانے پر ڈونگ پر انحصار کرنے لگا تھا۔ ”ایک پر سکون اعتماد جو مجھے حاصل ہوا جس نے مجھے اس امر پر آمادہ کیا کہ میرے اہل سے باوراء کوئی آواز آنے کی اور وہ اسے قبول کریں۔ وہ آواز تسماری تھی“ (فرانیڈ نے اپنی آخری زندگی میں تقریباً یہی جملہ ایک سے زیادہ شاگردوں کو لکھا تھا وہ کس قدر شوق سے ”مذہب معلوم“ ان کی آواز سننے کا طلبگار تھا۔ ایک خاص وقت تک ان کی شخصیتوں کے ایک کلیدی پہلو نے ان کو باہم اکٹھے رکھا مگر بعد میں ان میں مسلسل تعاون کو جاری رکھ سکتا ناممکن ہو گیا۔ اس کی وجہ آپس میں بناتوں کی تھی، ڈونگ نے اپنے فطری رجحانات کی وجہ سے بدعت اختیار کر لی تھی، اس کے زمانے کی نفسیاتی حکمت کے لئے فرانیڈ کا چیلنج جو دوسرے لوگ اس کے بارے میں محسوس کرتے تھے ڈونگ کے لئے دلچسپی کا باعث تھا۔

”میں شاید خود ہی فاسق (Heretic) ہوں۔“ فرانیڈ نے ایک سے زیادہ موقعوں پر لکھا تھا ان کی ملاقات سے پہلے فرانیڈ نے ڈونگ کو لکھا تھا ”سماجی ابھری میں بڑے ناموں کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، مستقبل ہمارا ہے اور ہمارے خیالات کا ہے، دنیا بھر میں تو ہمارا ہماری آواز پر لبیک کہہ رہے ہیں“ ۱۸۹۹ء میں جب وہ امریکہ گئے تھے تو نیویارک کی بندرگاہ پر فرانیڈ کی ایک بات نے ڈونگ کو چوکا دیا تھا، ڈونگ اس وقت آسٹن کو دیکھ کر بے حد حاشا نظر آ رہا تھا فرانیڈ نے کہا تھا ”کیا وہ سب کچھ من کر حیران نہ رہ جائیں گے جو کچھ ہم نے ان کو بتانا ہے۔“ ---- ڈونگ نے کہا تھا ”آپ بہت مہم جو لگ رہے ہیں“ میں، فرانیڈ بولا تھا ”میں تو بے حد خاکسار قسم کا انسان ہوں اور بالکل مہم جو نہیں ہوں“ پھر ڈونگ کو یاد آیا کہ اس نے فرانیڈ سے کہا تھا ”کیا یہ بہت بڑی بات نہیں ہے۔ آپ اپنی طرح کے واحد انسان ہیں۔“

فرانیڈ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ان دونوں کے مزاجوں کا فرق، جس کے باعث انہیں بالآخر ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑا تھا ان کے کئے ہوئے کام میں بھی نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آ جاتا ہے، پھر فرانیڈ کا یہ بھی خیال تھا ”جب کردار کی تشکیل کے معاملے کو پیش نظر رکھا جائے، تو پھر اس کام میں ڈونگ اس سے بہتر تھا کیونکہ وہ انسان کو اسکی سلیمت کی سطح سے دیکھنے کے بعد گہرائی میں اترتا ہے، جب کہ میرا سفر اس کی اٹنی ست میں ہے۔“ پھر ۱۹۰۰ء میں فرانیڈ نے یہ سوچا تھا کہ ڈونگ کے ساتھ اس کا ملنا بہت اچھی شے ہے اور اس سے اسے

بست فائدہ ہوا ہے۔ میں نے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا ہے، مثلاً اڈلر کے معاملات کے سلسلے میں، اپنی مشکلات کے سلسلے میں، اور اس معاملے میں کہ میں ٹیلی وٹھی کے بارے میں کیا رویہ اختیار کروں، فرائیڈ کو یہ بھی پسند نہیں تھا کہ ڈونگ اساطیر میں دلچسپی لے۔۔۔۔۔ وہ اسے کہا کرتا تھا ”تم جس قدر جلد نبودس کی طرف لوٹ آؤ گے، تمہارے لئے بہتر ہو گا کیونکہ یہی وہ علاقہ ہے جس کے ذریعے ہم نے سب سے پہلے اپنی سلطنت کو مضبوط بنایا ہے، ہر پہلو سے اور ہر شخص کی نظر میں۔“

یہ فرائیڈ کی فطرت تھی کہ وہ بہت جلد گہری دوستی پیدا نہ کر سکتا تھا تاہم جب بھی ایسا ہوتا کہ وہ کسی پر انحصار کرنے کے لئے خود کو آمادہ کرتا تو عام طور پر تعلقات کی یہ گہرائی خط و کتاب تک محدود ہوتی تھی۔ (ایسوں تک فرائیڈ نے جو خط لکھے اور جو وصول کئے ان کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا تھا) مگر ڈونگ کے لئے یہ خط و کتابت زیادہ فیصلہ کن نہیں تھی، فرائیڈ بہر حال محسوس کرتا تھا کہ جب تک خطوط کا آنا جانا لگا رہے گا اس کا مخاطب اس کے قلوب میں رہے گا۔ فرائیڈ کا قلبی تعلق جو وہ اپنے نوجوان ساتھی کے لئے محسوس کرتا تھا کم نہ ہوا تھا۔ پھر ڈونگ ایک ہم عصر ناول فرائیڈ کے مطالعے کے لئے لے کر آیا یہ اس لحاظ سے نہ تھا کہ وہ کوئی ادبی شکار تھا بلکہ اس لحاظ سے کہ فرائیڈ کی نفسیات کے حوالے سے اس کی بہت اہمیت تھی۔ چنانچہ فرائیڈ ڈونگ کو خوش کرنے کے لئے اس کا دیباچہ لکھ دیا تھا۔ فرائیڈ شرم کی ہا ہی میں پلا پڑا تھا مگر ڈونگ کسانوں کے بچوں کے ساتھ سکول جلیا کرنا تھا لہذا زمین سے اس کا رشتہ زیادہ قریبی تھا جب فرائیڈ کے شاکر دلوں میں سے کسی نے کہا کہ ڈونگ کا مزاج خاصہ اکھڑ ہے تو فرائیڈ نے فوراً جواب دیا تھا ”یہ صحت منہ اکھڑین ہے۔“

ڈونگ کی فنی زندگی کئی ضروری پہلوؤں میں فرائیڈ سے بالکل مختلف تھی، فرائیڈ کی بیوی مارٹھا (Martha) کے برعکس ایما ڈونگ (Emma Jung) اپنے خاوند کے کام کو سمجھتی تھی اور خود بھی نفسی معاملے کرنے لگ پڑی تھی۔ ڈونگ اپنی بیوی اور پانچ بچوں سمیت ایک بہت بڑے خاندان کی صورت میں زندگی گزارتا تھا اور یہ خاندان فرائیڈ کے خاندان کے مقابلے میں خوب پہلا پہلا بھی تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ڈونگ کا خاندان کے ساتھ رویہ زیادہ رواجی بنیادوں پر استوار تھا تاہم ایک سائیکس انٹرسٹ خاتون انٹونیہ وولف (Antonia Wolff) جو ڈونگ کی مریض بھی رہ چکی تھی، طویل عرصے تک ڈونگ سے

جنسی روابط رکھے ہوئے تھی، اور بس یہ تعلق ختم بھی ہو گیا تھا تو بھی ان کے روابط دوستانہ ہی رہے تھے اور ان میں قربت بھی برقرار رہی تھی۔ ڈونگ نے اپنی تحریروں میں اس کے کام کے بہت حوالے بھی دیے ہیں۔

ڈونگ کے دوسری عورتوں کے ساتھ تعلقات ابھی مکمل کر سامنے نہیں آئے لیکن گلتا ہے کہ ڈونگ کے تعلقات کئی عورتوں کے ساتھ تھے، یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا کبھی اس نے ان تعلقات کے بارے میں فرائیڈ سے بھی گفتگو کی تھی یا نہیں۔ ڈونگ کے اندر بہت سی عورتوں کے ساتھ بیک وقت تعلق قائم کرنے کا جو رجحان تھا ڈونگ اسے بہت اچھی چیز سمجھتا تھا اور کہا کرتا تھا ”ایک کامیاب شادی کے لئے ایسا ہونا ضروری ہے کہ۔۔۔۔۔ بے وفائی کرنے کی اجازت پیش موجود رہے۔“ ایسا ڈونگ نے بہر حال اپنی شادی شدہ زندگی کے بعض مسائل پر فرائیڈ سے ضرور گفتگو کی تھی۔ اس نے یہ بھی کوشش کی تھی کہ فرائیڈ کی زندگی میں فلیس کی پدی سے تعلق روپ اختیار کرے، اس نے کہا تھا مجھے ان عورتوں میں مت شمار کرنا جس کے بارے میں، آپ نے کہا تھا کہ ”وہ دوستیوں کو تباہ کر دیتی ہیں۔“

اگرچہ فرائیڈ کا رویہ اپنے شاگردوں کے ساتھ الگ تھلک اور کھینے کھینے رہنے کا تھا مگر ڈونگ کے سلسلے میں اس کا رویہ یہ نہیں تھا ان میں خاص بے تکلفی بھی تھی۔ اس نے ڈونگ کی پدی کو یہ بتا دیا تھا کہ مادہ تھا کے ساتھ اس کی شادی شدہ زندگی میں جنس کو بہت کم دخل رہا ہے پھر ۱۹۴۰ء میں اس نے ڈونگ کو لکھا تھا ”میری زندگی کا وہ گرم شہوانی موسم، جس کے بارے میں میں نے تم سے سیاحت کے دوران بات کی تھی کام کے بوجھ تلے جلد ہی دب گیا تھا۔“

بعد کے برسوں میں جب فرائیڈ اور اس کے شاگرد ڈونگ کو بڑی کامیابی دے رہے تھے اور اس کے بچپن کی جنسی زندگی کے حوالے سے مذاق اڑاتے تھے۔ تو ڈونگ یہ سوچ کر یقیناً مسکراتا ہو گا کہ حقیقت میں جنسی سطح پر اس نے فرائیڈ سے کہیں زیادہ آزادی کی جنسی زندگی گزاری تھی، ڈونگ نے فرائیڈ کا جنسی نظریہ مسترد کیا تھا لیکن یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اسے ذاتی طور پر جنس کو اہمیت دینے کی ضرورت فرائیڈ سے کہیں کم تھی۔

آکٹ:

فرائیڈ اور ڈونگ دونوں ہی کو عقلی علوم (Occult) میں دلچسپی تھی اور ایک بار فرائیڈ نے لکھا تھا کہ وہ دو موضوع جو ہمیشہ ہی اسے تنگ کرتے رہے ہیں، وہ آکٹ اور پرا نفسیات (Parapsychology) کے مسائل تھے اور یہی طویل عرصے سے ڈونگ کی دلچسپی کے مرکز تھے۔ فرائیڈ کو اس بات پر اچھی خاصی پریشانی تھی کہ ٹیلی ڈیٹھی (Telepathy) یا انتقال خیالات (Thought Transference) جیسا کہ وہ عام طور پر ان کو نام دیتا تھا) کا اطلاق خود اس کے کام پر بھی کسی حد تک کیا جاسکتا ہے مگر فرائیڈ اور ڈونگ دونوں ہی یہ جواز رکھتے تھے کہ انہوں نے زندگی بھر اس میں اپنی اپنی دلچسپیوں کو قائم رکھا تھا۔

جب فرائیڈ نے خوابوں کی زندگی کا مطالعہ شروع کیا تھا تو اس وقت ہی یہ شبہ ظاہر کیا جانے لگا تھا کہ وہ مسک ہو گیا ہے، یا وہ فیئر سائنسی رویہ اختیار کئے ہوئے ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ فرائیڈ نے اس زمانے کی عام ٹیلا سائنسی حکمت کو نظر انداز کیا اس کی بجائے اس نے اس لوک رویے کو اپنایا کہ خوابوں کے اپنے طور پر کچھ معانی ہوتے ہیں۔ ٹیلی ڈیٹھی اور خواب دونوں ہی سائنس دانوں کے تضادات کے بڑی طرح شکار ہو رہے تھے۔ مگر فرائیڈ نے اس امر کو ضروری سمجھا کہ وہ ان دونوں میدانوں میں تحقیق و تحقیق کر کے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

آکٹ میں اپنی دلچسپیوں کے جواز کے طور پر فرائیڈ نے پھر سے خوابوں کے سلسلے میں اپنی دریافتوں کی طرف رجوع کیا۔

انسان کو اپنا رنگ دکھانا چاہیے اور اپنے زمانے کی افواہوں پر کان نہیں دھرنا چاہیے، اس سے پہلے زمانے میں بھی ایسے ہی سیکڑل رہے ہیں۔۔۔۔۔ شاید ان مواقع پر زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔۔۔۔۔ ذرا کم بیانے پر مجھے زندگی کے ان تجربات کو دہرانا ہے اور مجھے اپنے ہی عزم و ہمت کو بروئے کار لانا ہے، ڈٹے رہنا ہے اور بیرونی دنیا کی بازگشت کو خاطر میں نہیں لانا ہے۔

جتنی فرائیڈ کو سامعین کی ضرورت تھی، اتنی ہی ضرورت اس کو تخلیق کی بھی تھی۔ فرائیڈ کا ایمان تھا کہ اس نے خوابوں کو تصوف کے غنیمتوں سے بازیافت کیا ہے۔ ایک زمانے تک دیوانگی کا تعلق ہی خوابوں کے ساتھ ایک عجاز کے طور پر قائم کیا جاتا رہا تھا لہذا جب فرائیڈ نے یورس کا مطالعہ شروع کیا تو اس نے خود کو اس بات کا بھی حقدار جانا کہ آکٹ کے دھند سے آنے ہوئے رستے میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔

فرائیڈ کے خیالات کی بنیادی دلچسپی ان لوگوں سے مستعار تھی، جو پیرا نفسیات کے مظاہر میں دلچسپی رکھتے تھے۔ فرائیڈ کے شاگردوں میں ڈونگ اس میدان میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ اس نے تو زائچوں (Graphology) علم نجوم (Astrology) اور حتیٰ کہ کیمائری (ALCHEMY) میں تانک جھانک شروع کر دی تھی اور بعد میں تو اس نے اژن عشقوں کو بھی اپنا موضوع بنا لیا تھا۔ ڈونگ کے دل میں مذہبی تصوف کے لئے بھی نرم گوشہ موجود تھا۔ بلکہ اس نے تو زعموں اور مردوں کے درمیان گفتگو کے امکان پر بھی غور کیا تھا۔ یہ چند عناصر ڈونگ کے کام کے اندر ایسے تھے، جنہوں نے جونز (JONES) جیسے مخالفین کو یہ موقع دیا تھا کہ وہ ڈونگ کو تنگی کہہ کر رد کر دیں، تنگی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو نہ تو صاف طور پر سوچ سکتے ہیں اور نہ ہی ان میں اشتغال ہوتا ہے۔ اس کے لئے جونز نے Breezy Personality کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ پھر اس نے ڈونگ کو الجھا ہوا ذہن بھی کہا تھا اور متصوفانہ لائسنس کا بھی شکار قرار دیا تھا۔

جونز کی یہ شدید ترین فقرے بازی مجموعی طور پر ڈونگ کے عمومی کردار کے بارے میں ہی نہ تھی، بلکہ کام کے بارے میں بھی تھی۔ یہ شاید اسی وجہ سے بھی تھا کہ ایک زمانے میں جونز پریشان رہا تھا کہ ڈونگ بہت بڑی طرح فرائیڈ پر اثر انداز ہو رہا ہے، پھر جونز نے زندگی کے آخر دنوں میں فرائیڈ کو خبردار کیا تھا کہ وہ ٹیلی ویشن کے سلسلے میں اس قدر سنجیدگی سے دلچسپی نہ لے۔ جونز کی اس تشویش میں کچھ دوسرے لوگ بھی شریک تھے۔ ان میں کارل ابراہام (Karl Abraham) خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ زچ رچ کے ان رجحانات سے بہت متاثر تھا جسے وہ آکٹ، اسٹولوجی، اور سٹی سزم کا نام دیتا تھا۔۔۔۔۔ فرائیڈ نے ابراہام کو یقین دہانی کرائی تھی کہ ڈونگ کی وجہ سے تحلیل نفسی کی بنیاد پڑے نہ پائے گی۔ یہ بات ہم یودیوں کے

لئے کیس زیادہ آسان ہے، کیونکہ ہمارے اندر متصوفانہ عناصر نہیں ہیں۔

یہ بات میرے لئے تعجب کا باعث ہے کہ یہودیوں کے ہاں متصوفانہ عناصر نہیں ہیں، معلوم نہیں یہ بیان فرائیڈ نے کسی نقطہ نظر سے دیا ہے۔ حالانکہ یہودیوں کے اندر تصوف کی ایک پوری تحریک قدیم زمانے سے موجود تھی۔ کئی چھوٹے چھوٹے گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں، جو ان متصوفانہ خیالات کو آگے بڑھاتے رہے ہیں۔ ایسے (Essne) فرقہ جن کے اعتقالات جو عیسائیت کا بنیادی عنصر قرار دیا جا رہا ہے، تصوف ہی کے حوالے سے دنیا کو دیکھتے تھے۔ جب فرائیڈ نے Moses And Monotheism ("موسیٰ اور وحدانیت" نکلی تھی) تو کم از کم اس زمانے میں تو اسے یہ اعزاز ہو گیا ہو گا کہ یہودیت کے اندر تصوف کس حد تک موجود تھا۔ یہ موقعہ تفصیل میں جانے کا نہیں، مگر اتنی بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ قبلہ (Kabala) بنیادی طور پر متصوفانہ اثرات کی حامل ہے۔ بلکہ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تصوف کی مضبوط ترین تحریکوں میں سے ایک ہے۔ بسا اوقات یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ دنیا بھر کا تصوف اس تحریک سے متاثر ہوا ہے۔ جہاں تک بحیرہ مردار (Dead Sea) کے سکرولز (Scrolls) کا تعلق ہے، اس کا طم فرائیڈ کو نہیں تھا کیونکہ وہ اس کی موت کے نو برس بعد دریافت ہونے شروع ہوئے تھے، اور اب تو سنجیدہ علمی حلقے بھی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ عیسائیت کی بنیاد انہیں معتقدات پر رکھی گئی تھی۔ حضرت عیسیٰ کے اعتقالات ایسے پر منحصر تھے، بعد میں بحث پال نے اس میں ترمیم کر کے اسے رومنوں کے لئے قابل قبول بنایا تھا۔ مگر یہ بحث ہم سے متعلق نہیں ہے۔ صرف یہ عرض کرنا ہے کہ تصوف کے اثرات خود یہودیت کے اندر خاص گہرائی تک پہنچے ہوئے تھے۔

اس وقت اسرائیل کی ریاست میں اور دیا سپورا (جو یہودی اسرائیل کے باہر آباد ہیں) دو طرح کے یہودی موجود ہیں، ایک تو وہ ہیں جو غاصے مذہبی ہیں اور دوسرے آزاد خیال ہیں۔ مذہبی یہودیوں میں تصوف کے اثرات خاصہ نمایاں ہیں۔ ممکن ہے فرائیڈ کے اس حلقے کا تعلق محض آزاد خیال یہودیوں کے ساتھ ہو۔

اگرچہ فرائیڈ کے سوانح نگار ہرنز نے جو کتاب تین جلدوں میں لکھی ہے، اس میں وہ فرائیڈ پر آکٹ یا علوم حقیقہ کے اثرات کے حلقے میں ماضی تک بھی گیا ہے مگر اپنے پر تفلیک روپے کے باعث وہ ان عوامل کو ٹھیک سے سمجھ نہیں پایا اور اس نے ان اثرات کو سوانح سے

خارج کر دیا یہ پال روڈن کا خیال ہے) اگر فرانیڈ کے ساتھیوں کے کام پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ سمجھنا ممکن ہے کہ ٹیلی ویشی کے مسائل نے فرانیڈ پر کیا اثرات مرتب کئے تھے۔ مثل کے طور پر سینڈور فرنی، جو فرانیڈ کا دوست بھی تھا اور ہنگری کا اہم ترین ماہر تحلیل نفسی بھی تھا، وہ ٹیلی ویشی کی حقیقت کو نہ صرف مانتا تھا بلکہ اس پر اصرار بھی کرتا تھا۔ ایک بار فرانیڈ نے فرنی کے مطالعات کو بطور شواہد پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ تحلیل نفسی کے نظام کے اندر فرنی آزادانہ طور پر ان نتائج تک پہنچا ہے۔ اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ تحلیل نفسی کے اندر جو بدلتی ہوئی تھیں ان کی وجہ یہ تھیں تھیں کہ فرانیڈ ضرورت سے زیادہ اطاعت کا خواہش مند تھا۔

فرنی (Ferenczi) تو اس بات کا قائل تھا کہ پیش گوئی کی جاسکتی ہے اور پہلی جنگ عظیم کے پہلے وہ وی آنا کی تحلیل نفسی کی سوسائٹی میں ٹیلی ویشی کے ایک ماہر کو ملاکات کے لئے آیا تھا۔ کوئی شخص کلفز پر کچھ لکھتا اور معمول (Medium) یہ اندازہ لگاتا تھا کہ کلفز پر کیا لکھا گیا ہے۔ جب بھی اس کے شاگردوں میں سے کوئی کسی ایسے خواب کو بیان کرتا تھا جس میں ٹیلی ویشی کا عنصر موجود ہو، کوئی ایسا کام جو کسی شخص کو کرنے کی ہدایات کی جائے۔ فرانیڈ اس بات سے انکار کئے بغیر کہ یہ مظاہر موجود ہیں اپنے مقلدین سے کہتا تھا کہ وہ اس سطح میں احتیاط کریں۔ ۱۹۱۰ء میں وی آنا سوسائٹی کی جو کانفرنس ہوئی تھی اس کی روداد میں یہ درج ہے ایک طویل فیورس مکتفو اور بحث۔ روحانیت، عقلی علوم اور غیب بینی (Clairvoyance) کے بارے میں۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران حالات ایسے تھے کہ خود تحلیل نفسی کے وجود کے باقی رہ جانے کے متعلق یقین سے کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا ان حالات میں ٹیلی ویشی جیسے مسائل کو شل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ فرانیڈ نے کم از کم اتنا تو کیا کہ وہ پبلک کے سامنے خود کو شک و شبہ میں پڑا ہوا ظاہر کرتا رہا۔ پھر ۱۹۱۰ء کی سوسائٹی کی میٹنگ میں جنوں روحانیت، آکٹ ازم اور غیب بینی کو زیر بحث لایا گیا تھا تو فرانیڈ نے کہا۔ اگر ایسی چیزیں واقعی موجود ہیں تو پھر یہ فعلیاتی (Physiological) ہو سکتی ہیں، نفسیاتی نہیں، پھر یہ لگتا ہے کہ موضوعی طور پر ایسے ہیں جو غریب دیتے ہیں۔ تاہم فرانیڈ کے دلداد ترین شاگرد ٹیلی ویشی اور آکٹ ازم کے بارے میں سمجھتے لکھتے رہے۔ جو اس بات کی غمازی بھی تھی کہ فرانیڈ کی اپنی

دلچسپی بھی ان موضوعات میں سے قسم نہیں ہوتی تھی۔

اگرچہ فرائیڈ ٹیلی بیٹھی اور عقلی علوم کے سلسلے میں کھلا دماغ رکھتا تھا مگر وہ پراسرار اور معجزات کی اہمیت کے بارے میں سخت رویہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ جب فرائیڈ نے یہ لکھا تھا "خوش اعتقاد اور معجزات میں عمومی اعتقاد انسانیت کے ایسے رجحانات ہیں، جن کو ہر صورت میں تحلیل نفسی کو فتح کرنا چاہئے۔ یہ بھی شبہ کیا جاتا ہے کہ عقلی علوم میں دلچسپی حقیقت میں مذہبی وجوہات کی بناء پر ہے" اور یہ بنیاد ہمارے نزدیک کسی بھی مضمون کے لئے بدترین بنیاد ہے۔ پھر فرائیڈ نے اس امر پر التماس کا اظہار کیا "جب تحلیل نفسی اور آکٹ ازم ایک دوسرے کا آئنا سامنا کرتے ہیں، تو اول الذکر تمام ذہنی حلقوں کو اس کا مخالف پاتا ہے اور یوں بڑی گربوشتی اور پراسرار بھرپوری سے اس کا استقبال کیا جاتا ہے۔" فرائیڈ کے نزدیک جب مخالفت ہوتی تھی، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی سچائی تلاش کر لی گئی ہے، اور گربوشتی اور پراسرار بھرپورانہ استقبال کا مطلب تھا کہ لوگ اس پر ایمان لانے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔

چونکہ فرائیڈ کا خیال تھا کہ انسان کے اندر مصروفانہ جذبات مٹائے نہیں جاسکتے، اور وہ اپنے طور پر شدید کوشش کرتے رہتے ہیں کہ مصروفانہ اہمیت جو تعبیر خواب کے باعث کھودی گئی ہے دوبارہ حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ اس طریقے سے فرائیڈ نے مصروفانہ انگلیوں کے کردار کو بیان کیا تھا اور آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ غیر واضح اور پاک ذات انگو کی وہ اہمیت ہے جو اصل میں اڈ (ID) ہے۔ وہ انسانی احساسات جو فرائیڈ نے مصروفانہ اعتقادات کے پس منظر میں دیکھے تھے۔ ان کا رشتہ دوسرے ایسے جذبات کے ساتھ تھا جن کو سمجھنا یا برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔

پلائیڈری کا احساس یا احساس بحر آسا (Oceanic Feeling) فرائیڈ کی عقلی حیثیت کے لئے اہم کرنا آسان نہیں تھا ہوں گئے تھا کہ وجد کی سی یہ کیفیت فرائیڈ کے اسی دانشورانہ جملہ روپے کے خلاف تھی، جو اسے بے مد عزت تھا۔

فرائیڈ کے نزدیک سائنس کا جوہر یہ تھا کہ وہ اصول لذت (Pleasure Principle) سے ذہنی عوامل کا معزین انحراف پیش کرتی تھی، اسے اس بات پر

فہم تھا کہ وہ اس ذاتی طبعیت (Causation) کا نمائندہ ہے۔ یہ وہ میدان ہے جہاں عقل مشترک (Common Sense) کسی مسئلے کے موجود ہونے کا ادراک بھی نہیں کر سکتی۔ وہ اس نقطہ نظر کو رد کرتا تھا کہ وہ غیر دائم اور غیر متعلق فیصلوں کے بارے میں ہے، جن کے بارے میں ہمیں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمیں اس کے برعکس کچھ کرنا چاہئے تھا۔ ہمیں چاہئے تھے کہ ہم آزادانہ فیصلہ کرتے، جو ان عوامل سے بالکل الگ تھلک ہوتا۔ اگرچہ فریڈز اپنی سائنس میں کچھ کڑے کیلئے حقائق بھی لے آیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ لوگ اسے پسند نہیں کریں گے مگر اس کے ساتھ ہی اسے وہ اتفاق (Chance) کی اہمیت کو بھی تسلیم کرنا تھا۔ ”میں ہروئی (حقیقی) چانس میں ایمان رکھتا ہوں۔ یہ بات درست ہے مگر میں اندرونی (سائنسی کل) انتقالی واقعات کا قائل نہیں ہوں۔ تو اہم پرست لوگوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جو شخص واقعی حقیقت کا قائل ہے۔ فریڈز کے خیال میں اس کے لئے ہر جگہ طبعیت تلاش کرنا بھی تو اہم پرستی تھی۔ جب کے انطباق (Coincidence) واقعی رونما ہوتے ہیں۔ اس مقام پر فریڈز ڈونک کی ہم وقتیہ (Synchronicity) کے تحت قریب پہنچ گیا تھا۔ یہ پوزیشن شاید ہائیزن برگ (Heisenberg) کے اصولی لامعین (Principle Of Uncertainty) کے بھی قریب ہے۔ مگر فریڈز کی عمومی نفسیات میں، یہ ایک طرح کا تضاد کما جاسکتا ہے۔ فریڈز چونکہ دو کو نیت کا قائل تھا لہذا اس کی نفسیات مجموعی طور پر متاثر نہیں ہوتی۔ وہ اس بات کے بھی خلاف تھا کہ پراسرار لاشعور کو غلو کی حد تک خراج پیش کیا جائے۔ اس بات کو فراموشی کرنا کس قدر آسان ہے کہ خواب دوسرے خیالوں کی طرح ایک خیال ہوتا ہے۔

فریڈز اس سلسلے میں اس قدر دور تک چلا گیا کہ اس نے انسانی نفسیات کے اندر وجدان (Intuition) بھی سے انکار کر دیا۔

”کائنات میں مشاہدے کی بنیاد پر احتیاط سے حاصل ہونے والے عقلی مواد کے علاوہ“
 علم کا کوئی اور ذریعہ موجود نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں جس شے کو ہم تحقیق (Research) کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی ایسا علم نہیں ہے، جو کشف و وجدان یا غیب دانی سے ہوتا ہو۔۔۔۔۔۔ اگر وجدان اور غیب دانی موجود ہوتے، تو وہ تحقیق کا حصہ ہوتے، ان کو بہت آسانی کے ساتھ دایہ (Illusion) قرار دیا جاسکتا ہے، یعنی کسی

جب ہم کسی شے کو وجدان، کشف یا طیب بنی کا نام دیتے ہیں، تو گویا ہم اسے فضولیات کے ذمرے میں شمار کرتے ہیں۔ کہیں فرائیڈ نے یہ بھی لکھا تھا ”ہم دلی (Empathy)۔۔۔۔ اس تقسیم میں بہت زیادہ کردار ادا کرتی ہے، جو شے ہم دوسروں میں دیکھتے ہیں، جو ہمارے ایلو سے باہر ہوتی ہے“ مگر اس کے باوجود وہ اس حد تک عقلیت پسند تھا جب نظریات کو تشکیل دینے کا وقت آیا، تو انہوں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میں نہیں سمجھتا کہ اس قسم کے کاموں میں وجدان کا بھی کوئی ہاتھ ہوتا ہے“ اور پھر یہ کہ ”جو کچھ میں وجدان کے بارے میں نہیں جانتا ہوں وہ مجھے عقلی غیر جانبداری ہی کی پیداوار نظر آتی ہے۔“

جیسا کہ اس کے ایک سوانح نگار نے مشاہدہ کیا، فرائیڈ کے دو واضح رخ ہیں:

”ایک اس کا تاریک، جذباتی، خود لاپرواہی اور توانائی رخ ہے جو بےادائیت جذباتیت کی سطح تک بھی چلا جاتا ہے مگر اس کے باوجود اس میں خوش دلی کا عنصر بھی موجود ہے۔ دوسرا رخ دانشورانہ ہے، جس میں دلیل بازی خاصی حد تک موجود ہے۔ یہاں وہ اپنی غلطیوں کو فوراً تسلیم کرنے کے لئے تیار رہتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ کوئی انہیں ثابت کر دے، پھر اس میں اصول وضع کرنے کا رجحان بھی ہے اور وہ ہر شے سے سچی بھی حاصل کر لیتا ہے۔“

جوں جوں فرائیڈ کی عمر بڑھتی گئی، اس کے دو پہلو۔۔۔۔ نامعلوم کا روانوی پہلو اور مشاہدہ کئے جانے والے عوامل کا عقلی سائنسی پہلو۔ زیادہ سے زیادہ واضح ہوتے چلے گئے۔ فرائیڈ کے وہ پہلو جن کا مشاہدہ اس کے شاگرد پہلے پہل کیا کرتے تھے اور ان کو محض اس کی ذاتی تنگی عادات (Eccentricities) سمجھتے تھے، بعد میں ٹیلی ویشن کے وجود کی موافقت سے منسلک نظر آنے لگیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ انتقال خیالات میں اس کا ایمان لے آئے فرائیڈ کی زندگی کے ایسے حصے میں نمودار ہوا جس کا تعلق ۱۹۴۰ء سے ہے، جب وہ تحلیل نفسی کے فنکارانہ پہلو کی بجائے سائنسی رویوں پر زیادہ سے زیادہ زور دے رہا تھا۔ اگرچہ اس کے یہ رجحانات اس وقت ظاہر ہوئے تھے، جب ڈونک اس کے محلے کو چھوڑ کر چاچکا تھا۔ اگر یہ جاننے کی خواہش ہو

کہ وہ دونوں کیسے اکٹھے ہوئے تھے اور ان کے جدا ہو جانے کا سبب کیا تھا تو فرانیٹز کی زندگی کو مجموعی طور پر دیکھنا پڑے گا۔

”فرانیٹز نے ۱۹۱۱ء میں لکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مارٹا سے اس کی منگنی ہوئی تھی، وہ زمانہ جب میں ایک انجینیئر میں (پیرس) آگیا رہتا تھا اور میں اس زمانے میں نوجوان آدمی تھا۔ اس زمانے میں مجھے واضح طور پر یہ لگتا تھا کہ کوئی اچانک بہت محبت بھری آواز میں میرا نام پکارتا ہے۔ اس میں غلطی کی گنجائش ہی نہیں تھی، پھر میں نے یہ نوٹ کرنے کی غلطی کہ یہ نکل بھ پر کب وارد ہوتا ہے اور اس کا صحیح وقت میں نے نوٹ کیا تھا اور بڑے تجسس سے یہ معلومات حاصل کی تھیں۔ اس وقت میرے گھر میں کیا واقعہ ہوا تھا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔“

۱۹۲۳ء میں، بہر صورت ٹیلی ویشن کے سلسلے میں فرانیٹز کا رویہ اس قدر تبدیل ہو چکا تھا کہ جس تجربے کو اس نے کبھی جل اور فریب (Hallucination) قرار دیا تھا کہ اس کے بارے میں اس نے کہا۔

”مجھے یہ بات اب تسلیم کرنی پڑے گی کہ پچھلے چند برس میں مجھے کچھ ایسے بالکل تجربات ہوئے ہیں، جن کو صرف ٹیلی ویشن یا انقلاب خیالات کے حوالے ہی سے بیان کیا جاسکتا ہے۔“

فرانیٹز نے کم از کم ٹیلی ویشن کے ایک حاضرہ (Seance) میں ضرور شرکت کی تھی۔ اس کے دل میں اس وقت آکٹ کے لئے اتنی ہی گنجائش تھی، جتنی گنجائش ساوہ لوح نفسیات دان ولیم جیمز (William James) کے دل میں کبھی موجود تھی۔ اس محفل میں شرکت کرتے وقت اصولی طور پر فرانیٹز مردوں سے گفتگو کا خواہش مند نہیں تھا بلکہ وہ تو زندوں کے ساتھ انقلاب خیالات کرنا چاہتا تھا۔ اسے اس بات کی خوشی بھی تھی اور وہ اس امر سے گریزاں بھی تھا کہ دو انسانی ذہن بغیر شعور کے بل کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مواصلاتی تعلق قائم کریں گے۔ فرانیٹز کے لئے ٹیلی ویشن بہت جلدیبت رکھتی تھی، کیونکہ اس کے ذریعے وہ لا شعور کی اہمیت کو ابھار کر رکھتا تھا۔ مگر اس کو خوف تھا کہ یہ سمجھا جائے گا کہ ہم نے سائنس

کے جلوے کو خیرباد کہہ کر پھر سے توہمات کا راستہ اختیار کر لیا ہے، ایک بار تو اس نے والدہ اور بیٹے کے باہن ٹیلی وٹھی کو بڑی طرح رو کیا تھا اور کہا تھا کہ ان میں لاشعوری ذہن اس قدر تھا کہ اسے کسی ٹیلی وٹھی کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ اس کے حوالے سے اس کی تشریح کی جاتی۔

پھر کیرز کے آئناذ یعنی ۱۸۸۹ء کی تحریر کا حوالہ دیتے ہوئے فرانیٹز نے کہا تھا کہ ہر فیرواخ مساکل پیٹنوم کے گرد جمع ہو گئے ہیں، اس میں انتہائی خیالات بھی شامل ہے۔ پیٹنوم پر اس کا انحصار اس قدر تھا کہ شروع شروع میں اس نے اسے ٹھنک کو بلور طریقہ علاج پہنچا تھا۔ فرانیٹز اس زمانے میں بھی یہ جانتا تھا کہ انسانی سانچگی کے اندر ایسے عوامل بھی ہیں، جو محرکی طرح نظر آتے ہیں۔ پھر اس نے یہ بھی سوچا کہ نیند کی حالت ٹیلی وٹھی کے پیٹنات کے لئے خاص طور پر موزوں ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ تعبیر خواب کے بارے میں اپنی معرکتہ الارا کتاب لکھنے سے پہلے وہ انتہائی خیالات کی مطلق پر غور کر رہا تھا۔ فرانیٹز نے نہ صرف اس حقیقت کو بیان کیا تھا کہ نیند کی حالت ٹیلی وٹھی کے لئے موزوں ہوتی ہے۔ بلکہ شاید اس کا یہ خیال بھی تھا کہ نیند ایک عارضی موت ہے اور پھر اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ شاید اسی لئے ٹیلی وٹھی کے اکثر پیٹنات کا تعلق موت سے یا موت کے امکان سے ہوتا ہے۔

اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ فرانیٹز ٹیلی وٹھی کے بارے میں جانب دار تھا یا نہیں تھا مگر موت کے ساتھ اس کا تعلق اس قدر شدید تھا کہ اسے توہم کا درجہ بھی دیا جاسکتا ہے۔ پھر اس نے بعد میں جیلپے مرگ بھی دریافت کی تھی اور اسے اپنی پوری مابعد انفسیات (Metapsychology) کی بنیاد بنایا تھا۔ مگر شروع شروع کے زمانے میں بھی اس کا یہ حال تھا کہ وہ جب کسی ایسے شخص کو ملتا جو شکل و صورت میں اس کا مشابہ ہوتا تو اسے لگتا کہ یہ موت کی ڈشٹن کوئی ہے۔ پھر اس نے کھلے عام یہ بھی لکھ دیا تھا۔ ”اپنے لاشعوری خیالات کے مطالعے سے مجھ پر یہ کھلا ہے کہ کچھ خیالات تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ میرے اندر ایک توانائی رجحان پیدا ہو گیا ہے، اور ہر بار ان اعداد کا تعلق کسی نہ کسی طرح میری موت سے نکل آتا ہے۔“ عام طور پر میرے ساتھ یہ واقعہ ہوتا ہے کہ میں اپنی زندگی کی موت اور اپنے عزیزوں کی زندگی کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ ”۔۔۔۔۔ جو نرنے لکھا تھا کہ جب فرانیٹز ساتھ برس کا ہوا تھا تو اسے یہ خیال تھا کہ اس کی زندگی محض دو برس باقی رہ گئی ہے“ اور پھر جب وہ اٹلی گیا تھا تو وہاں اس کا ہنسہ بار بار اس ذہن پر سوار ہو جاتا تھا۔ مختلف اوقات میں اس نے یہ سوچا

کہ وہ کسی خاص وقت مرنے والا ہے، جب اس کی عمر ۸۷ برس ہوئی تھی تو وہ یہ سوچنے لگا تھا کہ وہ بھی اس عمر میں مرے گا جس عمر میں اس کا باپ فوت ہوا تھا۔

نئی حتمی کے بارے میں فرائیڈ کے خیالات کا تعلق غلطی ہونے کے تصور (Mortality) سے تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی چونکہ فرائیڈ جذبات میں دو گویت (Ambivalence) کا قائل تھا اس لئے تھا اور بتائے دوام اس کے لئے ایک ہی خانے میں فٹ ہونے والی چیزیں تھیں۔ لہذا ہم اسے بتائے دوام کو خواہش بھی کہہ سکتے ہیں، ممکن ہے کہ فرائیڈ یہ محسوس کرتا ہو کہ جو کام وہ کر رہا ہے، اس سے اسے بتائے دوام حاصل ہو گا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے یہ بھی محسوس ہوتا ہو کہ وہ جسمانی طور پر پیشہ موجود نہیں رہے گا۔ ایلو کے گویا دو حصے تھے جن میں سے ایک قائم رہنے والا تھا اور دوسرا فنا ہو جانے والا، یا ممکن ہے یہ اسی طرح کی جذباتی کیفیت بھی تھی ہو، جو پٹا باپ کے سلسلے میں اور بی بی مل کے سلسلے میں محسوس کرتی، یعنی ایڈی پس حالت۔۔۔۔ جس میں ایک ہی معروض کے ساتھ محبت بھی کی جاتی ہے اور نفرت بھی، اسے فرائیڈ محبت۔ نفرت کا رشتہ کہتا ہے۔ یہ اسی طرح کا تعلق ہے جو آئن سٹائن نے ہمیں کی جتوں (Dimensions) کا وقت کے ساتھ قائم کیا تھا اور زمان کو مکان کی چوتھی ابعاد بنا دیا تھا۔ فرائیڈ کا خیال تھا کہ ڈبل (Double) کا یہ تصور بنیادی طور پر اس بات کی یقین دہانی تھی کہ ایلو کے اندر تحریک کاری نہ ہو اور موت کی قوت سے عملی طور پر انکار کرنا ممکن ہو سکے۔ پھر آئوریک (Otto Rank) نے کہا تھا ”تھنا نہ ہو سکتے والی روح جسم کا پہلا ڈبل تھی، جیسے وقت کے تین ابعاد ہمیں سے متعلق ہوتے ہیں۔“

جب بھی فرائیڈ کے کسی خیال کو بیرونی حقیقی دنیا میں ڈپلیکیٹ (Duplicated) کیا گیا اس کے توازنات جاگ اٹھے۔ ۱۹۰۶ء میں فرائیڈ کی پچاسویں سالگرہ پر ایک میڈل بنایا گیا، جس پر سوفوکلیز (Sophocles) کے ایڈی پس ریکس (Oedipus Rex) کا ایک مقولہ درج تھا۔ ”کس نے ابو السول کا معرہ حل کیا اور سب سے طاقتور آدمی کون تھا؟“ مگر فرائیڈ کو یہ الفاظ اچھے نہ لگے۔ یہ کھلا کہ جب وہ دی آنا یونیورسٹی میں پڑھتا تھا تو، اس نے یہ الفاظ اپنے ایک کچ کے لئے سوچے ہوئے تھے۔ جب اس کی نظر میڈل کے پیغام پر پڑی، تو اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔۔۔۔۔ اس نے بڑی اذیت کے ساتھ اور گھٹنی ہوئی آواز پوچھا کہ ان الفاظ کا خیال کس کو آیا تھا۔ فرائیڈ اپنی یادداشت کے سلسلے میں بہت حساس واقع ہوا تھا، یادداشت کا انتخاب اور

اس کے اندر ہونے والی تبدیلیاں منطقی طور پر اس کے لئے بہت دلچسپی کی حامل تھی۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عقلی نفسی کا طریق کار عملی طور پر یادداشت پر انحصار کرتا ہے۔ جہاں یادداشت میں کوئی رکاوٹ آئی ہے، تو یہ گویا خط کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ جب ہم یادداشت کے باغذ تک رسائی حاصل کر لیں تو خط (Complex) غائب ہو جاتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ خط یا کمپلکس ایک گرہ ہے، جو یادداشت کے اندر پڑ گئی ہے، جب اسے کھول دیا جائے تو جذباتی ہماؤ بغیر کسی رکاوٹ کے آگے سڑ کرنے لگ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے جو تحقیق کی تھی، اس میں دانشوروں کا تعلق متنازعہ فنی احسانات سے تھا۔ پھر وہ جو کچھ پر اسرار عنوان Rubic Of Uncanny کے تحت زیر بحث لایا تھا اگر وہ قابل فخرین نہیں تھا تو کم از کم ایس س کن ضرور تھا۔ اس کے لئے پر اسرار کا مطلب نہ قابل قبول تھا۔ ہر ایک مضمون میں اس نے اس کا تعلق خوفناک سے جوڑا تھا، پھر ہال روزن کا یہ بھی خیال ہے کہ پر اسرار کے اندر خود فرانیٹز کی تشویش بھی شامل تھی۔ ایک ایسا انسان جس کو دوستوئسکی (Dostoyevsky) کی طرح ذہل میں اس قدر دلچسپی تھی، وہ ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ شعور ضرور رکھتا ہوگا جو ان موضوعات کے بارے میں معلومات رکھتے تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ فرانیٹز نے پر اسرار کے بارے میں تقسیم کے لئے جو گنجائش پیدا کی ہے، اس کے بارے میں اسے یہ دعوے نہیں ہے کہ اس کا موجود ہونا ضروری ہے۔ ایک مضمون جو اس نے پہلی جنگ عظیم کی جان لیوا غنائی کے دور ان لکھا تھا۔ اس میں وہ کہتا ہے:

میں نے لوہ کو پوری طرح کھنگالا نہیں ہے۔ خاص طور پر غیر ملکی ادب کو، اپنی ان عکسرات، معروضات میں، ان وجوہات کی بناء پر جن کا اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے اس مصرعے تعلق رکھتی ہیں، جس میں ہم آباد ہیں۔ لہذا میں اپنی معروضات کو پیش کرتے ہوئے یہ بھی نہیں کہتا کہ ان کے ساتھ مزید سلوک کیا جائے۔

فرانیٹز کا جھنڈا (Adler) اور سٹیکل (Stekel) سے کہیں ہوا، یہ سمجھنا آسان نہیں ہے اور فرانیٹز کی ترجیحات کو سمجھنا بھی آسان نہیں ہے۔ اگرچہ وہ درست ہو سکتی ہیں مگر عام طور پر اس کی تشویش کی پیداوار ہیں، اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ آئلٹ ازم کے ساتھ ساتھ جن دوسری چیز نے فرانیٹز کو پریشان کئے رکھا، وہ یہ غماز تھا کہ ٹیکپیٹر

(Shakespeare) کے کھیل اصل میں کس نے لکھے تھے؟

فرائیڈ پر اسراریت کے احساسات کے حقیقی پہلو جاننے کی کوشش میں لگا رہا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ یہ تجربات اصل میں بغیر کسی استغنیٰ کے کسی ایسی جاتی پر بھی صورت حال سے ابھرتے ہیں، جسے ذہن میں دبا دیا گیا ہو۔ اگر ڈونگ کا استاد بلوئر (Bleuler) سائز برگ کانفرنس میں فرائیڈ پر اسرار اثر ڈال سکتا تھا تو اسے ممکن ہے فرائیڈ اپنے ایک عمومی اصول کے حوالے سے بیان کرتا ”ہم کسی ایسے شخص کے بارے میں پر اسراریت کا افکار ہو سکتے ہیں، جو زندہ ہو، ایسا اس وقت ہوتا ہے، جب ہم اس کی ساتھ شرانگیز خواہشات کو متعلق کریں“ (بلوئر فرائیڈ کا ایک ایسا حریف تھا جس سے وہ ڈونگ کو چھین لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔)

فرائیڈ کو ڈونگ کے سلسلے میں بھی اسی مسائل کا سامنا کرنا پڑا، جن کا سامنا وہ پہلے اڈلر اور فلیس (Fliess) کے سلسلے میں کر چکا تھا۔ مثلاً اس میں یہ بحث بھی شامل ہے کہ کونسا خیال کس کو پہلے سوجھا تھا۔ تحلیل نفسی کے معاملے کا انحصار انتقال، خیالات پر تھا۔ جس میں شعوری یا اور لاشعوری دونوں طرح کے خیالات شامل تھے۔ یہ خیالات مریض کے معالج کی طرف منتقل ہوتے تھے۔ لہذا فرائیڈ کے لئے یہ مشکل بات نہیں تھی کہ وہ ٹیلی ویزی کے مواصلات کے لئے عقلی جواز فراہم کر سکتا ہے۔ شاید کوئی ہم عصر ماہر تحلیل فرائیڈ کی پریشانیوں میں اس بات کا اندازہ کر سکتا تھا کہ انتقالی خیالات کے سلسلے میں اس کے جو جذبات تھے، ان کا تعلق اس کے بچپن کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے۔ یعنی کوئی شخص اس سے کوئی شے چھین کر لے جاسکتا ہے۔ پھر اسے اس یقین دہانی کی بھی ضرورت تھی کہ وہ اپنی ماں کا اگر انکوٹا نہیں، تو سب سے بڑا بیٹا ضرور ہے۔

اس طرح کی کم از کم کوئی تشریح تو درکار تھی کہ فرائیڈ بیسا سائنسی ذہن ٹیلی ویزی کی حقیقت کو قبول کرنے کے معاملے میں اس قدر دور تک چلا گیا تھا۔ پہلی جنگ عظیم سے پہلے فرائیڈ کافی ہاؤس میں اپنے دوستوں کو یہ بتایا کرتا تھا کہ اسے ایک پر اسرار شے کے بارے میں یقین کی حد تک علم ہے مگر وہ اس سلسلے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا بے پاک ہو گیا اور آخر ۱۹۱۸ء اپنے قریبی ساتھیوں کے درمیان اس نے ایک مقالہ پڑھا تھا جس کا عنوان تھا Psychology And Telepathy مگر اس کی موت کے بعد تک یہ

مقالہ شائع نہ ہوا اب اس کا کچھ حصہ مجھے کے طور پر اس کتاب میں شامل ہے۔ (مخفی علوم اور ڈونگ کے حواشی میں) اگرچہ اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس مواد کے سلسلے میں اس کا ذاتی رویہ ذوق و شوق سے جاری اور دو کو نیت کا شکار رہا، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں بے باکی آتی گئی۔

۱۹۳۲ء میں فرانیٹز نے آکٹ ازم کے بارے میں لکھا، جب وہ پہلی بار میری نظر میں آئے، یہ کوئی دس برس پہلے کی بات ہے، تو میں نے محسوس کیا تھا کہ یہ سائنسی ضابطہ حیات (Weltanschauung) کے خلاف ہے، اس وقت مجھے یہ خیال تھا کہ اگر یہ درست ثابت ہو گیا تو پھر روحانیت اور تصوف، سائنسی ضابطہ حیات کی جگہ لے لیں گے۔ مگر اب میرا خیال اس کے برعکس ہے، فرانیٹز کو پورا یقین تھا کہ اپنے مطلبی تجربے میں اس نے ٹیلی میٹھی کے سلسلے میں بہت سا مواد حاصل کر لیا تھا جس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ پلڑا انتقال خیالات کی جانب جھکا ہوا ہے۔ جیسا کہ آغاز کار میں فرانیٹز اپنے کام کو تصوراتی کی بجائے حقیقی سمجھتا تھا۔ اس نے لکھا تھا ”یہ حقیقت ہے کہ انتقال خیالات کے سلسلے میں امکان یہی ہے کہ توازن اس کے حق میں ہو، اور پھر اسی سال اس تقریر کے بعد اس نے کہا تھا ”تمام معروف آکٹ مظاہر کے پیچھے کوئی شے نئی اور اہم موجود ہے۔ یعنی یہ کہ خیال کے مظاہر بھی اپنے رازوں کو نظر آنے والے مواد کے پس پردہ چھپائے رکھتے ہیں۔“

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ کسی زمانے میں فرانیٹز ڈونگ کی طرح ٹیلی میٹھی کا معتقد ہو گیا ہو۔ توانیات (Supersticiousness) کے مانفڈ کو بیان کرتے ہوئے، فرانیٹز نے اس بات کو خاص طور پر نوٹ کیا تھا کہ جو ادعا (Predilection) ظلوئے و ہم (Obsession) کے مریض، بے یقینی اور شک کے سلسلے میں ظاہر کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کا دھیان اور موضوعات کو ترجیح دینے کی طرف منتقل ہو گیا ہے کہ تمام انسانیت بے یقینی پر تشکیل ہوتی ہے اور اپنے دل و دماغ کو تخلیک کے لئے کھلا رکھنا چاہئے۔ کہ اس کے بعد فرانیٹز موت اور یادداشت کا ذکر کرتا ہے، اس کے علاوہ وہ پدریت (Paternity) اور بقائے دوام (Immortality) کے موضوعات بھی زیر بحث لاتا ہے۔ خواہ ڈونگ کسی بھی وجہ سے آکٹ کی طرف متوجہ ہوا ہو۔ فرانیٹز کے ذاتی غلطی مسائل اس طرف مبذول کرنے کے لئے کافی تھے۔

یعنی طور پر فرانیڈ نے یہ سوچا تھا کہ اس کے اپنے تواناوت کا ماخذ اس کے وہے ہوئے ارمان ہیں۔ اچھائے دوام اور پھر اس نے کہا تھا کہ موت کے سلسلے میں میری تشویش زندگی کی عام بے یقینی سے ابھرتی ہے۔ فرانیڈ اور ڈوونگ دونوں ہی بھائے دوام کی آرزو رکھتے تھے اور ان دونوں کے مابین جو لڑائی رہی، وہ شاید فرانیڈ کے اس سنہری اصول کے مطابق تھی کہ بعض اوقات ہم دوسروں کے لاشعوری محرکات کے بارے میں جو اندازہ لگاتے ہیں، وہ اصل میں اپنی خواہشات کو پہچاننے کے سلسلے میں آنکھیں بند کرنے کا عمل ہوتا ہے۔ فرانیڈ کا معالجبی طریقہ نفسی حقیقت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے کا سبب ہے اور فرانیڈ کا خیال تھا کہ یہ رجحان اس کے تواناوت کا ماخذ ہے۔

۱۹۰۱ء میں اس نے لکھا تھا کہ اعلیٰ ترین ذہانت کے لوگوں میں

"تواناوت وہے ہوئے حیرانہ اور متعدد آمیز جذبات سے ابھرتے ہیں۔ تواناوت زیادہ تر کسی کڑی کی توقع پر انحصار کرتے ہیں اور وہ شخص جو اپنے اندر شر کو پالتا رہتا ہے دوسرے کے خلاف ہو جاتا ہے، لیکن اسے یہ تربیت دی گئی ہوتی ہے کہ وہ بھلا آدمی ہے، لہذا وہ ان خواہشات کو لاشعور میں دھکیل دیتا ہے اور پھر وہ اپنی لاشعوری کینکلی کی وجہ سے یہ توقع کرتا رہتا ہے کہ باہر سے کوئی اس پر حملہ آور ہوگا۔"

اس طرح کی خصوصیات فرانیڈ کے کردار کے قریب تر ہیں۔ اسی کے نقطہ نظر کے مطابق وہ لوگ جو غلوئے دام کا رجحان رکھتے ہیں، غیر معمولی اتفاقات سے اکثر دوچار ہوتے ہیں۔ ۶۳ کے عدد سے بار بار منہ بھیڑ ہو جانا جو اصل میں اس کے اپنے ہی اندرونی احساسات کا انعکاس ہے۔ اس سے ان تواناوت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، جو ان کے ساتھ حلقہ ہوتے ہیں۔ وہی خیالات یہودی دنیا میں نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ بہر صورت فرانیڈ نے ایک بار یہ دعویٰ کیا تھا۔

"وہ ان باطل لوگوں میں سے ہے جن کی موجودگی دوسروں کو ہلکے کرنے نہیں دیتی اور بائبل الفطرت انہیں دیکھ کر رونا پکڑ ہو چلتے ہیں۔ لہذا میں ساری زندگی بھی اس قاتل نہیں ہوسکا کہ کسی شے کا خود تجزیہ کر سکوں، جس کی وجہ سے میرے دل میں سمجھوت

کے لئے چھانکھ پیدا ہو جائے۔"

لیکن اس امر سے انکار ممکن نہیں ہے کہ فرائیڈ کی دلچسپی آکٹ ازم میں تھی، ایک بار اس نے لکھا تھا۔

اگر مجھے ایک اور زندگی مل جائے تو اسے تحلیل نفسی کی بجائے سائیکی کل تحقیق پر خرچ کر دوں گا۔

اس میں بھی شاید کوئی متناقض ہوں کہ فرائیڈ اس سلسلے میں اتنی دور تک کیوں گیا تھا۔ اپنے اندرونی دباؤ کی وجہ سے فرائیڈ نے نفسی طریق علاج میں ایک نئی تھنک کی بنیاد رکھی تھی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک پورا نظریاتی نظام تشکیل دیا تھا، اور مریضوں کا علاج کرتے کرتے اس نے ایسے طریقے بھی دریافت کر لئے تھے، جو اپنا علاج خود کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ جب فرائیڈ کی شخصیت کو پھر سے صاف ستھرے طریقے سے دوبارہ تشکیل دینے کی کوشش کی جائے، تو اسے حقیقی طور پر سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے، مگر اتنا ضرور محسوس کیا جاسکتا ہے کہ فرائیڈ کے اندرونی تصالوم، خواہ وہ جزوی طور پر ہی سمجھے جاسکیں، خود فرائیڈ کے لئے بہت زیادہ اہم کے حامل تھے، اور کئی بار انہوں نے اس کے انسانی تعلقات کو بڑی طرح توڑ پھوڑ دیا تھا۔ یہ گویا فرائیڈ کی متصوفانہ آرزوئیں تھیں اور اس کا تکلیف دہ آکٹ ازم میں دلچسپی لینے کا رجحان تھا جو معروضی سائنسی اختلافات کے باعث ایک اخلاقی شے بن گیا تھا اور وہ اس کے اور اس کے ولی عہد کے درمیان دیوار بن کر حائل ہو گیا تھا۔

ہم نے فرائیڈ کے اندر کچھ غیر عمومی نفسی علامات دریافت کی ہیں۔ اگرچہ ہم واضح طور پر ان کی شکایہ نہیں کر سکتے۔ اپنے شاگردوں کے ساتھ اس کا بار بار تکرار ہوا اس کی شخصیت کے ایسے رخ کو ضرور پیش کرتا ہے، جو بے حد غیر معمولی ہے۔ مگر کیا ایسی کوئی صورت حال خود تک کے سلسلے میں بھی موجود ہے؟ پل روزن کا خیال ہے۔ خود تک بھی مزاج کے لحاظ خاصہ بے چنگ تھا مگر اس میں ایک خوبی بھی تھی کہ وہ زیادہ دیر تک کسی سے ناراض نہ رہ سکتا تھا۔ فرائیڈ سے الگ ہونے کے بعد اس نے فرائیڈ کے مقلدین کے خلاف خاصی دیر تک نفرت ہی

محسوس کی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ انہوں نے اس کی پریکٹس (Practice) کو برسوں تک خراب کیا تھا۔ پھر اس نے ذاتی طور پر فرائیڈ کے نیورس کے مریض ہونے کے بارے میں کتابیاں سنائی تھیں، مگر جب ارنسٹ جونز (Ernest Jones) نے جو فرائیڈ کی سوانح لکھ رہا تھا اس سے پوچھا کہ وہ اس معاملے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرے، تو جواب میں اس نے کہا تھا کہ اس بات کو ایک نمائندہ ہو چکا ہے۔ فرائیڈ کو مرے ہوئے بھی کئی سال گزر چکے ہیں۔ وہ اب اس لڑائی کو طویل دینے کو تیار نہیں ہے۔ مگر جب جو سوانح عمری لکھ چکا تو ڈونگ نے یہ اعتراض اٹھایا کہ جو سوانح کو اس سلسلے میں اس سے رابطہ کرنا چاہئے تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ فرائیڈ ڈونگ سے کہیں زیادہ فطرتاً سے مزاح کا تھا۔ مگر ایک بار جب وہ چل جاتا تو پھر وہ اپنے قیام میں نہ رہ سکتا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں اس نے جب اڈلر اور ڈونگ کی علیحدگی کے بارے میں لکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ اس قدر ناراض ہو سکتا ہے اور کتنی نازیبا زبان استعمال کر سکتا ہے۔ فرائیڈ کو ڈونگ سے ناراض ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ ڈونگ نے اس سے اور حقیقی نفسی سے بہت کچھ حاصل کیا تھا مگر فرائیڈ اس کے بدلے میں زیادہ کچھ حاصل نہ کر سکا تھا پھر لوگوں کے سامنے اس نے قصہ دکھانے سے گریز کیا تھا چنانچہ اس نے کہا تھا کہ اڈلر اور ڈونگ سے وہ توقع ہی نہیں کرتا تھا کہ وہ اس کے ممنون ہوں گے، لیکن وہ (Wittel) جو فرائیڈ کا پہلا سوانح نگار ہے، یہ کہتا ہے جس قدر غصے کا اظہار اس نے شیکل کے معاملے میں کیا تھا اس سے اڈلر اور ڈونگ کے بارے میں اس کے جذبات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ پھر جب ۱۹۱۳ء میں وہ اپنے قصہ جبر اعلاہ (Repetition Compulsion) پر کام کر رہا تھا تو اس نے ناشکری کے لیے (Tragedy Of Ingratitude) پر بات کرتے ہوئے کہا تھا ”میرا ان لوگوں سے واسطہ پڑا ہے اور ان سب کو بالکل ایک سا پایا ہے، ایک ہی نتیجہ نکلا ہے، اگرچہ ان کے مزاجوں میں خاصے اختلافات تھے، مگر ان سب نے اپنے عین کو ایک ہی طرح خرید لیا ہے، لہذا یہ ساری کٹلی اس کو اکیلے ہی برداشت کرنی پڑی ہے۔“

۱۹۳۶ء میں جب ہارورڈ یونیورسٹی اپنی صد سالہ جشن منا رہی تھی، اس وقت فرینکلن روز ولٹ (Franklin Roosevelt) ریاست ہائے متحدہ امریکا کا صدر تھا۔ یہ جشن بہت بڑے پیمانے پر منایا جا رہا تھا۔ تو ایک کمیٹی نے مختلف طور پر یہ فیصلہ کیا تھا کہ فرائیڈ کو ایک اعزاز دی ڈگری دی جائے مگر اس وقت یہ خیال کسی کو بھی نہ آیا تھا کہ فرائیڈ کا اس اعزاز کو قبول کرنے کا

امکان صفر ہے۔ اب مشکل یہ تھی کہ اگر فرانیٹز انکار کر دیتے تو پھر یہ ضروری نہیں تھا کہ ڈگری کسی ماہر نفسیات ہی کو دی جاتی، یہ اعزاز ہی ڈگری کسی ایسے شخص کو بھی دی جاسکتی تھی، جو کسی اور مضمون کا اسکالر ہوتا۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ فرانیٹز کی بجائے یہ اعزاز ہی ڈگری ڈونگ کو دی جائے، چنانچہ یہ ڈگری ڈونگ ہی نے حاصل کی۔ اس کارروائیوں میں پیچھے بیٹھ (Pierre Janett) کو بھی بلایا گیا، چنانچہ اس نے بھی اس تقریب میں لکچر دیئے تھے۔

ڈونگ ہارورڈ کے جس ماہر اعصابیات (Neurologist) کے گھر میں ٹھہرایا گیا تھا۔ اس کا نام سٹیپل کوب (Stanley Cobb) تھا، سٹیپل کا زیادہ تر تعلق فرانیٹز کے حلقے کے ساتھ، مگر اس کے باوجود عقیدت کا عالم یہ تھا کہ یورپ کی روایت کے مطابق جب ڈونگ نے اپنے جوتے اس کے کمرے کے باہر رکھ دیئے تھے، تو کوب نے انہیں اٹھا کر اپنے ہاتھ سے پالش کر دیا تھا مگر جب ڈونگ کو ایک ہسپتال میں لیکچر دینے کے لئے بلایا گیا تھا، تو کوب سے ایک ایسی غلطی سرزد ہوئی تھی، جو تحلیل نفسی کی تاریخ میں ایک یادگار ہے، کوب جب ڈونگ کا تعارف کروانے کے لئے اٹھا تھا، تو اس نے اس کا تعارف کروائے وقت اسے 'ڈاکٹر فرانیٹز، کمرہ دیا تھا۔ بعد میں اظہار کے رپورٹوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا، کہ جب ڈونگ فرانیٹز کا شاگرد ہے، تو پھر استاد کو کیوں دعوت نہیں دی گئی۔

بعد میں ہارورڈ کے نفسیات دان ہنری مرے (Henry Murray) نے جب دی آنا میں فرانیٹز سے ملاقات کی تھی، تو اسے اندازہ ہوا تھا کہ فرانیٹز اگرچہ بوڑھا ہو چکا ہے، مگر اسے اس چیز کی بہت خواہش تھی کہ اسے عالی طور پر کوئی اعزاز دیا جائے۔ اس گفتگو کے آغاز ہی میں فرانیٹز نے یہ سوال اٹھا دیا تھا کہ ڈونگ کو اعزاز ہی ڈگری کیوں دی گئی تھی۔ ہارورڈ یونیورسٹی کو یہ اعزاز فرانیٹز کو دینا چاہئے تھا۔ مرے نے ساری صورت حال جان کی تھی اور بتایا تھا کہ اس کی مراد صحت کی وجہ سے یہ نہ ہو سکا۔ فرانیٹز اس وقت بھی ڈونگ کے ساتھ حالت جنگ میں تھا۔ فرانیٹز نے کہا کہ وہ یہ پیش گوئی کرنے میں حق بجانب تھا کہ شرت ان لوگوں کے حصے میں آئے گی جو لوگ محض تحلیل نفسی کا بیروپ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ڈونگ کو اس صورت حال سے یقیناً دکھ پہنچا ہو چکا ہو گا، مگر اس کا دکھ اس وقت دور ہوا ہو چکا جب ۱۹۳۸ء میں اسے آکسفورڈ یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی اعزاز ہی ڈگری سے نوازا تھا۔ فرانیٹز اس وقت بھی زندہ تھا اور دوسری

جنگ عظیم بھی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔

ژونگ اور فرائیڈ کے باہمی روابط کے بارے میں اس قدر زیادہ مواد موجود ہے کہ یہ بجائے خود ایک کتاب بلکہ کئی کتابوں کا موضوع ہے۔ اس حوالے سے میں نے اپنی کتاب "فرائیڈ کی نفسیات کے دو دور" میں ہی کچھ لکھا تھا، ان کے مابین جو خط و کتابت ہوتی رہی ہے، وہ ایک الگ تفصیلی موضوع ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے بہت قریب بھی ہیں اور بے حد دور بھی ہیں۔ ژونگ ایک قد آور درخت کی ایسی شلغ ہے، جو تنے کے قریب ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا ہے کہ گویا یہ دونوں الگ الگ درخت ہیں۔ دونوں کی پیوند کاری بھی الگ الگ طریقے سے ہوئی ہے اور اب ان پر جو پھل نظر آتا ہے، وہ دیکھنے میں ایک دوسرے سے بے حد مختلف ہے، مگر اصل میں ایک ہی طرح کا پھل ہے۔ اس کی مثل اس درخت بھی ہے، جس کے ایک طرف الور رٹول آم لگا ہو اور دوسری طرف دوسری آم ہو، پھر جب شاخیں آگے بڑھتی ہیں تو آموں کی اقسام میں مزید تنوع آ جاتا ہے۔

جدید مینٹ نفسیات اس لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہے کہ وہ انسان کے ہاتن کے اندر جمائے کی کوشش کرتی ہے۔ جبکہ روایتی سائنس کے حوالے سے ہاتن کی موجودگی کا کوئی جواز ہی موجود نہیں۔ اب جبکہ اصولی لائیفنی اور انتشار کے نظریات حاوی ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ امکان کھل کر سامنے آگیا ہے کہ آکٹ یا عقلی علوم کی ایک سائنسی بنیاد موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود فضا میں دھواں اس قدر زیادہ ہے کہ اس مقام کو تلاش کرنا جہاں شطہ واقعی موجود ہو۔ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ فرائیڈ اور ژونگ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ دونوں ہی آکٹ کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ فرائیڈ شاید اس خیال سے کہ کہیں آکٹ کے بارے میں اس کے رویے کی وجہ سے تحلیل نفسی کو نقصان نہ پہنچے، بہت گھٹا گھٹا محسوس کرتا رہا۔ مگر ژونگ نے دلیری و کھائی اور عقلی علوم کے بہت سے شعبہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی تفصیل آپ کتاب دوم میں ملاحظہ کریں گے۔

کتاب دوم

مخفی علوم

نواں باب

ژونگ اور مخفی علوم

کیا سائنسی طریق کار پر مکمل انحصار ممکن ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی علم ایسا بھی ہو جو سائنس کے دائرہ کار میں آتا ہی نہ ہو؟ آئیے ان سوالات کو ایک مثال کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

ایک سفید قام امریکی، سرخ قام نسل کے ایک امریکی باشندے سے بات کر رہا تھا بات کرتے کرتے اس نے اپنی چھتری سے نشین پر ایک چھوٹا سا دائرہ بنایا اور پھر اس دائرے کے گرد ایک بڑا دائرہ بنا دیا اور ریڈ انڈین سے کہا ”یہ چھوٹا دائرہ کونسا علم ہے جو تم رکھتے ہو اور بڑا دائرہ وہ علم ہے جو ہم رکھتے ہیں۔۔۔“ ریڈ انڈین نے اس کی چھتری پکڑ لی اور دونوں دائروں کے گرد ایک بہت بڑا دائرہ لگا دیا اور کہا ”یہ وہ علم ہے جو نہ تم رکھتے ہو نہ ہم رکھتے ہیں۔“ یہ چھوٹی سی حکایت بہت کچھ بیان کرتی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سفید قام علم سرخ قام علم کا پوری طرح احاطہ کرتا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ سفید قام سرخ قام کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہ ہو یا سرخ قام کے بارے میں اس کی معلومات احتمالی ناقص ہوں اور حقیقت میں سفید قام دائرہ سرخ قام کے گرد محیط ہی نہ ہو اور اس کا محض قہوڑا سا حصہ ہی دائرے کے اندر آتا ہو اور یوں دونوں دائرے ایک دوسرے کو کالنجے ہوئے گزرتے ہوں اور اس مسئلے پر دوبارہ غور کرنے کے بعد ریڈ انڈین یہ کہہ سکے ”اگر ہم آپ کے علم کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو آپ کو بھی ہمارے علم کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔“

اس مثال کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سفید قام سائنس کا علم ہے اور

سرخ علم، مخفی علوم پر انحصار کرتا ہے، اور یہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں جزوی معلومات رکھتے ہیں، اور ان دونوں کی جزوی معلومات کے باوجود ایک بہت بڑا دائرہ ایسا بھی ہے جس کے بارے میں دونوں ہی کچھ نہیں جانتے۔ اس لئے ہم اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کر سکتے۔ صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ماضی میں سفید اور سرخ دائرے بہت ہی چھوٹے تھے پھر وہ آہستہ آہستہ پھیلنے لگے، شروع میں سرخ دائرہ زیادہ تیزی سے بڑھا اور زیادہ دور تک پھیلا چلا گیا سفید دائرہ اس سے تیز کی طرح تھا جو شروع میں بہت آہستہ رہتا تھا، مگر بعد میں تیزی سے ہر کام کرنے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ جب سفید دائرہ پھیلتا شروع ہوا تو تیزی سے پھیلا اور خاصی دور تک پھیلا چلا گیا اب یہ دونوں دائرے کھیل رہے ہیں، کچھ رقبہ ایسا ہے جو دونوں کی یکساں ملکیت ہے مگر زیادہ تر حصے ایسے ہیں جو ایک دوسرے سے غیر متعلق ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مثالی صورت حال یہ ہوگی کہ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ موجود ہی نہیں وہ سب سے بڑا دائرہ جس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے کم ہوتے ہوتے اس قدر کم ہو جائے کہ سفید دائرہ اور وہ ایک دوسرے کے برابر آجائیں۔ یہاں پہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ تیسرا دائرہ جو سرخ ہے اور مخفی علوم کا دائرہ ہے، کہاں تک کھیل سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب آسمان نہیں ہے اور اس کا جواب ایک بھی نہیں ہے۔ آئیے ہم یہ اندازہ کرنے کی کوشش کریں کہ ٹوٹوگ نے اس کا کیا جواب دیا ہے؟ مگر اس سلسلے میں پہلے سے آپ کو خبردار کر دوں کہ اس کا جواب امکانی ہو سکتا ہے، حقیقی نہیں اسائنسی طریق کار کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ اس کے وسیلے سے نہیں جانا جاسکتا ہے، وہ اس قابل ہی نہیں ہے کہ اسے جانا جائے! مگر مخفی علوم (Occult Sciences) ایسا کوئی دعوے نہیں کرتے وہ جو کچھ جانتے بھی ہیں، ان کے بارے میں بھی بہت کچھ نہیں جانتے، اور جو کچھ نہیں جانتے اس کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتے ہیں۔ یقیناً سائنس اس طرح کا دعوے کرنے کی حیثیت میں نہیں ہے۔

مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ سائنس اور فلسفے کو ہمیشہ یہ گمان رہا ہے کہ وہ بہت کچھ جانتا ہے، بلکہ کبھی کبھی تو یہ گمان بھی ہوا کہ جو کچھ جانا جاسکتا تھا جانا چاہیے یا چند ہی برس میں جان لیا جائے گا۔ کچھ یونانی بھی اس زعم میں گرفتار تھے، خاص طور پر ارسطو کو یہ خیال بھی آیا تھا کہ انسان کا علم بس اتنا ہی تو ہو سکتا ہے، جس قدر اس کے ذہن تک معلوم کیا جاسکتا تھا اور ایک لفظ سے یہ شاید درست بھی ہو، یونانی استنباطی (Deductive) طریق کار پر ایمان رکھتے تھے۔

وہ اولیات دریافت کرتے تھے اور پھر ان سے نتائج اخذ کرنے شروع کر دیتے تھے۔ اولیات کو آپ Axiom سمجھ لیں کوئی ایسی بڑی حقیقت، جس سے انکار ممکن ہی نہ ہو اور پھر اس کو قبول کر کے قیاس منطقی (Syllogism) کے ذریعے نتیجے (Premis) بنا کر نتائج اخذ کرنا شروع کر دیا جاتا۔ اس سلسلے میں مشکل یہ تھی کہ بہت زیادہ بنیادی اولیات و کلیات بنائے نہ جا سکتے تھے، لہذا نتائج بھی محدود ہی ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ارسطو کا لکھا ہوا یہ نتیجہ کہ علم اپنی ابتدا کو پا گیا ہے۔ اس حوالے سے اناقلو بھی نہیں تھہ ارسطو نے وائٹ ہیڈ (White Head) اور رسل سٹہ (Russell) کی کتاب (Principia Mathematica) تو بڑی ہی نہیں تھی کہ اسے اپنی منطق کی حدود کا اندازہ ہوتا۔ اس نے تو آخری تک ممکنہ دور دیکھی تھی اور یہ اعلان کر دیا تھا کہ ”علموں بس کریں اور یار“ اور جدید دور میں شاید فرانسس بیکن سٹہ (Francis Bacon) پہلا فلسفی تھا جسے یہ خیال آیا کہ علم اپنے تمام امکانات پرے کر چکا ہے، مگر حیرت ہے کہ نیوٹن سٹہ (Newton) بھی آخر کار اسی نتیجے پر جا پہنچا اگرچہ اسے اندازہ تھا کہ وہ اس لئے بڑا ہے کہ وہ بہت سے دیر قامت لوگوں کے کاندھوں پر کھڑا ہے پھر اس نے یہ اندازہ کس طرح لگا لیا کہ اب اس کے کاندھ پر کوئی کھڑا نہیں ہو سکتا، کاندھ پر کھڑے ہونے کی اجازت نہ دینے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ کاندھ سے ہی غائب کر دیئے جائیں۔ یہ نیوٹن کے اختیار میں نہیں تھا لہذا اب اس کی سائنس ایک چھوٹے سے دائرے میں قید ہو گئی ہے اور اسے زیادہ سے زیادہ میکانیکی طبیعیات (Mechanical Physics) کہا جاسکتا ہے۔

جدید دور کے مقبول ترین سائنس دان سٹیفن ہاکنگ سٹہ (Stephen Hawking) جن کی کتاب A Brief History of Time فرد بخنگی کے لئے ریکارڈ قائم کر چکی ہے، اس بات کے دعویدار تھے کہ طبیعیات جو کچھ دریافت کر سکتی تھی، دریافت کر چکی ہے اور اگلی صدی آنے سے پہلے اس کی تمام دریافتیں سامنے آ جائیں گی اور پھر ان قوانین کو جو طبیعیات بنا چکی ہوگی، بنیاد بنا کر نئے نئے امکانات سامنے آتے رہیں گے، مگر علم کے طور پر طبیعیات کا کردار ختم ہو جائے گا۔ حالیہ تحریروں میں وہ اپنے اس موقف کو بدلتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر ابھی کھل کر وہ اپنے کئے ہوئے کی تردید نہیں کر پائے۔

میری ان معروضات سے آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہو گا کہ تحقیق کی خواہش سائنس کے اندر کس قدر شدید ہے اور جو سائنس دان بھی کوئی بڑا نظریہ دریافت کر لیتا ہے پھر اپنی

ساری زندگی اس دریافت کو سائنس میں مرکزیت دلانے میں صرف کر رہا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ دنیا کی ہر شے اس کے نظریات کے حوالے سے جانی بچانی جائے۔ اس رویے کو تحویلیت (Reductionism) کہتے ہیں اور اس کا افکار ہونے والوں میں آئن سٹائن (Einstein) جیسا باغیہ روزگار بھی شامل ہے یوں لگتا ہے ہر بڑے نظریے کی کچھ حدود ضرور ہوتی ہیں، لہذا اسے کبھی ہم گیریت (Universalism) کا حامل نہیں سمجھنا چاہئے۔

قرون وسطیٰ جسے علم کے حوالے سے تاریک دور کہا جاتا ہے کسی ایسے فلسفی یا سائنس دان کو جنم نہیں دے پایا جسے کائنات کے امکانات فہم ہوتے ہوئے نظر آئے ہوں یہ دور یونان کے سترے دور اور جدید دور کے مابین ایک پل ہے اور اگر یہ پل نہ بناتا تو ممکن ہے جدید دور کو ظہور نہ پزیر ہوئے میں غلط وقت لگ جاتا، اس دور میں چونکہ بہت حصہ ان اقوام کا تھا جو یورپی نہیں تھیں، اس لئے یورپ نے انہیں نظریات اذکیہ مسلمانوں سے ان کی دشمنی تاریخی عمل کے طور پر ایک قدرتی بات تھی۔ کم از کم سلت آٹھ سو سال ایسے ہیں، جن میں مسلمان علم کے افق پر نمودار رہے، اور پھر علم کی یہ مشعل یورپ کے ہاتھ میں چلی گئی، جو مشعل مسلمانوں کو یونان سے ملی تھی، اس مشعل سے بہت مختلف تھی جو یورپ کے حوالے کی گئی، یورپ کو ملنے والی مشعل کیس زیادہ روشن تھی اور اس میں استعمال ہونے والا اجندہ من بھی خاصی حد تک بدل چکا تھا اب استخراجی بجھ طریق کار کی بجائے استقراتی (Inductive) طریق کار کی کار فرمائی تھی اور زندگی کے چھوٹے چھوٹے اور بکھرے ہوئے حوال کو جمع کر کے ان میں سے کوئی اصول دریافت کیا جاتا تھا۔ یورپ والوں کو اعتراض یہ ہے کہ مسلمان سوا دو اکتھا کر لیتے تھے مگر اس سے نتائج اخذ کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ مگر اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ درست نتائج مسلمانوں نے بھی نکالے تھے اور جو اصول دریافت کئے تھے اس کا بھی کریڈٹ ان کو نہیں دیا گیا، بلکہ بعض اوقات تو یہ کوشش صاف نظر آتی ہے کہ اسے جان بوجھ کر قبول نہ کیا جائے۔ صلیبی جنگوں نے یورپ میں مسلمانوں کے خلاف جو نفرت پیدا کر دی تھی، وہ ابھی تک چل رہی ہے، اور دنیا بھر کے مسلمان اس کا غیازہ بھگت رہے ہیں۔ یورپ شروع ہی سے نئی منڈیوں کی تلاش میں تھا مگر یہ نئی منڈیاں اس لئے اس کی رسائی میں نہ آ پاتی تھیں کہ مسلمان قوموں کی حکومتیں ان کی راہ میں حائل تھیں، اسی لئے سارا دور سمندر کے راستوں پر دیا گیا تھا۔

قرون وسطی کے بارے میں جو معلومات اب تک حاصل ہوئی ہیں۔ ان کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کوئی تاریک دور نہیں تھا۔ اس میں انسانی علم نے ترقی کی تھی اور اسی دور میں جدید سائنس کی بنیاد بھی رکھی گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ عقلی علوم نے بھی ترقی کی تھی، اس زمانے میں سائنس اور عقلی علوم کو ایک دوسرے سے الگ کرنا بے حد مشکل تھا۔ لہذا اس زمانے کے عظیم مفکر، فلسفی بھی تھے، سائنس دان بھی تھے اور عقلی علوم کے جاننے والے بھی تھے، تخصیص کاری جو جدید دور کے ثمرات میں سے ایک ہے، ابھی متعارف نہیں ہو پائی تھی، شاید آپ کے لئے یہ بات حیرت کی بات ہو کہ جدید سائنس کے آغاز کار دو سائنس دان تائیگو براہے (Tycho Brahe) (۱۵۴۶-۱۶۰۱) اور جہانپور کپلر (Johannes Kepler) (۱۵۷۱-۱۶۳۰) بطور منجم درباروں سے متعلق تھے اور ہاتھوہ زائچے (Horoscop) بنایا کرتے تھے۔ اس وقت علم ہیئت (Astronomy) اور علم نجوم (Astrology) فلکیات (Cosmology) کے درست کی دو شاخیں تھیں۔ تائیگو براہے اگرچہ کوپرنیکس (Copernicus) (۱۴۷۳-۱۵۴۳) کی موت کے بعد پیدا ہوا تھا مگر وہ کوپرنیکس کے اس نظریے کو تسلیم نہیں کرتا تھا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے، لیکن اس کے اس رویے پر اسے مستحب نہیں کیا جاسکتا۔ اصل میں قرون وسطی سے جو توقعات ولایت کی جاتی ہیں، وہ درست نہیں ہیں، آپ بچے سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ سات سال کی عمر میں وہ میٹرک کر لے۔ لہذا اگر چیزوں کو نئی شکل دینے اور سمجھنے سمجھانے میں وقت لگا تو یہ تاریخی عمل کا ایک حصہ تھا۔ اس کے باوجود یہ حیرت کی بات ہے کہ انسان نے صرف دو ہزار برس میں ارسطو سے نیوٹن کا سفر طے کر لیا اور پچھلے پچاس برس میں جو کچھ ہوا ہے، اس نے تو کسی پتھر کو بھی اپنی جگہ پر قائم رہنے نہیں دیا۔ ان برسوں میں انسان نے جو کچھ تعمیر کیا اور جتنی صنعتی ترقی کی اس کی مثال شاید آئندہ صدیوں میں بھی نہ مل سکے۔ کیوں یہ ساری ترقی معیاری نوعیت کی بھی ہے اور مقداری بھی ہے۔ اگر اس زمانے میں مسلمان حقائق سے نتائج نکالنے میں کم کم کامیاب ہوتے تھے تو یہ صورت حال اب بھی موجود ہے۔ جدید طبیعیات اس وقت عمل طور پر مفروضوں پر انحصار کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایسے مفروضے جن کو پوری طرح قبول کرنا یا رد کرنا مشکل ہے۔

اس ساری عملی ترقی کے باوجود یہ بات بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ مشرق وسطی کے

مخفی علوم میں دلچسپی بڑھی ہے اور اس کی نئی پر تیں اور نئی نئی حدود دریافت کی گئی ہیں۔ کچھ ایسے لوگ جو اس طرف متوجہ ہوئے ہیں، سائنس اور علوم کے سنجیدہ گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ شاید پہلی بار عقلی علوم کو معروضی طور پر دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈونگ برہل بنیادی طور پر ایک سائنس دان ہی کہا جاسکتا ہے۔ مگر اس سے پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ فرائیڈ نے اس سلسلے میں کیا کہا تھا۔

فرائیڈ سے پہلے بھی نفسیات کے بہت سے مکاتب فکر موجود تھے اور زیادہ تر انسان کے ظاہری پہلوؤں پر توجہ دیتے تھے۔ ہپنٹوم (Hypnotism) کی دریافت نے توجہ انسان کے باطن کی طرف مبذول کرنے میں مدد دی، پہلی بار یہ اندازہ ہوا کہ انسان کے ظاہر اور باطن میں اس قدر تفاوت ہو سکتا ہے۔ شاید ہپنٹوم ہی کی وجہ سے فرائیڈ نے لاشعور کو دریافت کیا ہو۔ وہ یہ جان چکا تھا کہ انسان اپنی شعوری زندگی میں جو بھی کہتا ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ درست ہو، وہ محض جواز (Justification) بھی ہو سکتا ہے اور شاید اسی بنیاد پر فرائیڈ نے انسان کو حیوان مطلق (Rational Animal) کی بجائے جواز تلاش کرنے والا حیوان یعنی Rationalising Animal کہا تھا۔ یعنی انسان کے بارے میں یہ دریافت ہوا تھا کہ وہ دو سطحوں پر یک وقت زندگی گزارتا ہے۔ ایک تو اس کی شعوری سطح ہے اور دوسری سطح کے بارے میں جاننے کا کوئی بلا واسطہ ذریعہ اس کے پاس نہیں تھا۔ مگر اس تفاوت کی وجہ سے بعض الجھنیں، خبط، کامپلکس (Complex) اور علامت (Symptoms) پیدا ہوتے ہیں۔ فرائیڈ نے تحلیل نفسی (Psycho-Analysis) کا طریق کار دریافت کیا اور خوابوں کی توجیحات (Interpretations) سائنسی بنیادوں پر کرنی شروع کی۔ یوں وہ ایسے علاقے میں داخل ہوا جو اس سے پہلے عقلی علوم کی آماجگاہ تھا۔ باطن کا مطالعہ غیر سائنسی شے سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے امریکہ اور روس دونوں میں جو نفسیات پر دان چڑھ رہی تھی، اسے کدواہت (Behaviourism) ہی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس مکتب فکر کا خیال تھا انسان کو تربیت دے کر کچھ بھی بنایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے زیادہ تر تجربات تو جانوروں پر کئے تھے مگر ان کا اطلاق انسانوں پر کر دیا تھا۔ روس کی اجتماعیت اور امریکہ کی نفعیت (Pragmatism) کے لئے یہی نقطہ نظر موزوں تھا۔ اگرچہ فرائیڈ نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ نفسیات

کی بنیاد حیاتیات (Biology) کو بنایا جائے اور اس نے حیات اور مرگ کی دو جہتیں بھی دریافت کی تھیں، جن کو وہ علی الترتیب لٹھ (Eros) اور کاٹم دیتا تھا۔ مگر اصل مطالعہ یہی تھا کہ اس نے انسان کی سائنسی (Psyche) یعنی نفس کو دریافت کر لیا تھا۔ لاشعور کی اہمیت بھی اسی وجہ سے کہ وہ انسانی سائنسی کو بیان کرنے میں مددگار ہے۔ لاشعور کی دریافت نے سارا منظر ہی تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔ سائنس ایک نئے براعظم میں داخل ہو رہی تھی اور اسے بالکل نئی اندازہ نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔

نیشن کے ذریعہ سائنس یہ سمجھ رہی تھی کہ انسان بھی ایک مشین ہے اور اس کا مطالعہ بھی کسی نہ کسی ایک مشین کے طور پر کیا جائے گا۔ انارکھوس اور انیسویں صدی میں سائنس کو جو اہمیت حاصل ہوئی تھی، اس نے نفسیات کو میکا کی علوم میں سے ایک بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی کوئی ایسی شہادت بھی مل جاتی تھی جو اس میکا نیت کو توڑنے کی کوشش کرتی۔ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آتا جسے بیان کرنا سائنس کے اختیار میں نہ ہوتا تو اسے توہمت کا نام دے کر رد کر دیا جاتا۔ پٹانوم اور عقلی نفسی کے بارے میں بھی یہی رویہ شروع میں کام کرتا رہا۔ فرائیڈ کو فطرت کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ ایک الزام اس پر یہ بھی تھا کہ اس نے کوکین (Cocaine) کی خریدوں کے بارے میں ایک غیر منقطع مضمون اپنے کیریئر کے آغاز میں لکھ دیا تھا۔ جو ایک زمانے تک اس کے فیروزے دار ہونے کا حوالہ بنا رہا۔ لوگ یہ کہتے رہے کہ اگر فرائیڈ ایک بار ایسی فیروزے دارانہ بات کر سکتا ہے، تو دوسری بار بھی اس سے یہ توقع کرنا غیر منطقی عمل نہیں ہو گا۔ دوسری چوٹ کا دینے والی بات اس کا نظریہ جنس (Sex) تھا جس میں یہ جہت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ سب سے زیادہ جنس ہی ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس میں بچپن کے تجربات خاص طور پر اہمیت کے حامل تھے۔ فرائیڈ نے انسان کے بچے سے اس کی معصومیت، چھین لی تھی اور اسے تشدد اور جنس سے معمور کر دیا تھا۔ پھر خاندان کے باہمی رشتوں کا تقدس بھی قائم نہ رہ سکا تھا۔ ایڈیپس کامپلکس (Oedipus Complex) نے تو ساری دنیا میں طوفان اٹھا دیا تھا۔ سائنس کی دنیا کو فرائیڈ کو قبول نہ کر سکی، مگر انسانیات (Humanities) نے اسے نہ صرف قبول کر لیا بلکہ اس کے بے شمار اثرات دنیا بھر کے ادب اور سماجی علوم پر دیکھے جاسکتے ہیں اور یہی وہ علوم تھے جو باطن پر انحصار کرتے تھے اور سائنس کی بے روح معروضیت (Objectivity) کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے۔ لہذا

نفسیات ابھی تک سائنس کی دنیا میں وہ مقام حاصل نہیں کر سکی جو حیاتیات کی دوسری شاخوں کو حاصل ہے۔ اگرچہ یہ شاخیں بھی طبیعت اور کیمیا کی سطح سے بہت نیچے ہیں، سب سے اوپر تو ریاضی کا مضمون ہے جو انتہائی مجرد اور اشاراتی ہے، جوں جوں اس سیرجی سے نیچے آئیں معروضیت کم ہو جاتی ہے اور دوسرے کئی عناصر داخل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ نفسیات تک آتے آتے سائنس کا معتد بہ خاصہ کمزور پڑ جاتا ہے اور اس کی جگہ موضوعیت (Subjectivity) لینے لگ جاتی ہے۔ عمیق نفسیات میں جمل انسان کے نفس کے اندر دور تک جھانکا جاتا ہے۔ معروضیت کی گنجائش بہت کم رہ جاتی ہے۔ فرائیڈ کی حد تک تو سارا معاملہ ہی ذاتی لا شعور کا ہے۔ مگر ڈیوگ نے اجتماعی لا شعور کو دریافت کر کے پھر سے معروضیت کے لئے کچھ گنجائش پیدا کی ہے (اس کی تفصیل تو بعد میں آئے گی)۔ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تحلیلی نفسی اور اس سے متعلق دوسرے مکاتب فکر سائنس کی میکانیت کے خلاف ایک تحریک کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اسی دوران خود سائنس کے اندر ایسے نظریات رلا پا گئے ہیں، جو اور سلیکی منطق اور نیوٹن کی میکانیت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان میں سرفہرست اصولی مسئلہ لا یقین (Principle of uncertainty) ہے، جس کے حوالے سے یہ دریافت ہوا کہ حقیقت کو کلی طور پر جاننا ناممکن ہے، اور اس کے ساتھ ہی اسباب و معلول (Cause and Effect) کا یقینی رشتہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اب ہم ایک ایسی دنیا میں رہ رہے ہیں جو محض امکان ہے اور امکانات کی اس دنیا میں یہ امکان بھی ہے کہ عقلی علوم بھی کوئی نہ کوئی ایسی بنیاد رکھتے ہوں جس کی تصدیق کی جاسکتی ہو۔

عقلی علوم کا مسئلہ فرائیڈ کے لئے سوانحی مدح بنا رہا جو سلوک سائنس کی دنیا نے اس کے کیریئر کے آغاز میں اس کے ساتھ کیا تھا، اس سے فرائیڈ نے یہ سبق سیکھا کہ وہ کوئی ایسی بات کہنے کو تیار نہ تھا جس کی بنیاد معلوم سائنس پر نہ رکھی گئی ہو۔ چنانچہ اس نے اپنے نئے خطبات میں (جو محض تحریری خطبات ہیں اور ان میں کبھی پبلک کے سامنے نہ حاضر ہوئے) ایک خطبہ ایسا بھی رکھا جس کا موضوع ہے خواب اور علوم مخفیہ (Dreams And Occult) اس مضمون میں فرائیڈ نے وہی استدلال اختیار کیا جو عام طور پر مقبول سائنس کے حلقہ شیعہ اختیار کرتے تھے، مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے کچھ ایسے شواہد بھی مہیا کر دیئے، جو عقلی علوم کی طرف بلا واسطہ رہنمائی کرتے تھے۔ اس زمانے میں اس نے ایک خط جو آکٹ کے

ہارے میں تھا اپنے قریبی حلقے میں سمجھا اور ان سے درخواست کی کہ اس خط کو خفیہ رکھا جائے۔ اب یہ مواد شائع ہو چکا ہے اور اس کی تفصیل میری کتاب ”فرائیڈ کی نفسیات کے دو دور“ میں موجود ہے۔ اس حصے کو اگلے حصے کے طور پر اس مضمون کے ساتھ بھی منسلک کیا جا رہا ہے۔

مذکورہ خطبہ ترتیب کے لحاظ سے سے فرائیڈ کا تیسواں خطبہ ہے۔ ۲۸ خطبے فرائیڈ کے پہلے لکچرز میں موجود ہیں۔ نئے خطبات کل سات ہیں اور زیرِ نظر خطبہ ۳۸ واں خطبہ ہے، بعد کے سات خطبات فرائیڈ نے اپنی نفسیات میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کو بیان کرنے کے لئے لکھے تھے اور ان میں زیادہ تر وہ نظریات ہیں جو جنس کے نظریے کے بعد فرائیڈ پر منکشف ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے ان کی بہت اہمیت ہے کہ ان کے بغیر فرائیڈ کے بعض پہلوؤں کو جاننا نہیں جاسکتا۔ مگر جہاں تک خواب اور آکٹ واٹے خطبے کا تعلق اس فہرست کا کزور ترین خطبہ ہے، خود فرائیڈ نے اس خطبے کے دوران بار بار معذرت کی ہے یہاں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ یا تو بڑی طرح الجھ گیا ہے جہاں بوجھ یا شاید کسی مصلحت کے تحت بعض اعتراضات کرنا نہیں چاہتا۔ پھر اس مواد کو جب خفیہ خط کے ذریعے بھجوا دیا گیا تو اس کی نوعیت قدرے تبدیل ہوتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرائیڈ اپنے ناگہانی مواد سے کوئی نتیجہ نہ نکل سکتا ہو۔ ڈونگ کے ہارے میں اس وقت بھی یہ مشہور تھا کہ وہ مخفی علوم میں دلچسپی رکھتا ہے مگر فرائیڈ کا خیال تھا کہ ٹیلی ویتھی (Telepathy) کا پہنچ اس کے کتب فکر سے کہیں زیادہ ڈونگ کی نفسیات کے لئے الجھن کا باعث ہو گا۔ کیونکہ اسے گمان تھا کہ تحلیل نفس ابھی اپنے بچپن ہی میں ہے اگر لوگوں نے ٹیلی ویتھی اور اس جیسے دوسرے علوم پر بھروسہ کرنا شروع کر دیا تو اس سے تحلیل نفس کو ناقابلِ حلفی نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ فرائیڈ کی اس تشویش سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عمیق نفسیات کا قریبی تعلق مخفی علوم کے ساتھ ہے مثلاً جہاں تک خوابوں کی تعبیر کا معاملہ ہے وہ تحلیل نفس سے پہلے صرف علومِ مخفی ہی کے دائرہ کار میں آتا تھا۔ خود ڈونگ نے حضرت یوسف کی تعبیر خواب کی صلاحیت کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ اس نے اسے ایک مثال کے طور پر پیش بھی کیا ہے۔ چنانچہ میدانِ خواب ایک ایسا میدان ہے جس میں نفسیات اور مخفی علوم ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتے ہیں اور فرائیڈ نے اپنے ۳۸ ویں خطبے میں جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ کچھ خواب بھی بیان کئے ہیں پھر ان کا تعلق ٹیلی ویتھی کے ساتھ جوڑا ہے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ڈونگ کے دل میں مخفی علوم کے لئے جو نرم

کوشش تھ وہ فرائیڈ کے ہاں موجود نہیں تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ فرائیڈ مذہب سے انکار کرنے کے بعد اور جدید سائنس کے تمام تقاضات پر لبیک کہنے کے بعد، آکٹ کو قبول نہیں کر سکتا تھا۔ مگر ڈونگ شروع ہی سے اپنے جیسائی ہونے سے بھی دست بردار نہیں ہوا تھا اور اس نے اس امر سے بے نیاز ہو کر اپنی سائنس کو آگے بڑھایا تھا کہ اسے سائنس بھی سمجھا جائے گا یا نہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس کی نفسیات کو بہت سنجیدگی سے سائنس نہیں سمجھا گیا اور کئی مفکروں نے اسے اس دور کا نظیر ظاہر کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اب تو سائنس دانوں میں کم ہی لوگ ایسے ہیں جو مذہب کو بطور فلسفہ حیات قبول کرتے ہوں۔ آئن سٹائن نے جس طرح مذہب قبول کیا ہے، اس سے بہتر تھا کہ وہ اس سے انکار کر دیتے کئی لوگ اسے مذہبی انسان گردانتے ہیں حالانکہ ایسا سمجھا نہیں جاسکتا، محض خصوصیات (Mystical) تجربہ ہو جانا مذہب نہیں ہے۔ یہ تجربہ کسی ایسے شخص کو بھی ہو سکتا ہے۔ جو سرے سے مذہبی نہ ہو۔ وہ اس واردات کی توجیہ اپنے طور پر کرے گا۔

ہینز پگیلس (Helm Pagels) نے فی مین (Fey Man) کے بارے میں مندرجہ ذیل کہانی بیان کی ہے :

فی مین (Fey Man) ان کے زمانے کا ایک عظیم ماہر طبیعیات تھا۔ شاید وہ عظیم ترین تھ اور اس برس کے شروع میں فوت ہوا ہے۔۔۔۔۔ وہ ایک ایسے عرض میں تھا۔ جہاں حیات ختم کر دی جاتی ہیں (Sensory Deprivation Tank) اور اسے بدون دلوچ (Exosmatic) تجربہ ہوا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنے جسم سے باہر نکل آیا ہے اور اس نے دیکھا کہ اس کا جسم سامنے چڑا ہے۔ اس تجربے کی حقیقت کو پرکھنے کے لئے اس نے اپنے بازو کو پلانے کی کوشش کی اور بلاشبہ اس نے دیکھا کہ اس کا بازو مل رہا ہے۔۔۔۔۔ جیسا کہ اس کا بیان ہے۔۔۔۔۔ اس کے بعد وہ شکر ہوا کہ وہ شاید بیش ہی اپنے جسم سے باہر رہے اور اس نے پچھنے کی کوشش کی۔

اور جب اس نے اپنی کہانی ختم کی تو میں نے اسے پوچھا، آپ نے اس غیر معمولی تجربے سے کیا اٹھ کیا۔ فی مین نے مشاہدہ جی کے ساتھ، جو ایک حقیقی سائنس دان کا حصہ ہوتی ہے، جواب دیا۔۔۔۔۔ "میں نے یہ نہیں دیکھا کہ طبیعیات کا کوئی قانون اس سے

مسلک کا یہ حوالہ جدید طبیعت کی اکثر کتابوں میں نظر آ جاتا ہے، ہماری دھرتی کے عظیم فرزند، نوبل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے۔ یہ حوالہ ان کے ایک مضمون ”ایک اسلامی نقطہ نظر“ میں دیا گیا ہے۔ جو ان کی کتاب ”ارمان اور حقیقت“ کا آخری مضمون ہے۔

میرے لئے حیرت کی بات یہ ہے کہ سب نے فے مین کے اس بیان کو بغیر کسی تنقید کے قبول کر لیا کہ اس تجربے سے طبیعت کا کوئی بھی قانون منسوخ نہیں ہوا، کیا یہ سوال اٹھایا نہیں جاسکتا تھا کہ آیا اس حوالے سے کوئی نیا قانون بھی دریافت ہو سکتا ہے یا نہیں! آئن سٹائن اور اوپن ہائمر (Oppenheimer, J. Robert) (۱۹۰۴-۱۹۵۷ء) کی طرح دیگر سائنس دان ایسے ہیں، جو ایسی ریاضیاتی مساوات کی تلاش میں ہیں، جن کا اطلاق دنیا کی ہر شے پر ہوتا ہو، کیا یہ تجربہ ان کی مساوات کے دائرہ کار سے بھی باہر ہے۔ یہ ماننا کہ طبیعت کا تعلق مقدارت سے ہے، خصوصاً کوانٹم کے تو معنی ہی یہ ہیں مگر جسم سے باہر نکلنے کا تجربہ ممکن ہے کوئی نہ کوئی کیت بھی رکھتا ہو!

جسم سے باہر نکلنے کا تجربہ کوئی نئی شے نہیں ہے۔ ایسے شواہد بہت پرانی کتابوں سے بھی ملتے ہیں کہ بعض لوگوں کو اس کا تجربہ ہوا اور بعض لوگ اپنی مرضی سے اپنے جسم سے باہر نکل کر واپس آسکتے تھے۔ چلنے فے مین کے حوالے سے یہ تو ثابت ہوا کہ وہ جھوٹے نہیں تھے۔ ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ اپنی مرضی سے جسم سے باہر نکلنا اور واپس آنا تھا۔ ڈاکٹر مولی (Mody) کی کتاب زندگی بعد از زندگی (Life After Life) اس تجربے کو بار بار بیان کرتی ہے، جن لوگوں کو موت کا تجربہ ہوا اور کسی وجہ سے وہ پھر سے زندگی میں واپس آ گئے، وہ بھی یہ بتاتے ہیں کہ وہ اپنے جسم سے باہر نکلے، اپنے مردہ جسم کو دیکھا، عزیزوں کو روئے ہوئے پایا اور انہوں نے بہت اونیچائی سے اس پورے کمرے کا جائزہ لیا جس میں ان کی بے حس لاش پڑی تھی۔ کیا ان کے تجربے اور فے مین کے تجربے میں کوئی مماثلت ہے؟ کیا ہمدون دلوج کا تجربہ ان کو نہیں ہو سکتا تھا، کیا اس کے لئے اس حوض کا ہونا ضروری ہے، جو سب حیات کو ختم کر دیتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ حیات کے ختم ہونے کے ساتھ ہی بیرونی جسم آنے کا تجربہ

شروع ہو جاتا ہو، مجھے تو لگتا ہے کہ شاید اس بات کے حق میں ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ نئے تجربے کو طبیعات کے پرانے اصولوں کو توڑنا چاہئے اگر وہ کسی وجہ سے ایسا نہ کر پائے تو کیا وہ نیا تجربہ نہیں ہے؟ ایسے بہت سے سوال ہیں جو ذہن میں بار بار اٹھتے ہیں۔ میں یہ تو فیصلہ کتنا کہ ڈونگ کے جوابات آپ کو مطمئن کر سکیں گے، مگر انکا ضرور مشورہ ہے کہ ڈونگ نے اپنے عہد کے ہر اہم سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ان سوالات میں ہر طرح کے سوالات ہیں جدید طبیعات سے لے کر قدیم حکمت تک، سبھی کچھ ڈونگ کے دائرہ کار میں آتا ہے۔ ڈونگ ایک جدید سائنس دان بھی ہے اور اسے پرانی حکمت کا نمائندہ یا دریافت کنندہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس کے نظریات عمل دنیا کا بھی احاطہ کرتے ہیں اور ان کی رسائی نظریات کی بھول بھلیوں تک بھی ہے۔

ڈونگ سوئٹزر لینڈ کے ایک بااثر پادری کا بیٹا تھا، مگر خود اس کے دل میں کچھ ایسے شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے کہ مذہب پر اس کا ایمان متزلزل ہو گیا تھا لہذا اس نے مذہب کا بدل تلاش کرنے کی کوشش کی تھی اور ہاسل یونیورسٹی (University Of Basel) میں اس نے طب کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ فرانیز کی طرح ڈونگ نے طب کو اپنی مختلف نوعیت کی دلچسپیوں کے لئے ایک مفادہتی نقطہ بنانا تھا اور اس کے پیش نظر سائنسی اور فلسفیانہ دونوں طرح کی دلچسپیاں تھیں۔ یونیورسٹی کے قیام کے دوران میں اس نے دوسرے علمی مسائل کے دوران روحانیت جتنے (Spiritualism) پر ایک کتاب دریافت کی تھی اور پھر اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اس نے روحانیت پر جو کچھ بھی فراہم ہو سکتا تھا پڑھ لیا تھا مگر اس مطالعے کا زیادہ تر تعلق آسمان کے ساتھ تھا، اس نے جرمن مثلیت پسندوں (Idealists) اور صوفیاء (Mystics) کے ساتھ ساتھ سویڈن بورگ (Swedenborg) کی سات جلدوں کا بھی مطالعہ کر لیا تھا پھر تین برس کے بعد اس کی دلچسپیوں کا رخ ایک بار پھر جبرائیل (Paranormal) کی طرف ہو گیا اس سے پہلے اس کے اپنے گھر میں بظاہر دو بے معنی دھماکے ہوئے تھے، ایک دھماکے میں اس کے میز کی ٹھوس ٹاپ (Top) ٹوٹ گئی تھی اور دو مہرے میں کھدائی کرنے والے چاقو کا پھل الگ ہو گیا تھا اس کے چند ہفتوں کے بعد ڈونگ کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے عزیزوں نے ایک چندہ سالہ میڈیم (Medium) لڑکی کے گرد ایک

علقہ بنا لیا تھا۔ دو برس تک ڈونگ ان کی مجلس حاضرات (Seances) میں شریک ہوتا رہا تھا اور پھر جو مواد اس نے وہاں سے جمع کیا تھا وہ اس کی ڈاکٹریٹ کا مواد بن گیا تھا۔

اسی دوران کرافٹ ایبنگ (Kraft-Ebing) کی وساطت سے ڈونگ نے نفسیات کو دریافت کیا اور زیورچ (Zurich) کے برغولزی (Bergholzi) کے ذہنی ہسپتال میں یوجین بلیمار (Eugen Bleuer) کا نائب مقرر ہوا۔ بلیمار تجرباتی چٹاس (Hypnosis) میں دلچسپی رکھتا تھا اور کچھ عرصے تک ڈونگ چٹاسم کے مطب کا انچارج بھی رہا۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۳ء تک ڈونگ اور بلیمار دونوں ہی فرانیز کے وفادار شاگرد رہے۔ ڈونگ کا فرانیز سے الگ ہو جانا فرانیز کے لئے انتہائی تکلیف دہ تھا کیونکہ وہی اس کا ولی عہد بھی تھا اور اس کا انتہائی پیٹا شاگرد بھی تھا مگر ان سب باتوں کے باوجود اب جبکہ ان تعلقات کو ٹوٹے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا ہے، لوگوں کو اس بات پر سخت حیرت ہے کہ تعلقات آخر آپس میں قائم ہی کس طرح ہوئے تھے۔ دونوں کے مزاج اور زندگی کے بارے میں نقطہ نظر کا فرق اس قدر زیادہ ہے کہ ہر اوقات ان کے درمیان کوئی قدر مشترک تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ۱۹۱۱-۱۲ء کے دوران خود فرانیز بھی باوقی الفطرت (Supernatural) میں دلچسپی لینے لگا تھا مگر یہ دلچسپی بے حد سطحی بھی تھی اور فرانیز نے اس کی گہرائی میں اترنے کی کوشش بھی نہ کی تھی؛ شاید اس کا بنیادی مقصد محض اس قدر تھا کہ عقلی علوم کے نام پر جو قراء ہوتا رہتا تھا اس سے کسی طرح بچا جائے۔

مگر ڈونگ جو ۲۶ جولائی ۱۸۷۵ء کو کیسول (Keswill) کے مقام پر پیدا ہوا تھا اپنی پیدائش کے چار برس بعد اپنے خاندان کے ساتھ نقل مکانی کر کے کلین ہونن گن (Klein Hunn Gen) کے مقام پر باسل کے قریب آباد ہو گیا تھا۔ وہ بچپن ہی میں خواہوں کے وساطت سے صوفیانہ اور اسراریت (Mysterious) کی اہم میں داخل ہو گیا تھا۔ اس نے لڑپن ہی میں یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ اس کی دو شخصیتیں ہیں ایک تو بوجھلادانا آدمی (Old Wise Man) جو ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتا تھا اور پھر ساری زندگی اس پر اثر انداز ہوتا رہا حتیٰ کہ اس نے ڈونگ کے نظریات کو بھی متاثر کیا ہے۔ یہ بات شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ سائی گنگ (Psychic) عوامل میں اس کی دلچسپی موروثی تھی۔ اس کی ماں اور اس کی مٹی دونوں ایسی خواتین کے طور پر مشہور تھیں، جن کو بھوت نظر آتے ہیں۔ اس

کی بنی جس کا ہم آگسٹا پرس ورک (Agusta Prieswerk) ایک ہارتھن دن تک ٹرانس
لٹے (Trance) کی حالت میں رہی تھی۔ اس وقت اس کی عمر میں برس تھی، اس ٹرانس کے
دوران اس نے دفعوں سے رابطہ قائم کیا تھا اور کچھ پیشین گویاں بھی کی تھیں، ڈوگ کی والدہ
ایملی (Emilie) کو اس کے باپ نے اس وقت اپنے عقب میں بیٹھنے کے لئے کہا تھا جب وہ
وعدہ (Sermon) لکھ رہا تھا۔ تاکہ اس تحریر کے دوران بصوت اسے ٹک نہ کریں۔ اس نے
اپنی ایک ذاتی یادداشت تحریر کی تھی، جس میں اس نے ان واقعات کی نشاندہی کی جو چراٹارل
تھے اور اس گھر میں وقوع پذیر ہوتے رہتے تھے۔ چارل کارل گسٹو ڈوگ بھی موجود تھا۔

۱۸۸۸ء میں ڈوگ نے سنجیدگی کے ساتھ عقلی علوم میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔
پھر اس نے ۱۹۰۰ء میں سائی کیسٹرسٹ لٹے (Psychiatrist) بننے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس
نے اس کی تربیت باسل میں حاصل کی تھی، پھر جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی سولہ سالہ
کزن علی طور پر میڈیم بن چکی ہے، تو اس نے اسے دعوت دی کہ وہ اس کے لئے تجرباتی طور
پر کچھ کام کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

پھر اسی بنیاد پر اس نے اپنا ڈاکٹریٹ کا مضمون لکھا تھا جو ۱۹۲۳ء میں پبلی بار شائع ہوا
تھا اور اس کا عنوان تھا۔

On The Psychology And Pathology Of So Called Occult
Phenomena.

۱۹۰۳ء میں ڈوگ نے ایما روشن ہارخ (Emma Rauschenbach) سے
شادی کر لی یہ خاتون بہت امیر تھی اور ایک صنعت کی مالک تھی۔ پھر ۱۹۰۶ء میں اس نے اپنا
مشہور مضمون لکھا جس کا عنوان تھا۔

The Psychology Of Dementia Praecox.

پھر ۱۹۰۹ء میں ڈوگ نے اساطیر (Mythology) میں دلچسپی لینی شروع کی، اور اسی
سال اس نے برنٹولی کا ڈینی ہسپتال چھوڑ دیا، یہاں اس نے نو برس گزارے تھے، اس دوران
وہ فریڈ کے ساتھ امریکہ بھی گیا اور اس نے کھارک یونیورسٹی (Clark University)
سے درسٹر (Worcester) اور مس چوسٹس (Massachusetts) کے مقام پر اعزازی
ڈگری بھی حاصل کی تھی۔ (ڈوگ کو ڈاکٹری اعزازی ڈاکٹری ۱۹۲۶ء میں ہارورڈ (Harvard)

یونورسٹی سے ۱۹۳۸ء میں آکسفورڈ (Oxford) سے اور جنیوا (Geneva) سے ۱۹۴۵ء میں ملی تھی۔

۱۹۵۰ء میں اسے انٹرنیشنل کانگریس آف سائیکو انلی سس (International Congress Of Psycho Analysis) کا صدر مقرر کیا گیا تھا۔ ڈونگ نے ۱۹۱۳ء میں اس سے استعفیٰ دے دیا، پھر زیورخ کی یونورسٹی سے بطور پروفیسر بھی وہ مستعفی ہو گیا۔ جب اس نے بہت سے رشتے ایک ہی وقت میں توڑ لئے، تو بطور جوزف کمپ بل (Joseph Campbell) وہ شدید قسم کی ذہنی مشغولیت (Preoccupation) کا شکار ہوا اور لا شعور سے اس نے بہت سے تشکل (Image) دیکھے اور اساطیر کے ساتھ خوابوں کا رشتہ دریافت کیا۔

مئی ۱۹۱۰ء میں لندن کی سائیکی کل تحقیق انجمن (Society Of Psychological Research) نے ڈونگ کا ایک مضمون شائع کیا۔ ”روحوں میں یقین رکھنے کی نفسیاتی بنیاد۔“ اس میں ڈونگ نے روحوں میں یقین رکھنے کے تین مآخذ بیان کئے۔ مظاہرات کی رویت (Seeing Of Apparitions) ذہنی امراض اور خواب۔ مگر خواب تخیلوں میں سے زیادہ دافر تعداد میں تھے اس نے کہا روحیں موت کے موقع پر نفسیاتی طور پر پیدا ہوتی ہیں۔ تشکل و خیالات جو مرنے والے عرصہ کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں وہ جذبات کی شدت کی وجہ سے روح کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۳ء تک ڈونگ بہت بری طرح فرانیڈ کے اثر میں رہا، ایک بار تو یہاں بھی ہوا کہ ڈونگ نے فرانیڈ کی موجودگی میں روحی حرکت (Psychokinetic) کی قوت کا مظاہرہ ایک گرم باکرم بحث کے دوران کیا، پھر کئی برس کی رفاقت کے بعد جدائی کا لمحہ آیا۔ یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب فرانیڈ نے ڈونگ سے کہا کہ وہ ایک طوب کا تجزیہ کرے، جو فرانیڈ نے دیکھا تھا، مگر اس نے کلیدی حازے میں پڑنے سے انکار کیا کیونکہ اس طرح فرانیڈ کا معتبرہ (Authority) متاثر ہوتی تھی، مگر ڈونگ کو اس حلیے میں فرانیڈ سے واضح اختلاف تھا خاص طور پر اس پر کہ فرانیڈ جنس کو اہمیت دیتے ہوئے اسے بنیاد بنا چلا جا رہا تھا اور وہ اسے لوگوں کی بنیادی فعالیت (Driving Urge) سمجھتا تھا، اسے یہ بھی اعتراض تھا کہ فرانیڈ ٹیس کے روحانی پہلو کا قائل نہیں ہے اور نہ ہی جبرائیل کو تسلیم کرتا ہے، اس کے

علامہ رمز (Symbol) کے معانی پر بھی اختلاف رائے تھا۔

فرائیڈ سے ڈوگ کا الگ ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی وجہ سے وہ خاصی دیر تک ذہنی طور پر پریشان رہا وہ کوئی چھ برس تک ذہنی پرانگیہ کی کاٹھار رہا اور اس دوران اس پر سلی کوٹک (Psychotic) فٹنسیا کا ظہر رہا اس کو صوفی (Mystic) کہا جاتا رہا۔ یہ ایک ایسا اثرام تھا جس کو لگانے والے اسے ہم عصر سائنسی فضا سے خارج کرنا چاہتے تھے۔ فرائیڈ نے یہ کہہ دیا کہ ڈوگ چاہتا ہے کہ اس کی موت واقع ہو جائے۔ یہ بیان اس واقعے کے بعد جاری کیا گیا کہ وہ اس کی موتوں کی میں دوبارہ بے ہوش ہوا تھا۔ ڈوگ نے اس اثرام کی صحت سے انکار کیا، مگر فرائیڈ سے علیحدگی کے بعد اس کا اندر ایک یسودا کا مچکس (Juda Complex) کا ٹکار ہوا اس نے ایک انتہائی علامتی خواب دیکھا وہ دیگ نیرین (Wagnerian) کے خوابوں کی طرح تھا اور اس خواب میں اس نے فرائیڈ کو قتل کیا۔

ڈوگ کی زندگی میں نفسیاتی الجھن کے اس زمانے میں اس نے بہت سے پراثر مل مظاہرے دیکھے، وہ تو گویا رفنگن کی دنیا کا ایک فرد بن چکا تھا اور اس نے اسی دوران اپنی تحریر (Seven Sermons To The Dead) لکھی اور اس پر دوسری صدی کے مشہور عارف لکھاری (Gnostic Writer) تھی لائیڈز (Basillides) کا نام بطور مصنف دے دیا۔ یہ کتاب ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی اس کتاب میں یہ کہا گیا تھا کہ رفنگن کی روح کی آوازیں! جواب سے محروم ہیں! اپنے مسائل کو حل نہیں کر پائیں اور نجات نہیں پاسکیں، اس ذہنی حالت میں خواب اور بیداری کی سرحد بھی ڈوگ کے لئے بالکل غائب ہو چکی تھی۔ ڈوگ نے ان کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی سوانح عمری Memories, Dreams' Reflections میں کیا ہے۔ (یہ کتاب ۱۹۲۵ء میں اس کی موت کے بعد شائع ہوئی تھی۔)

فرائیڈ سے علیحدگی کے بعد ڈوگ کو سننے میں جو وقت لگا سونگہ مگر اس واقعے نے اسے پیش کے لئے مفلوج تو نہیں کر دیا تھا۔ اس کا ایک بے حد اہم نظریہ جو نفسیاتی اقسام (Psychological Types) کے نام سے معروف ہے: پہلی بار ۱۹۲۱ء میں متعارف ہوا اس میں ڈوگ نے بنیادی طور پر دو اقسام کی نشاندہی کی، یعنی بیروں میں (Extrovert) اور اندروں میں (Introvert) اور پھر ان کی بنیاد چار اور تقابل پر ہے یعنی فکر، احساس، قس

(Sensation) اور وجدان (Intuition)۔ دوسرے قابل ذکر نظریات انیما (Anima) جو نسائی اصول ہے اور اینی مس (Animus) جو مردانہ اصول ہے پر مشتمل ہیں۔ یہ انسان کے مردانہ اور زنانہ پہلو ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اجتماعی لاشعور اور آرکی ٹائپ کے نظریات بھی اس نے متعارف کروائے (ان کی تفصیل کتب اول میں آچکی ہے)۔

فرائیڈ کی طرح ڈونگ نے بھی علامات (Symbol) کے شعوری مواد کا تعلق لاشعور کے ساتھ اس طرح قائم ہوتے ہوئے دیکھا کہ ان کی مدد سے لاشعور کو دریافت کیا جاسکتا تھا۔ ڈونگ نے کہا کہ اشارے (Sign) اور مرض کی علامتیں (Symptoms) بہت مختلف شے ہوتی ہیں اور ان کو ایک وجدانی خیال کے طور پر سمجھنا چاہئے۔

خواب بھی ڈونگ کے ان موضوعات میں سے ہیں، جن میں فرائیڈ کو بھی دلچسپی ہے۔ فرائیڈ نے خواب کی رموز کا ایک ہمہ گیر نظام تشکیل دیا تھا اور کہا تھا کہ ماہر تحلیل ان کی توجیہ کر سکتا ہے۔ ڈونگ کا خیال تھا کہ خواب، خواب دیکھنے والے کی ذاتی ملکیت ہیں اور اس حوالے سے وہ ایک نئی زبان بولتے ہیں اور ان کی صرف خواب دیکھنے والے کے حوالے سے تعبیر کی جاسکتی ہے۔ کچھ خواب البتہ اجتماعی لاشعور سے آتے ہیں لہذا ان کا تعلق پوری انسانیت کے ساتھ ہے۔ اسطور (Mythology) اس وقت ڈونگ کے لئے خاص طور پر اہمیت اختیار کر گئے جب وہ اپنی کتاب ”تبدل کی علامات“ (Symbols Of Transformation) لکھ رہا تھا :

ڈونگ کو عرفان (Gnosticism) میں بھی بے حد دلچسپی تھی اسے صوفیہ (Sophia) یا حکمت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک قابل قدر عنصر ہے مگر چرچ نے اس کے بدعتی عناصر کی وجہ سے ایک بار اسے مکمل طور پر روک دیا تھا۔ ڈونگ نے عرفان کے سلسلے میں جو کام کیا، اس کا تعلق کیمیاگری (Alchemy) کے ساتھ بھی تھا۔ ڈونگ کی وجہ سے جدید عہد میں ان دو موضوعات کے بارے میں لوگوں کی روحانی دلچسپی ایک بار پھر بڑھی۔

۱۹۱۷ء میں ڈونگ نے منڈلا (Mandala) رمزیت (Sybolism) میں دلچسپی لیتی شروع کی۔ ۱۹۲۸ء میں ڈونگ نے سینیات (Sinologist) کے ماہر رچرڈ ویلم (Richard Wilhelm) کی رفاقت میں چین کے تائو کیمیاگری متن

(Tao Alcaemy Text) اسرار کلی ذریں
(The Secret Of Golden Flower) کا مطالعہ کیا اور اس کی تشریح لکھی، یہ کتاب
۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی، یہ کتاب اس کی شاہکار کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

ڈونگ ۱۹۳۳ء میں جنرل میڈیکل سوسائٹی برائے معالجہ نفسی (Psychotherapy)
کا صدر چنا گیا اور تین برس کے بعد اس کا نائب صدر ہوا، اس برس اس کا سب سے بڑا کام
”فردیت کے عمل کا ایک مطالعہ“ (A Study In the Process Of Individuation) تھا، یہ مقالہ اس نے سب
پہلے ایرانوس (Eranos) کے اجلاس میں پڑھا، یہ جلسہ سال میں ایک بار ہوتا تھا اور اس میں
عظیم مفکرین جمع ہوتے تھے۔ یہ اجلاس اولگا فروبے کیپٹین (Olga Froebe Kapteyn)
کی رہائش گاہ میں ہوتا تھا، جو لاگو میگلورے (Lago Magglorre) کے کنارے سوئٹزر لینڈ
میں واقع ہے، پھر تین برس تک اس نے کچے بعد دیگرے تین مضامین وہاں پڑھے۔ یہ تینوں
اس کی زندگی کے شاہکاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ اجتماعی لا شعور کے آر کے چپ
(Archetypes Of The Colletive Unconclous) ۱۹۳۵ء اور کیپاگری میں
مذہبی خیالات (Religious Ideas In Alchemy) ۱۹۳۶ء۔ پھر اس کی کتاب نفسیات
اور کیپاگری (Psychology And Alchemy) ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کی بنیاد
وہی مضامین تھے جو ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۵ء میں ایرانوس میں پڑھے گئے تھے۔ اس زمانے کا اس کا
آخری کام انتقال کی نفسیات (Psychology Of Transference) تھا، یہ کتاب ۱۹۳۶ء
میں شائع ہوئی تھی۔

۱۹۳۳ء میں ڈونگ نے موت کو بہت قریب سے دیکھا اس واقع کو این ڈی ای
(N.D.E) کہا جاتا ہے یعنی موت کو قریب سے دیکھنے کا تجربہ
(Near Death Experience) یہ واقعہ ہارٹ اٹیک کے وقت پیش آیا جب وہ ہسپتال لیتا
تھا تو ایک نرس نے اس کو ہارڈ نور میں لپٹا ہوا دیکھا اور یہی تجربہ اس کو ایک اور مریض کے
سطحے میں ہوا تھا اور وہ مریض مر گیا تھا مگر ڈونگ صحت یاب ہو گیا اور بعد میں اس نے اس
زمانے کے بارے میں خود توضیح کیا۔

اس نے دیکھا کہ وہ زمین کے اوپر بہت اونچا اڑ رہا ہے کہ وہ اعلیٰ پر کھڑے ہو کر مشرق و وسطیٰ کو دیکھ سکتا ہے اور اسے بحیرہ روم (Mediterranean) کا ایک حصہ بھی دکھائی دیا۔ اسے یہ احساس بھی ہوا کہ وہ زمین کو چھوڑ کر جا رہا ہے اور پھر اس نے اپنے قریب پتھروں کا ایک بہت بڑا ڈیمر دیکھا۔ جو ایک بہت بڑے گھر ہے پھت مندر میں لگا ہوا تھا اور دائیں طرف جدھر مندر میں داخل ہونے کا دروازہ تھا ایک سیاہ ہندو کنول آسن (Lotus Position) بنائے ہوئے بیٹھا تھا۔ ڈونگ کو معلوم تھا کہ مندر کے اندر اس کا انتظار ہو رہا ہے۔ وہ قریب گیا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کی زوجی خواہشات اور دوسلے جڑ گئے ہیں اور اسے یہ محسوس ہوا کہ اب وہ زندگی کے مقصد کو سمجھ سکتا ہے، اسی لئے اس کا زوجی ڈاکٹر کوکس (Kos) کے پجاری کے روپ میں ظاہر ہوا۔ یہ ایس کل کلپس (Aesculapulus) کا مندر تھا جو کہ شفا یابی کا دیوتا ہے، اس نے اسے بتایا کہ تمہیں زمین کی طرف واپس جانا ہے۔ ڈونگ نے اس کے حکم کی تعمیل کی، مگر اس کے دل میں ڈاکٹر کے خلاف سخت عداوت تھا اور وہ اس فیصلے سے ناخوش تھا اسے معلوم تھا کہ اب وہ ڈاکٹر مرنے والا ہے۔ کیونکہ ڈونگ کو خیال تھا کہ وہ اپنی بنیادی (Primal) حیثیت میں ظاہر ہوا ہے اور وہ ڈاکٹر واقعی چند دنوں کے بعد مر گیا۔

موت کو بہت قریب سے دیکھنے کے بعد ڈونگ ایک اور متبدل واردات میں سے گزرا اور وہ حالت پیدائش سے پہلے کی حالت تھی۔ وہ ایک اجسام کے عالم میں تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ ابھی پیدا نہیں ہوا۔ اس نے ایک وژن (Vision) دیکھا اور اس نے خود کو آدم (Adam) اور یوہ محسوس کیا اور اس کی دایہ (Nurse) گنایٹر (Magna Mater) تھی جس نے اسے ہیروس گیموس (Heros Gamos) کے اسرار سے آشنا کیا۔ یہ مقدس ازدواجی رشتہ ہے جو عدولند کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

۱۹۵۵ء میں جب اس کی بیوی مرگی تو اس نے بولینگن (Bollingen) سوسائٹی لینڈ کے مقام پر نئی خریدی ہوئی زمین پر پتھروں کا ایک قلعہ بنوایا، پھر اس نے پتھروں پر بے شمار کیساگری اور اسراریت کی شبیہیں کھدوائیں جو علامتیں تھیں اور پتھروں پر کندہ کی گئی تھیں۔ یہ نئی علامت اور اس کی برعیاں اس شعور کی وسعت پذیری تھیں جو بزرگی کی عمر میں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ ستارہ یا برقی اور اس کا علامتی کردار ڈونگ کی تحریروں میں مقصدی نغے (Leltmotif) کی طرح تھا جو اس کی تحریروں کے پس منظر میں ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ پھر

جب وہ دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر اس عمارت میں آکر آباد ہو گیا۔ ڈونگ نے پہلے سے لکھی ہوئی ہمت کی تحریریں دوبارہ لکھیں، ہمت سے موضوعات پر اپنے خیالات کو پھر سے تازہ کیا اور ہمت سے موضوعات پر نئے خیالات روشناس کرائے، اس زمانے کی تحریریں اب ہمت اہمیت کی حامل ہو چکی ہیں۔ ان میں مثلاً، رمزیت (Mandala Symbolism) آئی چنگ (I.Ching) کیمیاگری (Alchemy) ہم وقتیت (Synchronicity) کے ساتھ ساتھ خاص طور پر سلف کی مظاہریت (Phenomenology) وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا ذکر اس کے بعد کی تحریروں میں ہے جو اسے آلون (Alon) میں شامل ہیں۔

ڈونگ کی زندگی میں پیرائارل کا اثر ہمت زیادہ ہے۔ بچپن میں بھی اسے مختلف قسم کے وژن ہوتے تھے اور پڑھاپے تک یہ سلسلے جاری رہا، اور وہ ذہنی طور پر ان عوامل سے کبھی فارغ نہ ہو سکا۔ ایک واقعہ تو ایسا ہے جو فرائیڈ کی موجودگی میں پیش آیا تھا اور اس کا ذکر بار بار مختلف طریقوں سے آتا رہا ہے۔ یہ ۱۹۰۹ء کی بات ہے جب ڈونگ فرائیڈ سے ملنے کے لئے وی آنا آیا ہوا تھا، اس ملاقات کے دوران پیرائنفیات کا موضوع زیر بحث آیا، فرائیڈ نے اس کے وجود سے نفی طور پر انکار کیا۔ جس کی وجہ سے ڈونگ کو خاص ذہنی تکلیف ہوئی، اسے اس قدر غصہ آیا کہ اس کا دیا فرام (Diaphragm) لوہے کی طرح گرم ہو گیا اسی وقت کتابوں سے بھری ہوئی اس کتاباری میں ایک دھماکہ ہوا جس کے سامنے دونوں کھڑے تھے۔ ڈونگ نے فرائیڈ کو بتایا کہ یہ عمل انگیز بدول آدوی کا منظر (Catalytic Exteriorisation Phenomena) ہے اور پھر یہ پیش گوئی بھی کی کہ دوسرا دھماکا بھی ہو گا اور دوسرا دھماکا بھی ہوا، فرائیڈ بڑی طرح ڈر گیا اور اس نے اس حادثے کی وجہ اپنے طور پر بیان کرنے کی کوشش کی۔ پھر ۱۹۱۰ء میں فرائیڈ کے خیالات میں خاصی تبدیلی آچکی تھی اس نے اپنے دوست سینڈر فرنزی (Sandor Frenzy) کے کہنے پر پیرائارل کو کسی نہ کسی حد تک قبول کر لیا تھا، مگر بین اس وقت ڈونگ نے اسے بتایا کہ وہ اس کے جنسی نظریے سے مطمئن نہیں ہے اور اس سلسلے میں اس کا ایک مضمون لیبڈو کی علامات (Symbols of Libido) شائع ہوا جس میں اس نے فرائیڈ کے روانی فلسفے کو رد کر دیا اور پھر ۱۹۱۳ء میں اس موضوع پر ایک نکل کتاب بھی لکھی۔

ڈونگ کی نفسیات میں ایک اصطلاح ہیل سوگ (Hellsaweg) ہے، جو رفتہ رفتہ ابھری ہے۔ اس جرمن اصطلاح کے دو معانی ہیں، ایک معانی تو طریقِ شفا کے ہیں اور دوسرے مقدس طریقِ کار کے ہیں۔ ڈونگ کی نفسیات میں اس بات کو بہت اہمیت حاصل ہے کہ لاشعور کو شعور میں لایا جائے۔ ہیل سوگ فرویت کا ایک طریقہ ہے۔ جس کے ذریعے سلف کو معاشرتی لاشعور سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ اس لاشعور سے جو وجود کی کوکھ (Matrix) ہے، فرویت کے حصول کے لئے کئی حصین خارج ہیں، سب سے پہلے تو شیڈو سے سامنا ہونا ہے۔ ڈونگ کی زبان میں یہ سلف کے اس حصے کو شعور میں لانا ہے، جسے نظر انداز کرنے کا ارتحان پایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کا ایک تقاضا پرسونا (Persona) کو گھلانا (Dissolution) ہے۔ یہ وہ توانائی اٹا ہے، جس سے سفر کا آغاز کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد روح کی شبیہیں یعنی انیما اور ایلی مس آتے ہیں۔ یہ عورتوں کے مردانہ پہلو اور مردوں کے نسائی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ اس کے بعد تو آرکی ٹائپ کا ایک جھوم نظر آتا ہے جس میں یو جانا آدی اور ”عظیم ماں“ کے آرکی ٹائپ بھی شامل ہیں۔ آرکی ٹائپ کچھ مماثلت افلاطونی خیال (Platonic Idea) کے ساتھ ہے مگر اس میں منظر کے ایسے اور برے دونوں ہی پہلو شامل ہوتے ہیں۔ جب کوئی صحیح آرکی ٹائپ تصور دہرتا ہے۔۔۔۔۔ خواہ وہ خواب ہو یا تجلی ہو۔ اس سے سلف کی پیدائش کی نشاندہی ہوتی ہے، اور اس سے یہ بھی کہتا ہے کہ شعور اور لاشعور کثرت (Polarity) پر مشتمل ہیں۔

فرویت کی وضاحت کرتے وقت بلاشبہ ایسی تفصیل بھی بیان کی جاتی ہیں جو ”سلف کی نفسیات“ (Surface Psychology) کہلاتی ہیں۔ اس کی ایک مثال ڈونگ کی ہیروں جینی اور دروں جینی کی تفریق ہے اور اس کے بعد وہ چار اقسام آتی ہیں جنہیں فکر، احساس، قس اور وجدان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ڈونگ کی نفسیات کا اہم ترین پہلو یہی روحانی سفر ہے اور ڈونگ کے لئے یہ ایک قدرتی بات ہے کہ وہ اپنے ان خیالات کو سب سے پہلے مذہب اور علوم مخفی کے حوالے سے بیان کرے، کیونکہ ان کا اصل ہیروپ تو یہیں نظر آتا ہے۔

میں قدرے تفصیل کے ساتھ فرویت کے اس عمل کو دہرا رہا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ یہ تصورات ان پر بھی واضح ہو جائیں، جو ڈونگ کی نفسیات سے موجودہ کتب کی وساطت سے متعارف ہو رہے ہیں۔ ڈونگ ان نفسیات دانوں میں سے ہے، جن کے خیالات تہہ در تہہ

بھی ہیں اور ایک سے زیادہ ماخذ کے بھی حامل ہیں۔ لہذا ان کو کئی زاویوں سے دیکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ شاید آپ کو یہ احساس ہو کہ میں اس عمل کو بیان کر رہا ہوں جو میں اس کی سوانح کے حوالے سے پہلے بیان کر چکا ہوں، مگر ایسا نہیں ہے۔ موجودہ بیان ایک بالکل نئی مختلف زاویے سے کیا جا رہا ہے۔

۱۹۱۷ء میں ڈونگ کی کتاب ”لاشعور کی نفسیات“ شائع ہوئی، اس کے بارے میں خود اس کا بیان یہ ہے کہ وہ ”تاریکی میں ایک وجدانی جست ہے“ اس میں تفکیرات اور تصورات اور حورے اور نامکمل ہیں، مگر اہم بات یہ ہے کہ اس میں پہلی بار فردیت کے تصورات کی نشاندہی ہوئی ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں اس کتاب کو پڑھنے کی ایک کوشش کی گئی تھی مگر مختلف سمتوں سے اسے تصورات ایک ہی وقت میں اٹھ آتے تھے کہ سب کچھ گڈو ہو جاتا تھا، فردیت کا اصل اگہار ایک ایسی کتاب کے ذریعے کیا گیا، جس کا نام سات وعظ (Seven Sermons) تھا اور ڈونگ نے اسے اپنے نام سے شائع بھی نہیں کر دیا تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب وہ اپنے ہی لاشعور کے اندر آوارہ بھرا کرتا تھا پھر ۱۹۱۶ء میں ایک زمانہ ایسا بھی آچکا تھا، جب ڈونگ کا گھر بھرتوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ پھر ڈونگ کو زندگی کا ایک بڑا اثر مل تجربہ ہوا جس نے اسے بے پناہ متاثر کیا۔ گرمیوں کی ایک دہر کو اس کے گھر کی گھنٹی بجنی شروع ہوئی۔ حلاکتہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا اور اسے یوں لگا کہ اس کا گھر دو عوں سے بھر گیا ہے پھر ڈونگ کو لگا کہ اب کچھ ہونے والا ہے۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے! اس نے اپنے دل سے سوال کیا تھا۔ پھر افسوں نے کورس (Course) کی شکل میں چلائے شروع کیا۔ ”ہم بروہم سے لوٹے ہیں، جنہاں ہمیں وہ کچھ نہیں ملا جس کی ہمیں تلاش تھی۔“

ان الفاظ کے ساتھ وعظ کی اس کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ ”رفنگان بروہم سے واپس لوٹے تھے، وہاں افسیں وہ کچھ ملا نہیں تھا جس کی افسیں تلاش تھی۔ انہوں نے مجھے کہا تھا کہ ہمیں اندر آنے دو اور یوں میری تعلیمات کا آغاز ہوا تھا۔ ڈونگ نے تین شاموں میں یہ کتاب لکھی تھی اور وہ بھی نیم خود کار طریقے سے، پھر اس نے عنوانیت اور ذیلی عنوانیت بھی رکھے تھے۔ مرے ہونے کے لئے سات وعظ بھی لائیڈز (Basilides) نے جو اسکندریہ کا رہنے والا تھا یہ کتاب لکھی تھی، اسکندریہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں مشرق اور مغرب کا حکم ہے۔ یہ شر

نوظلمونیت (Neo-Platonism) اور کیمیاگری کا شر تھا اور یہی مشرقی و مغرب ڈونگ کے حوالے سے ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے تھے سات وحق، فردیت کے عمل کے لئے طریق کار کا درجہ رکھتی ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی شاید ضروری ہو کہ مردوں سے مخاطب ہونا اور ان کی رہنمائی کی کوشش کرنا تاکہ وہ نجات پا جائیں صرف عیسیٰ لائیڈ یا ڈونگ تک محدود نہیں ہے۔ مصریوں کی کلاسیکی کتاب (Book Of Dead) بہت مشہور کتاب ہے اور اسے کئی علوم کے حوالے سے پڑھا گیا ہے۔ ایسی ہی ایک کتاب ثبت سے بھی متعلق کی جاتی ہے۔ ڈونگ اس سے بھی بہت متاثر ہوا تھا۔ ان دونوں کتابوں کو غفلتِ علوم اور روحانیت میں اعلیٰ مقام دیا جاتا ہے۔

ڈونگ اپنی کتاب کا آغاز پرمانیا خدا تعالیٰ (Pleroma) سے کرتا ہے، جس میں کچھ بھی نہیں ہے اور کچھ نہیں ہے، اور جس کے بارے میں سوچنا یا غور کرنا بے سود ہے۔ یہ وجود کی وہ حالت ہے جس سے انسان کو امتیاز کرنا چاہئے اور اس کا طریق فردیت کے حصول کے راستے ہیں۔ دوسرا راستہ واپس ہلیروما کی طرف جانا ہے جس میں داخل ہوتے ہی ہر طرح کی فردیت ختم ہو جاتی ہے اور انفرادیت کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا۔ انسان کو ہر حالت میں پوری طرح تسلط پا جانے والا ابراخمس (Abraxas) اور اس کے لئے ابراخمس یا جنس پر دانہ کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں، عیسیٰ لائیڈ اسے توانائی حقیقت (Illusionary Reality) کے معنوں میں برتا ہے، اس میں قوت، دوران اور تبدیلی کے معانی موجود ہیں۔ اگر کوئی شخص ذرا سا بھی مشرقی عرفانیات (Gnostics) سے متعارف ہو تو اسے بخوبی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ڈونگ کے تصورات کہاں سے آئے ہیں کہ اگرچہ اس نے ان تصورات میں کچھ تبدیلیاں ضرور کی ہیں، جن میں فردیت کا تصور خاص طور پر کامل ذکر ہے، یہی وہ راستہ ہے جو روحانیت کی طرف جاتا ہے۔

ڈونگ خود بھی مصری عرفانی انگوٹھی پہنا کرتا تھا مگر اس نے اس کی علامت کو مصابحت کا رنگ دینے کے لئے، اسے تبدیل کر دیا تھا۔ وہ اپنے ہم عصر عرفانی سلسلوں سے بخوبی آگاہ تھا۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ ۱۹ ویں صدی کے آخر میں جو احیا ہوا ہے وہ عرفانی خیالات کی نئی انفرانٹس ہے۔ دیکھی ہی جیسی کہ حضرت عیسیٰ کے بعد پہلی صدی اور دوسری صدی میں ہوئی تھی۔ بعد میں اس نے بتایا تھا کہ وہ عرفانیات کا مطالعہ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۶ء کے دوران کرتا رہا تھا اس کے

بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جن دنوں وہ روحانی میڈیم کا مطالعہ کر کے مطالعہ سے اچھا خلاصہ آگیا ہو چکا تھا۔ پھر ڈونگ کے گھر کے پاس آئنسٹائن عرفانی کلیسا (Universal Gnostic Church) کے مرکزی دفاتر نے اور ۱۹۳۰ء میں برلن میں ایبرک سی خریداری ممکن ہو سکی تھی۔ دونوں عظیم جنگوں کے درمیان کا وقت ڈونگ نے علوم عقلی کے حصول اور احیاء کی دھن میں گزارا تھا۔

ڈونگ کو عقلی علوم کے بارے میں بہت سے خیالات مشرقی فلسفے اور مواد کے مطالعہ کے دوران ہاتھ آئے تھے اس دوران اس نے انسانی روحانی سفر کی نئی توجیہ بھی کی تھی۔ کچھ نہ کچھ علم اس نے علم نجوم (Astrology) کے مطالعے سے بھی حاصل کیا تھا۔ مشہور مستشرق (Orientalist) رچرڈ ولیم کے ساتھ اس کا تعلق تھا اور پھر اس نے ایون۔ ورنز (Evan Wentz) کے جتنی متن کا بیجاچہ بھی لکھا تھا۔ یہ دیکھنا بہت اہم ہے کہ ڈونگ نے ماخذوں کو نئی توجیہات کے لئے استعمال کیا تھا علم نجوم کے تاریخ دانوں کے لئے یہ بات بہت اہمیت کی حامل نہ بھی ہے کہ ڈونگ علم نجوم کے بارے میں کیا سوچتا تھا۔ مگر جو لوگ ڈونگ کی نفسیات یا ذات میں دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے یہ بات انتہائی اہم ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہیل سوگ یا روحانی سیاحت پر خصوصی توجہ دیں یہ بھی اہم ہے کہ اس نے کیمیاگری کا جو متوازی نفسیات میں تلاش کیا تھا اس کا مطالعہ نور سے کیا جائے۔

ڈونگ نے اپنے بارے میں جو تحریر زندگی کے آخری دنوں میں لکھی۔ اس میں وہ کہتا ہے کہ اس نے کیمیاگری کے بارے میں تحقیق ایک خواب کی تحریک پر آغاز کی اس خواب میں وہ ۱۷ ویں صدی میں گمراہ ہوا تھا۔ اس کے بارے میں صحیح بصیرت اسے اس وقت حاصل ہوئی جب اس نے "اسرار کل ذریعہ" پڑھی۔ یہ ایک چینی مسودہ تھا جو اس کے دوست رچرڈ ولیم نے اسے بھجوا دیا تھا مگر اس سے پہلے لکھا جانے والا ایک مضمون "فردیت کے عمل کا ایک مطالعہ" کچھ اور ہی ملکیت بیان کرتا ہے۔ اس میں اس کے ایک مریض کی بتائی ہوئی تصویریں ہیں جو فردیت کے مختلف مدارج کو بیان کرتی ہیں اس سلسلے کی تیسری تصویر بلاشبہ کیمیاگری کی طرف ایک واضح اشارہ تھا جس سے مجھے یہ سوچ بھی کہ میں حقیقی طور پر اس قدم روکے کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کرنا ضروری ہو گیا۔ یہ تصویر ایک خاص کڑے (Sphere) پر مشتمل تھی اور اس کے کونے میں ایک سانپ تھا اور اس کڑے کے گرد

گردش کرنا ہوا ایک اور سفید اور چمکدار کمرہ تھا اور اس میں ۱۲ کا عدد لکھا ہوا تھا۔ ڈونگ کے مریض نے اسے بتایا تھا کہ حلقہ عطارد یعنی (Mercury Of Hermes) کے بازوؤں کا نمائندہ ہے (کلاسیک معنوں میں وہ خدا کا قاصد تھا۔ مگر کیمیاگری میں اسے روج کا نجات سمجھا جاتا ہے) اور وہ پگھلی ہوئی چاندی سے بنا ہوا ہے۔

یہ حقیقت بہت اہم ہے کہ یہ خیال مریضوں نے تجویز کیا تھا یہ خود ڈونگ کی اختراع نہیں تھی، یہ بھی ممکن ہے کہ اس سلسلے میں ایک شخصیت کی نشاندہی کی جائے کرستان مان (Kristine Mann) جو نیویارک میں ڈونگ کی نفسیات کو عملی سطح پر متعارف کروانے والوں میں سے ایک تھی، اور چارلس ہال بروک مان (Charles Halbrook Mann) (۱۸۳۹-۱۹۱۸) کی بیٹی تھی جو سویڈن بورگین جدید کلیسا کا امریکہ میں سب سے بڑا دانشور تھا۔ کرستان مان سویڈن بورگین کلیسا سے تعلق دوہری اہمیت کا حامل ہے، پہلی اہمیت تو یہ ہے کہ خاص طور پر امریکہ میں سویڈن بورگین کلیسا خصوصی طور پر کیمیاگری سے متعلق تھا خصوصاً ان ذہنوں میں جو روایت پسند ہیں، پھر یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ چارلس مان نے بھی انیسویں صدی کے دوران، ذہنی امراض کی شفا یابی میں بہت دلچسپی لی تھی اور علاج کا ایک نظام بھی تشکیل دیا تھا پھر ڈونگ سے آدھریں صدی پہلے ہی اس نے اسے ایک تحریک کی شکل دینے کی کوشش کی تھی اور اس کا طریق کار بھی وہی تھا جو ڈونگ نے اس کی بیٹی کے علاج کے لئے اختیار کیا تھا اس کو وہ سویڈن بورگین روحانی طریق کار سمجھتے تھے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ خود ڈونگ نے سویڈن بورگ کو بہت پڑھا تھا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ڈونگ پر یہ اثرات محض نیوچرچ یا کرستان مان تک محدود نہیں تھے کچھ اور مریض بھی ایسے تھے جو انہی خطوط پر علاج کی سست بڑھ رہے تھے۔ کچھ زمانے کے بعد کرستان مان نے اس پر ایک مقالہ بھی لکھا تھا جس کا نام تھا (Self Analysis Of Emmuel Swedenborg) یہ مضمون نیویارک کے ڈونگ کے حلقے میں تقسیم کیا گیا تھا اور یوں ڈونگ نے اپنی توجہ خاص طور پر کیمیاگری کی طرف مبذول کی تھی۔

پھر ۱۸۳۰ء اور ۱۸۵۰ء کے دوران ڈونگ نے کیمیاگری کے بارے میں اپنا رویہ پوری طرح واضح کر دیا تھا۔ اس کی کتاب ”نفسیات اور کیمیاگری“ جو اس دوران شائع ہوئی تھی اس

سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ ڈونگ نے کیمیاگری کے متعلق خاص مطالعہ کیا تھا اور یوں اس کے عقلی رخ کی پیش قدمی ہوئی تھی۔

اس میں یہ کہا گیا تھا کہ سطح پر تو عیسائیت تھی مگر اندر کیمیاگری کی حکمرانی تھی۔ ڈونگ یقیناً اے ای ویت (A. E. Waite) سے متاثر ہوا تھا خاص طور پر اس خیال میں کہ عیسائیت کے مرکزی خیالات عرفانی فلسفے (Gnostic Philosophy) کے منبع سے ابھرے ہیں اور اس نے ایسے عیسائی دانشوروں کے استدلال کو دہرایا تھا جو سری (Esoteric) عیسائی تھے، اور انہوں نے عقلی علوم کے احیاء میں مثبت کردار ادا کیا تھا۔ ڈونگ نے سب سے پہلے تو اس سلسلے میں بے حد احتیاط برتی تھی کہ نفسیات کے اندر کیمیاگری کے عرفانی ٹھیک طریقے سے متعین ہو جائیں اور کیمیاگری کے عمل کو فروغ کے عمل کے ساتھ مکمل طور پر درجہ بدرجہ مماثل سمجھا جائے، یہ الگ بات کہ ہر تجویزاتی یا عقلی کیس میں اس کی کار فرمائی اس طرح دکھائی نہ دے۔

چونکہ ڈونگ کی نفسیات کے بارے میں یہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کا تعلق سریت کے ساتھ ہے۔ اس لئے اس کے گرد کئی ایسے لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے، جن کا تعلق کسی نہ کسی طریقے سے روحانیت کے ساتھ تھا۔ اگرچہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے کرشائن مان کی واحد مثال تھی، مگر دوسری جنگ عظیم سے سے کچھ عرصہ پہلے ہی سیرائس نی کول (Maurice Nicoll) ڈونگ کا اپنا انتخاب تھا وہ برطانیہ میں آباد ہوا تھا اور اس کا تعلق کرڈجیٹ (Gurdjieff) انٹیلی ٹوٹ سے تھا۔ ولیم میکڈوگل (William McDougall) پہلی جنگ عظیم سے بھی پہلے ان موضوعات میں دلچسپی لینے لگا تھا اور ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۵ء میں جب ڈونگ نے انگلستان میں سینٹر منعقد کئے تھے تو ان کی رپورٹنگ مشہور عرفانیت پسند (Theosophist) اور سحر کے موضوعات پر لکھنے والے ڈی بی کرو (W. B. Crow) نے کی تھی۔

ڈونگ سے ملتی جلتی طبیعت کے دانشوں نے ۱۹۲۳ء کے بعد ایرانوس کانفرس میں شامل ہوتا شروع کیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے اولگا فروبے کاپٹین (Olga Froebe Kapteyn) (۱۸۸۸ء-۱۹۶۲ء) نے ایک خصوصی آئی ڈی فورم جمیل میگلور (Maggiore) کے کنارے بنوایا تھا۔ تاکہ وہاں ایسے اجلاس ہو سکیں، جن کو سب سے پہلے ”عرفانیت پسندی کا گریوں کا سکول“ کہا جاتا تھا۔ اس تصوف (Mysticism) سری علوم

(Esoteric Sciences) اور روحانی علوم پر تحقیق کی جاتی تھی۔ فراء فروبے (Frau Froebe) سونخ کے صوفیا کی سرپرست تھی، اسی باعث اس صدی کے آغاز ہی سے سریت کے ماہرین وہاں جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ یہ خیال شاید ڈونگ ہی کو سوجھا تھا کہ وہاں عقلی علوم کے فورم کے دوران لکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے اور یہ ایسی زبان میں ہو، جو عام طور پر عقلی علوم میں استعمال ہونے والی زبان کا مناسب بدل ہو۔

ایرانوس میں ہونے والے یہ لکچر عقلی علوم کے گردہوں سے بہت زیادہ مختلف تونہ ہو سکتے تھے۔ ایسکونا (Escona) آنے والا ایک زائر جیکب دہلم ہلدور (Jacob Wilhelm Hauer) جس کو ڈونگ اپنے سونخ کے شاگرد کی وجہ سے جانتا تھا اور ۱۸۹۲ء میں زیچ ریچ کے ڈونگس کلب میں یوگا (Yoga) پر لکچر بھی دے چکا تھا ۱۸۹۳ء میں اس نے ایرانوس میں ہمدی ایمائیت (Number Symbolism) پر لکچر دیا تھا جس سے ڈونگ بے حد متاثر ہوا تھا اور اس لکچر کے دوران اس نے اجتماعی لاشعور کا تصور بھی متعارف کروایا تھا اور اس کے ساتھ ہی نسلی لاشعور (Racial Unconscious) کے بارے میں بھی بات کی، جو چرچی نسل کی ایمائیت سے معمور ہوتی ہے۔

ایک اس کی اہمیت یہ بھی ہے کہ ہلدور نے ناردی امتقاد (Nordic Faith) کی تحریک بھی چلائی تھی اور اس کا آغاز ایرانوس کے لکچر سے ایک برس پہلے ہو چکا تھا اس کے اراکین یہ حلف اٹھاتے تھے کہ وہ کسی فری مین کو اپنی تحریک میں شامل نہیں کریں گے۔ ۱۸۹۵ء میں ہلدور نے برلن میں ایک تقریر کے دوران بہت متشددانہ رویہ اختیار کیا تھا اور ایڈولف ہٹلر (Adolf Hitler) اپنے عصر کا بلند قرار دے دیا تھا۔ ڈونگ نے یہ سب کچھ بڑے متذہب کے ساتھ مشاہدہ کیا تھا اس کا ایک مضمون جس کا عنوان ووتن (Wotan) تھا اور جس کی مدد سے ڈونگ کو نازی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر ایسا کتنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اس میں ہلدور کو ڈونگ نے معتوب قرار نہیں دیا، ڈونگ نے یہ دعوے کیا ہے کہ ووتن جو المانوی (Teutonic) لوگوں کا جدوجہد اور چارو کا دیوتا تھا یہ اس کا آرکی ٹائپ ہے اور جرمنوں کے لاشعور کا لازمی حصہ ہے۔ ڈونگ نے جرمن عیسائی کے تصور کی مخالفت کی تھی اور ان سے کہا تھا کہ اس سے بچرے کہ وہ ہلدور کی تحریک کا حصہ بن جائیں اور اس شخص کی پیروی کرنے لگیں جو خدا کا اوتار ہے۔ ہلدور کی سرگرمیاں

ایک ایسا ہی لیکن حقیقی طور پر ایک بلاورائے کو خش خش جس کی توقع کسی ایسے ہشور سار سے کی جاسکتی تھی جو دونوں کی قوت کا حامل ہو۔

ڈونگ کا بلاور کے ساتھ تعلق صرف اس بات کو ظاہر کرنا ہے کہ دونوں عظیم جنگوں کے درمیانی عرصے میں جرمن زبان بولنے والے علاقے کے منصوبہ ساز اور مزید خیالات کے سیلاب سے محفوظ نہ رہ سکے، اور اس تحریک سے اسے بہت سے شاگرد ہاتھ آئے۔ جو لوگ ڈونگ کو بڑی خیالات کرتے ہیں وہ اس کی نفسیات میں اس طرح کے خیالات کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ کہ اس کے اندر فلی لاشور موجود ہے، جس کو بہر صورت نازی ازم کی طرف موڑا جا سکتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ ۱۹۳۰ء کے عشرے میں ڈونگ نے نازی اور اسرائیلی نفسیات کے بارے میں کچھ بیانات دیے ہیں اور یہ بھی کچھ اس نے اپنے نظام فکر کے اندر رہ کر کیا ہے۔ جو کچھ اس کے مخالفین کہتے ہیں وہ قابل گرفت نہیں ہے، محض انہی بات ہے کہ ڈونگ اور نازی مفکرین کے بعض خیالات میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ خیالات تو اس زمانے میں بہت سے تھے۔ ڈونگ نے جو چاہا ہے ان میں سے جن لیا ہے مگر ممکن ہے اس کے ہونے پھل میں کچھ دانے سڑے ہوئے پھل کے بھی آگئے ہوں۔

اب آخر میں یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے۔ کہ صرف وہی لوگ ڈونگ کی توجہ کرنے کے قابل سمجھے جانے چاہئیں اور وہی خاص طور پر روح کے معاملات میں جو ڈونگ کی تحلیل کے عمل میں سے گزر چکے ہیں۔ مگر ہم جیسے عام لوگوں کے لئے ذہن رچ کے اس عظیم انسان نے جو عمومی خدمت سرانجام دیں، وہ بے شمار بصیرتیں جن کے در اس نے ہم پر ڈاکر دیے ہیں۔ اس نے تھیش کا ایک طریق نکال دیا ہے۔ ایک قابل قبول زبان عطا کی ہے، اور ایک ایسا راستہ بتایا ہے جس پر چلا جاسکتا ہے۔

یہاں تک پہنچ کر یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ ڈونگ کی نفسیات درحقیقت نفسیات نہیں ہے، بلکہ پورے انسان کے دھن کے مطالعے کی ایک کوشش ہے۔ جس کے دائرے مذہب، فلسفہ، تربیت، عقلی علوم اور اساطیر سے ملے ہوئے ہیں۔ ڈونگ نے انسان کے بارے تقریباً سبھی سوالوں کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس نے جدید انسان کے لئے یہ ممکن بنا دیا ہے کہ وہ اپنے عظیم ماضی اور ذرا دینے والے مستقبل کے سلسلے میں ایک مضبوط کڑی ثابت ہو سکے۔ اگلے باب میں ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ جن عقلی علوم کا حوالہ

ڈونگ کے یہاں آیا ہے، وہ اپنے طور پر کیسے جانے پہچانے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کوشش کریں گے ڈونگ کا ان سے تعلق بھی جس قدر ممکن ہو واضح کریں۔ اس باب میں محض چند ہی عقلی علوم کا ذکر آئے گا سب کا ذکر کرنا ممکن بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ علوم مقداری لحاظ سے بھی بے شمار ہیں اور بہت سے ایسے علوم بھی ہیں جن سے ڈونگ کو واسطہ ہی نہیں چڑا۔ خصوصاً مسلم سری علوم، اور عقلی علوم بہر صورت مسلمان سیرت کے کیا معانی لیتے ہیں، اس کی کچھ تشریح آپ کی معلومات کے لئے شامل کی جا رہی ہے۔ کیمیا گری کے سلسلے میں بھی مسلمانوں کے نقطہ نظر کو اس کتاب کا حصہ نہیں بنایا گیا کیونکہ ڈونگ کے حوالے سے ان کا ذکر زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ ڈونگ کا زیادہ زور حیسانیت اور یورپ پر ہی رہا ہے۔ اگرچہ بودھ اور ہندو اثرات کے ساتھ ساتھ کچھ چینی اثرات اس کی نفسیات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

حواشی

۱۔ دائیٹ ہیڈ، اٹلر، نارتھ (Whitehead Alfred North) (۱۸۶۱-۱۹۴۷ء) برطانوی فلسفی اور ریاضی دان۔ دائیٹ ہیڈ کا پہلا بڑا کام Principia Mathematica (۱۹۰۳-۱۹۰۷ء) ہے ہارٹزفیلڈ رسل کی رفاقت میں لکھا گیا۔ بعد کی کتابوں میں، جن میں Principles Of Natural Knowledge (۱۹۱۹) اور The Concept Of Nature (۱۹۲۷ء) شامل ہیں اس نے وہ دشت دریافت کرنے کی کوشش کی جہر تصور (Concept) اور حس مد رک (Sense Perception) میں موجود ہے، اس کے بعد اس کا فلسفہ زیادہ سے زیادہ باوجود طبیعیاتی ہو گیا۔ اس کو ۱۹۴۵ء میں اولیم (Om) دیا گیا۔

۲۔ رسل، برٹرنڈ، آرٹھور، کم (Russell, Bertrand Arthur William 3rd Earl) (۱۸۷۲-۱۹۷۰ء) برطانوی فلسفی، لارڈ جون رسل کا چوتھا اس کا پہلا بڑا کام Principia Mathematica تھا جو اس نے اٹلر دائیٹ ہیڈ کے اشتراک میں کیا، اس میں غائص ریاضی کو منطق کی بنیاد بنایا گیا تھا۔ محدود بنانے پر اور عقلی بنیاد پر (۱۹۱۳ء) Our Knowledge Of External World (۱۹۱۸) ایک ایسی کتاب ہے جس میں طبیعات (Epistemology) کے موضوعات کے لئے زائے سے دیکھا گیا ہے۔ اپنے ہی شاگرد ویٹنگ

شاہن (Wittengstein) سے اس نے سمجھات میں دلچسپی لی تھی۔

اس نے متنوع موضوعات پر لکھا جن میں مذہب، سیاست اور اخلاقیات وغیرہ شامل ہیں اور مسائل کے بارے میں اس نے اپنی رائے خود قائم کرنے کی کوشش کی۔ ۱۹۶۶ء میں اسے اپنے اہمیت (Pacifism) کے نظریات کے باعث جیل جانا پڑا اور اسی باعث اس کی کیمبرج کی گھڑشپ کی فوجی بھی جاتی رہی۔ ۱۹۳۰ء میں ایک امریکی عدالت نے اسے نیویارک میں ایک پروفیسر شپ کے قابل قرار دے دیا، یہ واقعہ اس کے اخلاقی نظریات کے پاس پیش آیا۔ ۱۹۶۸ء میں جب اس نے انٹی اسٹیل کے خلاف آواز اٹھائی، تو اسے پھر سے گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۹۳۹ء میں اسے او ایم کا خطاب دیا گیا اور اوپ کا نوبل انعام اسے ۱۹۵۰ء میں حاصل ہوا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ محبت کا پکاری ہے۔ ظلم کا محتاشی ہے، اور انسانیت کے لئے انتہائی نرم گوشہ رکھتا ہے، اور یہی سب کچھ اس کی زندگی بھر کی لگن ہے۔

سیر فرانسس فرسٹ بارن ویرولم وائی کاؤنٹ سیٹٹ الہائز (Bacon, Francis, 1st Baron Verulam, Viscount 1st Albans) (1561-1626) ایک انگریز وکیل اور فلسفی ۱۵۸۲ء میں اسے بار میں بلایا گیا۔ ۱۵۸۳ء میں وہ ایم پی بنایا گیا۔ ۱۵۹۰ء میں سیاسی پیش قدمی کی امید میں اس نے ارل آف ایسیکس (Earl Of Essex) سے دوستی بنائی، مگر ۱۶۰۱ء میں اس نے اپنی مہلی کو سزا دلوانے میں اہم کردار ادا کیا۔ جیمز اول (جس نے ۲۵-۱۶۰۳ء تک حکومت کی) کے زمانے میں اس کی خوب پذیرائی ہوئی اور سکاٹ لینڈ کی یونین کا کثیر مقرر ہوا۔ پھر ۱۶۰۳ء میں انگلستان کا کثیر بنا۔ ۱۶۱۳ء میں اٹارنی جنرل بنایا گیا۔ پھر ۱۶۱۸ء میں لارڈ چانسلر بنایا گیا۔ ۱۶۲۱ء میں وہ رشوت اور کرپشن میں ملوث پایا گیا اس کو چالیس ہزار پونڈ کا جرمانہ کیا گیا اور اس کو حد سے اور پارلیمنٹ سے بے دخل کر دیا گیا۔

ہیکن کی شہرت کا انحصار اس کی فلسفیات اور ادبی تخلیقات پر ہے، اس نے سترہویں صدی کے سائنسی فکر کو بھی بہت متاثر کیا۔ ۱۵۹۷ء میں اس نے صداقت، مرگ اور دوستی کے موضوعات پر مضامین کی ایک Essays کے نام سے مرتب کی۔ اس کی ان موضوعات پر دو سری کتاب ۱۶۳۵ء میں شائع ہوئی۔ ۱۶۰۵ء میں The New Advancement Of Learning کے عنوان سے اس کی ایک اور کتب شائع ہو چکی تھی، جس میں سائنس کی جماعت بندی کے سرے کی نئی تھی، ۱۶۲۳ء میں اسی موضوع پر اس کی ایک اور کتب شائع ہوئی۔ جس میں اس نے استدلال کیا تھا کہ ظلم صرف تجربے سے حاصل ہو سکتا ہے اور اس میں ہیکن نے استقرائی طریق کار کی وکالت کی تھی، اس کی

دوسری تصنیفات میں اسٹری آف ہنری VII (۱۶۶۴ء) اور New Atlantic (۱۶۶۶ء) شامل ہیں، اس میں اس نے اپنی مثالی ریاست کی وضاحت کی تھی۔

نہوٹن، سرائیزرک (Newton Sir Isaac) (۱۶۴۲ء-۱۷۲۷ء) برطانوی ماہر طبیعیات اور ریاضی دان تھے وہ کیمبرج یونیورسٹی میں پروفیسر تھا (۱۶۶۹ء-۱۷۰۱ء) رکن پارلیمنٹ برائے یونیورسٹی (۱۶۸۹ء-۱۶۸۹ء) اور ماسٹر آف دی منٹ (Mint) (۱۶۶۹ء-۱۷۰۱ء) وہ ہر عہد کے سائنس دانوں میں ایک عظیم سائنس دان ہے۔ اس نے اپنے کام کا زیادہ تر حصہ اس وقت مکمل کیا جب وہ اپنے والدین کے گھر میں لگا شاز میں تھا، یہ کام اس نے گریج انٹن کے بعد مکمل کیا تھا جبکہ یونیورسٹی عظیم چیلنج کی وجہ سے بند تھی (۱۶۶۵-۶۷ء) اس کی سب سے پہلی دریافت قانون جہلذب (Gravitation) تھی، اس اصول میں اس نے یہ کہا تھا کہ درخت سے گرنے والا سیب بھی اسی قوت کی گرفت میں ہوتا ہے جو چاند کو اس کے مدار میں گردش میں رکھتی ہے۔ اس بات کی ضرورت تھی کہ جہلذب کو صراحت کے ساتھ بیان کیا جائے، چنانچہ نہوٹن نے اس کا اطلاق اپنے قوانین حرکت پر بھی کیا۔ اس عہد میں نہوٹن کا دوسرا بڑا کام احصا (Calculus) کی ایجاد تھا، ایک زمانے تک نہوٹن اور لیبائیٹز (Leibniz) ایک دوسرے سے اس بات پر لکھے رہے کہ کس نے اس خیال تک پہلے رسائی حاصل کی تھی۔ امکان یہی ہے کہ دونوں تقریباً ایک ہی وقت میں اس خیال تک پہنچے تھے۔۔۔۔ تیسری بڑی چیز بصريات (Optics) کے میدان میں تھی۔ اس نے یہ دریافت کیا کہ سفید روشنی بہت سی رنگدار روشنیوں کا مرکب ہے، جن کو انعطاف (Refraction) کی مدد سے الگ الگ کیا جا سکتا ہے۔ اسے یہ فلفہ خیال بھی تھا کہ ان اثرات کی صحیح ممکن نہیں ہے۔ جب یہ مدد سے کی انحراف لونیات (Chromatic Aberration Of a lens) کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ پھر اس نے اس اصول کو بروئے کار لاتے ہوئے، انعکاسی دوربین (Reflecting Telescope) ایجاد کی۔ اس کی تحریروں میں اہم ترین تھے Philosophia Naturalis Principia Mathematica (۱۶۸۶-۸۷ء) اور بصريات (Optics) (۱۷۰۳ء) تھی، جس میں یہ کہا گیا تھا کہ روشنی ذراتی (Corpuscular) منظر ہے۔

اگرچہ نہوٹن کو پارلیمنٹ کا رکن بھی بنایا گیا مگر سیاست پر وہ کوئی اثرات مرتب نہ کر سکا، البتہ اس نے اپنے ماسٹر آف منٹ ہونے کے دوران سکوں کو ضرور بہتر بنایا۔ وہ ۱۷۰۳ء سے لے کر اپنی موت تک رائل سوسائٹی کا صدور رہا، ۱۷۰۳ء میں اسے سر کا خطاب دیا۔ نہوٹن کی زندگی کا آخری دور کیمیاگری، علم نجوم، اور دنیاوی مسائل پر غور کرتے ہوئے گزرا، اس نے بائبل کے مطالعے پر غور

کرنے کے بعد زمین کی سر ۳۵۰۰ میل تک مقرر کی، لیکن کو ویسٹ منسٹر ایبے (Westminster Abbey) میں دفن کیا گیا۔ آئن سٹائن نے اس کے بارے میں کہا ہے "ایک ہی شخصیت کے اندر اس نے تجربہ کرنے والا اور نظریہ ساز کے ساتھ ساتھ کینک اور فصل قنار کو جمع کر لیا تھا۔"

۱۰. ہانک، سٹیفن، ولیم (Hawking Stephen William) (۱۹۴۲ء) ایک برطانوی طبیعیات دان، اسے عمومی اضافیت (General Relativity) اور بلیک ہول (Black Hole) کے میدان میں بھی مسٹر سمجھا جاتا ہے۔ ۱۹۶۰ء سے وہ ایک ایسی اعصابی بیماری کا شکار ہے، جس نے اسے مکمل طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے مگر اس نے مکمل طور پر اپنی ذہنی صلاحیتوں پر انحصار کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس نے ۱۹۷۳ء میں یہ نظریہ دیا تھا کہ بلیک ہول سے بھی ذرات باہر پھینکے جاتے ہیں اور یہ ثابت کیا تھا کہ آئن سٹائن کے عمومی نظریہ اضافیت سے بگ بینک کے نظریے کو تقویت ملتی ہے۔ اس کی کتاب (A Brief History Of Time) مشکل موضوع کے باوجود بے پناہ مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ اس کا ترجمہ دنیا کی اکثر زبانوں میں ہو چکا ہے۔ جس میں اردو بھی شامل ہے۔

۱۱. تحریک (Reductionism) بیسویں صدی کے فلسفے کا ایک رجحان جسے تنقید (Scepticism) نے پروان چڑھایا، تحریک پسند یہ استدلال کرتے ہیں کہ مادی اشیاء محض حیات کا مجموعہ ہیں۔ دوسروں کے ذہن بھی ان کے حاملین کے طبیعی مظاہر سے زیادہ نہیں ہیں، بلکہ ہم ماضی کے حقائق کہتے ہیں وہ اس کے حقائق محض ایک موجودہ شواہد کا مجموعہ ہے، یہ رویہ مظاہریت پسندوں (Phenomenalist) اور منطقی اثباتیت پسندوں (Logical Positivists) میں بہت مروج ہے، وہ اپنے جان کو بہت سے باتوں تک پھیلا دیتے ہیں۔

۱۲. استقرائی طریق کار (Deductive Method)۔ منطق میں استدلال کا وہ طریقہ، جس میں عمومی اصول سے خصوصی (Particular) نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کے نتائج تجرباتی اور حقیقی ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں استقرائی نتائج کسی بھی امکان اور احتمال کی سطح سے اوپر نہیں جاسکتے۔

۱۳. استقرائی طریق کار (Inductive Method): وہ طریق کار جو متعدد شواہد کی مدد سے کوئی تجربی (Empirical) محکمہ (generalization) جاتا ہے۔ اس کا نکلا ہوا نتیجہ حقائق سے ماورا چلا جاتا

ہے، کیونکہ تمام شواہد کا مطالعہ کرنا کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ استحقاقی نتائج نکالے جاسکتے ہیں، مگر یہ امکان بحث رہتا ہے کہ وہ لفظ حقیقت ہو جائیں۔

برہمچاری، ٹائیچیو (Brahe, Tycho) (۱۶۰۱ء-۱۵۷۶ء) ڈنمارک کا ماہر فلکیات، جس نے درست نتائج حاصل کرنے والے فلکیاتی آلات بنائے اور پھر ان کو اپنے مشاہدات کے لئے استعمال کیا اور یوں اس نے اپنے زمانے میں پہلے سے موجود آلات اور طریقوں کو بدل کر رکھ دیا۔ پہلی بار اس کی توجہ ۱۵۷۲ء کے نوا (Nova) کی طرف مبذول ہوئی، اس کے نتیجے میں بادشاہ فریڈرک ثانی نے اسے ایک جزیرے ہویین (Hveen) میں دو معائنہ گھر بنوا کر دیے۔ جہاں اس نے ۱۵۸۰ء سے ۱۵۹۷ء تک کام کیا۔ اس دوران میں اس نے بے پناہ مشاہدات کئے، جس کی وجہ سے اسے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ تمام سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں، مگر اس کا ایمان تھا کہ زمین ساکن ہے اور سورج اور سیارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔ بادشاہ فریڈرک کی موت کے بعد اس کا بیٹا جاسٹین بادشاہ سے نہ ہو سکا وہ وہاں سے پراگ آیا، جہاں اس کی ملاقات کپلر (Kepler) سے ہوئی، پھر اس کا شاگرد بن گیا۔ برہمچاری کی موت کے بعد کپلر نے اسی کے جمع کردہ مواد کی بنا پر سیاروں کی حرکت کے قوانین وضع کئے۔

کپلر جوائہس (Kepler Johannes) (۱۶۳۰ء-۱۵۷۱ء) ایک جرمن ماہر فلکیات، وہ کوپرنیکس (Copernicus) کے اولین حلقوں میں سے ایک تھے وہ سمجھتا تھا کہ سورج ہمارے نظام شمسی کا مرکزی نقطہ ہے۔ ۱۵۹۷ء میں وہ ٹائیچیو برہمچاری سے تربیت حاصل کرنے کے لئے پراگ گیا۔ جب برہمچاری مر گیا، تو اس فلکیاتی مشاہدات کا سارا مواد کپلر کے حصے میں آیا۔ کپلر نے اس مواد کو سیاروں کے مدار حتمین کرنے کے لئے استعمال کیا اور ایسا کرتے ہوئے اس نے یہ دریافت کیا کہ یہ مدار بیضوی ہیں۔ اس نے اپنی یہ دریافت شائع کی، اس کا پہلا اور دوسرا قانون اسٹرونومیا نوا (Astronomia Nova) (۱۶۰۹ء) اس میں شامل تھے۔ ۱۶۱۹ء میں اس نے تیسرا قانون شائع کیا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ سال کے دوران سیارے کا سورج سے فاصلہ کتنا ہوتا ہے۔ ۱۶۱۰ء میں اسے کلیلیہ کی بنائی ہوئی ایک دوربین ملی، جس کو اس نے مشرقی کے مشاہدے کے لئے استعمال کیا، ۱۶۱۵ء میں اس نے اس دوربین کی بنیاد پر ایک بہتر دوربین بنائی، جسے اب کپلر کی دوربین (Keplerian Telescope) کہا جاتا ہے۔

کپلر کے تین آہنی قوانین، جو اس نے ۱۶۰۹ء اور ۱۶۱۹ء (تیسرا قانون) بنائے تھے کچھ اس طرح ہیں

(۱) ہر سیارہ سورج کے گرد ایک بیضی (Elliptical) مدار (Orbit) میں اس طرح گردش کرتا ہے کہ سورج اس کے ایک ہموک (Focus) پر ہوتا ہے۔ (۲) اور خلا جو سیارے کو سورج کے ساتھ ملاتا ہے، ہمارے رقبے کو ہمارے کی مدت میں طے کرتا ہے۔ (۳) سیارے اور سورج کے درمیان فاصلے کا مکعب (Cube) یعنی (a) گردش کرنے والے وقت کے مربع (Square) کے برابر ہے، دوسرے لفظوں میں $P^2 = a^3$ ۔

کوپرنیکس، نیپولس (Kopernicus Nakulais) (۱۴۷۳-۱۵۴۳) پولینڈ کا فلکیات دان، اس نے جدید دور میں سورج کو نظام شمسی کا مرکز سمجھنے کا آغاز کیا تھا۔ ریاضی اور موسیقی میں کچھ تربیت حاصل کرنے کے بعد کوپرنیکس نے ستاروں اور سیاروں کے مقام کا تعین کرنے میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ اس نے موجود جدول (Tables) کو بہتر بنانے کی کوشش کی تھی، کیونکہ وہ ناقص تھے۔ اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ بطلموس (Ptolemy) کے زمین مرکز نظام کے مقام میں سورج کو مرکز بنا کر تخمینے لگانے میں زیادہ آسان کام تھا، پھر اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ ایسا کرنے سے نظام شمسی کو بیان کرنا بھی ممکن ہو جائے گا۔ اس کا ایک ماڈل بنا کر پیش کرنے سے ایسا کرنے کیسے بہتر ہے، کیونکہ اس سے یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ سیارے کبھی کبھی پیچھے کی طرف کیوں سرک جاتے ہیں کوپرنیکس کو یہ بھی اندازہ تھا کہ اس کے یہ نظریات کچھ اسکے نظریات کے برعکس ہیں، جو زمین کو کائنات کا مرکز مانتا ہے۔ لہذا اس کی زندگی میں اس کے نظریات محض چند قریبی دوستوں تک محدود رہے تھے۔ اس کی کتاب ۱۵۴۳ء سے پہلے شائع نہ ہو سکی تھی۔ اس کتاب کی پہلی کاپی جب اس کو ملی تھی وہ بہتر مرگ پر تھا۔

ہپنوسس (Hypnosis) ایجاز (Suggestion) کی مدد سے کسی ایسے معمول (Subject) کے اندر ٹرانس (Trance) کی سی کیفیت پیدا کرنا جو عقلوں کو اپنے پر آمادہ ہو۔ جن لوگوں کو کمرائی میں ہپنوسز کیا گیا ہو، وہ اس کیفیت میں دی گئی ہدایات پر عمل پیرا ہوتا ہے، مگر ایسا کرنا جاننے کی حالت میں ممکن نہیں ہوتا۔ اس کیفیت میں معمول دور سے بے نیاز رکھے جاسکتے ہیں اور ان میں بچپن کی حالت طاری کی جاسکتی ہے۔ پہلی بار اطباء رومی صدی میں مسمر (Mesmer) نے اسے معالجات مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ اگرچہ وہ اس کا سوجھ نہیں تھا۔ پھر بریڈ (Braid) نے انیسویں صدی میں اسے آگے ترقی دی اور اس کا نام ہپنوس رکھا۔ فرانس میں یہ کام شارکوٹ (Charcot) کر رہا تھا، جس نے فرانیڈ کو اس طریقے میں تربیت دی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے اور اس کی میکانیت کیا ہے، اس کا ابھی تک

کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر کچھ انسان نہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ کام وہ اس حالت میں بھی نہیں کرے گا۔ چونکہ اس میں مریض مکمل طور پر معالج کے اختیار میں ہوتا ہے لہذا اس کے ممکنہ خدشات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

تحلیل نفسی (Psycho-Analysis) یہ ایک نفسیاتی کتب فکر کا بھی نام ہے اور یہ معالجے کا ایک طریق کار بھی ہے جس کی بنیاد فروایڈ کی تعلیمات پر ہے۔ تحلیل نفسی اس بات پر زور دیتی ہے کہ لاشعور کے اندر ذاتی توانائیوں کا ایک حری قصوم موجود ہے، جس کی وجہ سے پانچ شخصیت بھیجن کی جیسی پیش قدمی سے متحصن ہوتی ہے۔ تحلیل نفسی کی سب سے اہم تکنیک آزاد حلازمہ (Free Association) ہے، اور غریبوں کا تجربہ ہے کہ یہ معالجے کے دوران کیا جاتا ہے۔ یہ معالجہ چلتے میں کئی بار ہو سکتا ہے اور اس کی طوالت عام طور پر پچاس منٹ ہوتی ہے۔ اس معالجے کے دوران انتقال (Transference) واقع ہوتا ہے جس میں مریض حقیقی یا مثبت انداز سے اپنے گزشتہ ہوئے تجربات کا رخ معالج کی طرف سونپ دیتا ہے۔ اس طریق کار میں ہولے بھرے اور دبے ہوئے قصوموں کو پھر سے ذہن میں لایا جاتا ہے۔ تاکہ ان کا سدباب ہو سکے، جب تحلیل نفسی اصل حرکت اور یادداشت تک پہنچ جاتی ہے۔ تو مرض کی علامت خائب ہو جاتی ہے۔

کرداریت (Behaviourism) نفسیات کا ایک کتب فکر امریکہ میں جے بی وائسن نے بیسویں صدی میں قائم کیا۔ جس میں زور اس بات پر ہے کہ مشاہدہ کئے جاسکتے والے کردار کے بارے میں حقائق کوئی بھی جاسکتے۔ لاشعوری خیالات، احساسات اور سوچنے کے عمل کو غیر اہم خیال کیا جاتا ہے، کرداریت پسند ان قوانین پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں، جن کا تعلق محرک (Stimulus) اور اس کے جوابی رد عمل (Response) سے ہوتا ہے۔ یہ رد عمل ایک پیچیدہ کردار میں تشکیل پاتے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ مشروطیت (Conditioning) کردار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ طریق کار ان جانوروں کے مطالعے میں بہت کامیاب تھا جن پر تجربات تجربہ گاہوں میں کئے جاتے ہیں، مگر جب پیچیدہ عوامل کا معاملہ درپیش ہو جیسے مثال کے طور پر جذبات، استقامت اور غیر ذاتی رویے تو یہ زیادہ کارآمد نہیں ہو پاتے۔ اس کا ایک معالجہ بھی بنایا گیا تھا اور سائی کیمبرلٹوں کے ذریعے اس کا اطلاق کیا گیا۔ نفسیات دانوں نے اس میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔

پراگماتک (Pragmatism) ایک فلسفیانہ تحریک جس کا آغاز ولیم جیمز (William James) اور سی ایس پیس (C.S. Peirce) نے امریکہ میں کیا۔ اس کے مطابق کسی بھی نظریے کی صداقت اس

سے حاصل ہونے والے نتائج کی روشنی ہی میں پرکھی جاسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعی صداقت ہے، تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ چنانچہ یوہرپ کے جامع باہد الطبیعیاتی نظام کو اسی بنیاد پر ہے معنی قرار دے دیا گیا کیونکہ اس سے انسانی واردات کو قائمہ پہنچا جتنا نقصان۔ سائنس میں وہ نظریہ درست مانا جاتا تھا، اگر وہ کارآمد ہو اور اگر اس سے متوقع نتیجہ واقعی حاصل ہو جائے۔ اخلاقیات یا تعلیمات میں کوئی ایسا اصول یا عقیدہ درست ہے جو اس کے ماننے والوں کی عقل کا باعث ہو۔

۱۶۔ ایروس (Eros) جبلت حیات، یوٹائی دیو بلا کے حوالے سے محبت کا دیوتا، ایزد انجیت (Aphrodite) کے بلن سے پیدا ہونے والی زہوس (Zeus) ہرمیس (Hermes) یا ایرس (Ares) کی اولاد اس کو عام طور پر ایک پروں والے نوجوان کی صورت میں دکھایا جاتا ہے جس کے پاس تھرکین موجود ہے۔ اس کی مماثلت رومن کیوڈ (Cupid) سے قائم کی جاتی ہے۔ عقلیت نفس کی ایک اصطلاح، جسے فرانسیسی نے یوٹائی دیو بلا کے محبت کے دیوتا سے مستعار لیا اس کا مطلب تھنہ قدرت کی تمام جبلتوں سے ہے۔ اسی باعث اسے جبلت حیات کہا جاتا ہے۔

۱۷۔ تھیناٹوس (Thanatos) جبلت مرگ: یوٹائی دیو بلا میں موت کی جسمی شکل۔ فرانسیسی نے ایروس کی طرح یہ اصطلاح بھی یوٹائی اصطلاح سے حاصل کی۔ یہ تعریب اور موت کی جبلت ہے، جب اسے انہماک کے ساتھ ملایا جاتا ہے خوار وہ جیونی ہو یا اندرونی تو وہ ایکجیوں کو کرپ (Point) کی طرف لے جاتی ہے۔ ایروس کی طرح یہ جبلت بھی لیبدو (Libido) سے پھرتی ہے جو تمام انفرادی قوتی کا منبع ہے۔

۱۸۔ ایڈیپس کامپلکس (Oedipus Complex) نوجوان کے لاشعوری جنسی احساسات، جن کا رخ اس کی اپنی ماں کی طرف ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مشددانہ جذبات جو باپ کے ساتھ عقل سے متعلق ہوتے ہیں۔ عقلیت نفس کے حوالے سے یہ ایک ٹارٹل خواہش ہے جسے ابھان (Repression) کے عمل کے ذریعے دبا دیا جاتا ہے۔ عورتوں میں اس کا متبادل الیکٹرا کامپلکس (Electre Complex) ہے مگر اب ایڈیپس کامپلکس ہی کو دونوں کے لئے اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۹۔ انسانیات (Humanities) یا بشریات وہ علوم، جن کا تعلق انسان کے ساتھ ہے۔ اس میں نفسیات

لفظ، آرٹ، موسیقی اور کئی دوسرے علوم شامل ہیں۔

۱۱۔ اصولی لاتیجن (Uncertainty Principle) اگر ایک ساتھ پارٹیکل کا مقام اور متغیر حرکت (Momentum) جاننے کی کوشش کی جائے، تو خواہ یہ کیوں نہ ہو مگر جو کچھ حاصل ہو گا اس کی قدر پر یقین نہ کیا جاسکے گا۔ لاتیجن کی دریافت ویسکی ہی اہمیت کی حامل ہے جیسی کہ پلانک کے مستقل (Planck's Constant) کو حاصل ہے۔ ایسی ہی بے یقینی قوانین نور نہیں (Time) کے بائین بھی ہے۔ یہ بے یقینی اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ تکہ دیکھنے کا عمل غیر معلوم طریقے سے اس میں دخل اندازی کرتا ہے۔ یہ اصول لاتیجن صرف ایٹم یا ذرہ ایٹم (Subatomic) سطح پر اہمیت رکھتا ہے اور اس مقام پر طبیعت (Causality) کے قانون کو منکوک بنا دیتا ہے۔ اسے عام طور پر ہائیڈرین برگ کا اصول لاتیجن کہا جاتا ہے۔

۱۲۔ فراہیز کی نفسیات کے دو دور سے ایک اقتباس (مضمیر)

۱۹۱۸ء میں فراہیز ٹیلی وژن پر ایمان لے آیا تھا۔ شاید بات بہت دور کا نظریہ نظر آئے مگر اس طور پر ڈونک کے بارے میں اس بات کی روشنی میں، جب اس نے ڈونک کو آکٹ کی سیاہ موج کہا تھا فراہیز کا ایک مضمون جس کا عنوان ”تحلیل نفسی اور ٹیلی وژن“ (Paranoia) یعنی خوف کے ایک درجے سے شروع ہوتا ہے۔ جس میں وہ گرفتار ہے۔

”گناہ ہے کہ یحوی سے اپنی سائنس کے ارتقاء کے لئے کام کرنا ہمارا مقدر نہیں ہے۔ ہم نے ابھی دو حملوں (اس سے مراد تحلیل نفسی کے حملوں کی اندرونی تکلیف ہے) اور اشارہ ڈونک اور اڈر کی طرف ہے) کو بہ شکل نبیایا تھا اور ابھی ہم نے ان دشمنوں سے خود کو محفوظ شروع کیا ہے تاکہ ایک نئے خطرے نے سر اٹھا لیا مگر اس کی صورت بہت زبردست اور بنیادی ہے۔ یہ خطرہ ہمیں ہمارے لئے نہیں ہے بلکہ، چاہیں تو ہم سے بھی زیادہ متاثر ہو سکتے ہیں۔“

یہ نیا خطرہ آکٹ تھا فراہیز نے اس کی تشریح کچھ یوں کی ہے کہ اسے آکٹ پر اعتراض اس لئے ہے کہ اگر انسانوں نے اپنے مسائل کا حل دوحوں اور ماسلوم طاقتوں میں تلاش کرنا شروع کر دیا، تو وہ تحلیل نفسی کی اس جدوجہد کو بیکر فراموش کر دیں گے جو وہ ناشور کو سمجھنے کے لئے کر رہی ہے، مگر اس کے باوجود وہ اس امر پر مجبور ہے کہ اس نے حالیہ برسوں میں جو مشاہدات کئے ہیں، ان کو بیان کرے مگر اس کے

ساتھ ہی اس نے اپنے رشتہ کو کھساکہ یہ مضمون آپ کو ذاتی سطح پر بھیجا جا رہا ہے۔ آپ اسے محض اپنی ذات تک محدود رکھیں، یعنی یہ باپ، نیکوٹ و سٹوڈنٹ تھی۔

پہلا کہیں جو اس نے بیان کیا، ایسے نوجوان کا قصہ اپنی ننگی ہنسی کے حلیے میں جنس جذبات رکھتا تھا مگر بس کی عقل ایک انجینئر سے ہو گی۔ لڑکی کا بھائی اور اس کا نکیترو دونوں کو بچائی پر مٹے اور بمشکل مرتے مرتے بچے۔۔۔۔۔ اس واقعہ کی توبہ فریڈ خود کئی اور عقل کی کوشش کی عقل میں کرتا ہے۔ بعد میں بھائی میڈن میں ایک قسمت کا حال بتانے والی خاتون کے پاس گیا، جس نے صرف اس سے تاریخ پیدائش پر بھی اقراری سے اعجاز کیا جا سکتا ہے کہ وہ علم نجوم بتانے والی تھی۔ اس نے اپنی تاریخ پیدائش بتانے کی بجائے بس کے نکیترو کی تاریخ پیدائش بتادی۔ نبوی عورت نے کہا کہ وہ جو الٹی یا اسٹ میں طو روئی دہر کے ہاٹ مر جائے گا۔

یہ عقل کوئی تو پوری نہ ہوئی مگر یہ واقعہ تھا کہ نکیترو ایک برس پہلے اسٹ ی کے مینے میں طو روئی دہر کے ہاٹ مرتے مرتے بچا تھا، فریڈ کا خیال ہے کہ نبوی عورت نے ٹیلی جنسی کے ذریعے اس کے خیالات چمک لئے تھے اور اس نبوی عورت کو نکیترو کے بارے میں اس کے دل میں پلنے والی خواہش مرگ کا شعور حاصل ہو گیا تھا۔

دوسرا کہیں ایک شادی شدہ مگر بے اولاد عورت کا ہے۔ وہ بھی کسی نبوی کے پاس پہنچی، جس نے اس کو یہ بتایا کہ جب اس عمری ۳۲ سال کی ہو گی، تو وہ بچوں کی ماں بن جائے گی۔ اس بار بھی عقل کوئی پوری نہ ہوئی لیکن جو کچھ فریڈ نے اس سے اخذ کیا وہ خاص اہم ہے۔ اس عورت کی ماں جب ۳۲ برس کی تھی تو اس کے ماں دو بچے پیدا ہو چکے تھے۔ نبوی کے پاس جانے والی عورت اپنے باپ سے جنسی تعلقات کی خواہش رکھتی تھی اور خود کو اپنی طور پر ماں کا محاش بتا چکی تھی۔ اس بار بھی نبوی نے ٹیلی جنسی ہی کے ذریعے صورت حال معلوم کر لی تھی۔

پھر فریڈ ایک چٹر رائٹنگ ایکسپرت (Hand Writing Expert) شرمن (Scherman) کا ذکر کرتا ہے جو انسان کے خط تحریر سے اس کے کردار کا اندازہ کر لیتا تھا اور بعض اوقات اس کے مستقبل کے بارے میں پیشین گوئی کر سکتا تھا۔ پھر فریڈ نے لکھا کہ جب اس کو ذاتی خط تحریر شرمن کو مطالعے کے لئے دیا گیا تو اس نے کہا یہ ایک ایسے شخص کا خط تحریر ہے جو گھریلو سطح پر سفارح روپ رکھتا ہے۔۔۔۔۔ یہ بات فریڈ کے خیال میں عقلی طور پر خط تھی۔۔۔۔۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کا رویہ اپنے شاکر دہل کے ساتھ سفارح اور خالص رہا، جس کے بارے میں چٹر رائٹنگ ایکسپرت نے صحیح شکریہ کر دی

تھی۔

فرائیڈ نے اس سلسلے میں ایک اور کیس کا بھی حوالہ دیا ہے۔ فرائیڈ کے مریضوں میں سے ایک کے تعلقات کسی دانش کے ساتھ تھے، مگر اس دانش کے ساتھ اس کا رویہ اس قدر علانیہ تھا کہ اکثر اوقات وہ بیماری عمل امصاب تھی کے قریب پہنچ جاتی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ مریض اپنی طبیعت کی ایک ایسی صورت کے مشق میں مبتلا تھا جو اس کو بہت ستاتی تھی اور اس کا انتظام وہ دانش سے لینا تھا آخر کار جب اس کو یہ احساس ہوا کہ وہ بہت فسر لال چکا تو اس نے دانش کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان دونوں وہ دانش کے ہاتھ کی کھٹی ہوئی دستبردات لے کر شرمین کے پاس پہنچا جس نے اس کو یقین دلایا کہ یہ عورت خودکشی کرنے والی ہے، مگر دانش نے اپنی زندگی کا خطرہ نہ کیا۔

فرائیڈ کہتا ہے کہ شرمین نے اس فوجوں کے ذہن کو چارہ لیا تھا جو دستبردات لے کر آیا تھا اور اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ چاہتا ہے، یہ عورت خودکشی کرے۔

فرائیڈ نے اس مضمون کے آخر میں اپنے مقلدین کو یہ بتایا تھا کہ

"انتقال خیالات (Transference Of Thought) کا مسئلہ ممکن ہے، اس وقت

آکٹ دنیا کے تجربات کے سامنے بے حیثیت ہو گئیں یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ نفس بھی

ایک موضوع ہمارے نقطہ نظر سے دیکھا ایک قدم ہے۔"

چنانچہ اس مضمون سے یہ تو طے ہوا کہ فرائیڈ جان بوجہ کر انکا قدم لینے کو تیار نہیں تھا، مگر کیا یہ ہم سب کے لئے بھی لازم ہے کہ ہم بھی انکا قدم نہ اٹھائیں۔

۱۱۔ تیلی ڈیٹھی (Telepathy) ہائے حیات اور اک (Extra Sensory Reception) جسے ای

کس بی (E.S.P.) کے مختصر نام سے بھی پکارا جاتا ہے اس کے اندر عام طور پر تین مظاہرات کی

طاعت بندی کی جاتی ہے۔ ٹیب جی (Clairvoyance) دور آنکھ، واقعات اور معروض کا علم، تیلی

ڈیٹھی انسانوں کے درمیان انتقال خیالات بغیر کسی مادی وسیلے کے اور ڈیٹھی جسے

(Pre-recognition) کہا جاتا ہے۔ لیکن آنے والے واقعات کو پہلے سے جان لینا ان تینوں کے

حلق حاصل ہونے والا، علم سائنس دانوں کے مطابق قابلِ احوال نہیں ہے۔ مگر آرتھر کوستلر

(Arthur Koestler) یہ کہتا ہے کہ جس بنیاد پر سائنس علم حاصل ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر یہ علم

بھی حاصل ہوا ہے۔ مثال کے طور پر تیلی ڈیٹھی کے سلسلے میں جو تجربات کئے گئے ہیں اس سے بہت

اوپرٹی شرح حاصل ہوئی ہے اور یہ شرح سائنس میں حاصل ہونے والے نتائج سے بھی بھر ہے۔
لذا اب نفسیات والے ان حوالے کے بارے میں اپنا نقطہ نظر تبدیل کرنے پر مجبور ہیں۔

جنرل آرہ پاگیلز (Heinz R. Pagels) راک فیلز پر پندرہ سنی (ج۔ ایس۔ اے) کا ایسی ہی ایٹ پروفیسر اور اس کا شعبہ نظریاتی طبیعیات ہے۔ وہ ۱۹۸۱ء میں نیویارک اکیڈمی آف سائنسز کا ناظم اعلیٰ (Chief Executive) رہا، پروفیسر پاگیلز اپنی بیوی کے ساتھ مین مین میں مقیم ہے اور کمبریج دان اٹلین پاگیلز ایک معروف خاتون ہے اور ان دونوں کا ایک بیٹا مارک بھی ہے۔ پاگیلز زندہ سائنس دانوں میں ایک مشہور نام ہے۔ کوہنظم فزکس (Quantum Physics) فطرت کی زبان، یہ موضوع ہے، اس کی کتاب کا جو (The Cosmic Code) کے نام سے شائع ہوئی ہے، اور اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں ایک اہم کتاب ہے۔

فیلز نے مین رچرڈ فیلز (Feynman Richard Phillips) (۱۹۱۸ء) ایک امریکی ماہر طبیعیات ۱۹۶۵ء میں اس کو برلین شوگر (Julian Schwinger) (۱۹۱۸ء) اور شی ٹی سمیو تو ٹاگا (Shintiro Tomonaga) (۱۹۰۶ء-۷۹ء) کے ہمراہ نوبل انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ ان کا موضوع برقی حرکیات (Electro Dynamics) کی ترقی تھا اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ اس کے نام سے منسوب ہونے والی گرام (Diagram) ہے۔ جو اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ افروزہ (Charged) پارٹیکلز کس طرح فوٹون (Photon) کا کین دین کرتے ہیں۔

اوپرٹ ہائیر جے رابرٹ (Oppenheimer J. Robert) (۱۹۰۳ء-۶۷ء) امریکی ماہر طبیعیات، کوہنظم اور پارٹیکل طبیعیات میں اضافے کے، ۱۹۳۳ء میں اس کو لاس الاسوس، نیو میکسیکو میں ایٹم بم بنانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد اس کو ایٹمک انرجی کمیشن کا صدر نہیں مقرر کیا گیا مگر ۱۹۵۳ء میں جب اس نے ہائیڈروجن بم بنانے کی مخالفت کی، تو اسے اس صدارت سے نکال دیا گیا اور میکارو جی کی ٹائی ہوئی سیکورٹی کمیٹی نے اسے امریکی قوتوں کے لئے خطرہ قرار دیا۔ وہ کئی لحاظ سے متنازعہ شخصیت ہے۔ اس نے بلیک ہول (Black Hole) کا نظریہ تشکیل دیا، مگر اس کی اہمیت سے وہ پردہ پر ہی طرح آکھانہ ہوسکا، ایٹم بم بنانے کے دوران جب یہ احتجاج کیا جانے لگا کہ اسے چلائنا نہ جائے، تو اس نے اس کی پروا نہ کرتے ہوئے ایٹم بم تیار کیا۔

مڈی، ریمونڈ اے جیئر (Dr. Raymond A. Moody, Jr. M.D) شادی شدہ ہے اور دو بچوں کا

ہاں ہے، اس نے زندگی بحر فلسفہ پہ چلا ہے اور خصوصاً طور پر عقلیات متعلق اور فلسفہ کائنات اس کے موضوع رہے ہیں۔ فلسفہ پہ جانے کے بعد طب میں اس کی دلچسپی قائم رہی جس میں اس نے سائی کھسٹ (Psychiatrist) بننے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ میڈیکل سکول میں طبی فلسفہ پہ جان سکے۔ اس دوران میں اس کے مطالعے میں موت کے بعد زندہ رہ جانے کا منظر آیا۔ یہ واقعہ کئی مخالفت پہ پہنچنے پہ جانے کے دوران سامنے آتا رہا۔ شاید اس لئے بھی کہ موت کے بعد زندہ رہ جانے کا مسئلہ بہت حد تک نیا ہے اور خصوصاً جدید طب کی پیش قدمی کے باعث زیادہ دونا ہونے لگا ہے۔ موڈی کو یہ علم نہیں تھا کہ اس موضوع پر کچھ اور باہرین طب بھی تحقیق کر رہے ہیں مگر جب اس کی کتاب زندگی بعد از زندگی (Life After Life) شائع ہوئی تو پیر ڈاکٹر ایلیزبتھ کبلروس (Dr. Elizabeth Kubler Ross) کی تحقیق کے بارے میں علم ہوا جو اس کے اپنے کام کے حوالہ دیتی تھی، اور ان کے نتائج بھی انہیں میں ملتے جلتے تھے، مگر ان کی ملاقات فروری ۱۹۷۶ء سے پہلے نہ ہو سکی۔

ڈاکٹر موڈی نے جو کچھ اس سلسلے میں لکھا ہے اس کا کسی قدر تفصیلی مطالعہ میری کتاب ”دوسرا رخ“ میں موجود ہے، موت کے بعد انسان جو کچھ محسوس کرتا ہے یا محسوس کرتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ یہ اس کی تفصیل ہے جس کے کئی مدارج ہیں، اس میں جسم سے باہر آثار جسم کو دیکھنا بھی ایک نہایت اہم عمل ہے۔“

روحانیت (Spiritualism) کوئی بھی ایسا نظریہ جو یہ سمجھتا ہو اور اس بات پہ زور دیتا ہو کہ روحانی اور فوق الطبیعت (Supernatural) قوتیں روزمرہ کی زندگی پہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس اصطلاح کے تحت انگریزی زبان میں مختلف نوع کے مظاہر آتے ہیں جن میں فوق الحس اور اک (Extra-Sensory Perception) ہمید حرکت (Telekinesis) اور بہت سی ایسی کیفیات شامل ہیں جن کا تعلق مذہبی وجدانات (Religious Ecstasy) سے ہے اس مثال کے طور پر گلاسولیا (Glossolalia) (اس کا مطلب مختلف زبانوں میں بولنا ہے خواہ وہ ایسی زبان ہو جو کسی کی سمجھ میں بھی نہ آتی ہو)۔

مطبی معاشرے میں عام طور پر روحانیت کا مطلب رشتوں کی رگوں سے کسی میڈیم یا معول کے ذریعے پیغام ہونا ہے یا پھر اس کے لئے ”اواہی چاورڈ“ (Ouija Board) استعمال ہوتا ہے۔ جو اوارے روحانیت میں گمراہی دلچسپی رکھتے ہیں، انہوں نے اس سلسلے میں بہت سا مواد جمع کر رکھا ہے اور ان میں سے کچھ ادارے ایسے بھی ہیں جو اس سلسلے میں پوری احتیاط کرتے ہیں کہ اس میں

دعا کا دعویٰ یا قرآن کا منکر شامل نہ ہو۔ مگر اس کے علاوہ زیادہ شواہد ایسے ہیں جن کو بیان کرنا ہے سود ہے، سائنس دان کو حلیم کرنے کو چار قسمیں ہے۔ ہر لوگ روحانیت کے ظہور ہیں ان میں ولیم کرکس (Willem Crooks) لارڈ ڈاؤڈنگ (Lord Dowding) سر آر تھر کینی (ارکلی) (Sir Arthur Connondie) شریک ہو کر والے اور آئیور لڈج (Oliver Lodge) وغیرہ شامل ہیں۔

سوئیڈن بورگ (Swedenborg Emanuel) (۱۷۰۰-۱۷۹۲) سوئیڈر لینڈ کا ایک سائنس دان، جو صوفی بھی تھا اور فلسفی بھی، وہ اپنے ملک کے کان کنی کے جگے میں غلام تھا۔ (۱۷۰۰-۱۷۹۲) اس نے ملازمت کے دوران میں کچھ آثار کارانہ سائنسی کام چھاپیں کے بارے میں نظریات کی تشکیل اور تعلیمات (Crystallography) کے سلسلے میں کیا تھا، مگر بعد میں اس کی دلچسپیوں کا مرکز یہ ہو گیا کہ وہ سائنسی خیالوں ثابت کرے کہ کائنات کا آغاز روحانی ہے، اس کے لئے اس نے منطقی ذرائع استعمال کئے۔ ۱۷۳۳ء میں اس کے خیالات بہت زیادہ مضبوط ہو گئے، کیونکہ اس کا دعویٰ تھا کہ اس پر کوئی کشف وارد ہو رہا ہے، اس کی کتابوں میں مندرجہ ذیل مشہور ہیں :

Arcana Coelesta (1756)

The New Jerusalem And it's Heavenly Doctrine (1756).

The Divine Love And Wisdom (1763).

اس کے نام پر ایک جماعت نمود و ختم چرچ بنی تھی جسے سوئیڈن بورگین (Sweden Borgian) بھی کہا جاتا ہے، لندن میں ۱۷۷۸ء میں قائم ہوئی تھی۔

کرافٹ ایبگ (Krafft Ebing) (۱۸۵۳-۱۸۸۰) جرمنی اور سوئیڈر لینڈ میں حاصل کی، نمود و ختمی آف دی آفامیں میں دماغی امراض کا پروفیسر تھا، وہ فرانسیسی کے شرمیں جنسی امراض کے مطالعے میں اس کا پیشرو تھا، اس کی کتاب Psychopathia Sexualis پہلی کتاب تھی، جس نے جامع سطح پر جنسی تعلیمات کا مطالعہ کیا تھا۔ اس نے تمام معلوم جنسی امراض کا مطالعہ کیس خطی کے طور پر کیا تھا، اس کتاب کو جنس کی کلاسیکی کتاب سمجھا جاتا ہے۔ فرانسیسی سے پہلے کے جنسی دوسرے کے بارے میں یہ ایک اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔

یوجین بلوئر (Eugen Bleuler) جو اپنے زمانے کے بڑے بڑے ماہرین دماغی امراض میں سے ایک تھا، فرانسیسی سے ایک برس بعد ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوا تھا۔ بلوئر اس میں شارکوت سے تربیت حاصل کی

تھی، اور اپنے وطن سویٹزرلینڈ واپس آ گیا تھا۔ وہ شخص طبی کارندہ ہی نہیں تھا، کئی آنکھوں والا اور قوتِ عقیدہ والا محقق بھی تھا۔ اس نے کئی دہائی پہنچائوں میں کام کیا تھا اور ۱۸۹۸ء میں برن یونیورسٹی کا فائزر کنگز مقرر ہوا تھا۔ یہ بلجیئر ہی تھا جس نے ڈونگ سے فریڈز کی کتاب ”تعبیر خواب“ (The Interpretation Of Dreams) پر ریویو لکھنے کے لئے کہا تھا۔ اس کتاب نے ڈونگ کو بہت حد متاثر کیا۔ کچھ عرصہ تک وہ فریڈز کی جماعت کا کاغذی احرام رکھ رہا تھا۔ ۱۹۰۸ء میں اس نے اس کانفرنس میں شرکت کی تھی، جس میں بہت کم لوگ مدعو تھے۔ اس میں ڈونگ، ڈاکٹر فریڈز (Ferenczi)، ابراہام اور جونز (Jones) نے بھی بڑے حصے لئے، تحلیل نفسی کا ایک رسالہ لکھنے کی تجویز منظور ہوئی تھی، جس کا مدبر ڈونگ تھا اور فریڈز خود بلجیئر اس کے ڈائریکٹر تھے۔ اگرچہ بلجیئر فریڈز کے متفقین میں سے تھا مگر اس کے جنسی نظریات کے بارے میں شکوک کا شکار تھا۔ ۱۹۱۰ء میں اس نے اس ادارے سے استعفیٰ دیا تھا۔

۱۔ ٹرانس (Trance) وہ ”حال“ ہے خودی، نیم یوگی، جیسے سوتے جاگتے کے درمیان کی کیفیت، جس میں افعال غیر ارادی طور پر سرزد ہوتے ہیں۔ ”یوگی“ سکتے یا چنانچہ کی کیفیت، محویت یا اشتراق، روحانیت میں وہ عارضی حالت، جس میں دماغ جسم سے الگ ہو کر عالمِ حرکت کی سیر کرتی ہے اور اس پر روحانی حقائق آشکار ہوتے ہیں جو بات چیت کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، جیسے موئے کی روح سے ہنگامی، ”علمِ روایا“ حالت جذب، جذباتِ صریح یا غم و غیو سے بے غور ہو جانا۔

۲۔ سائی کیمبرلٹ (Psychiatrist) مپ نفس کا ماہر، طب کا وہ طبی میدان، جس کا تعلق جذباتی اور ذہنی اشارات کی تشخیص اور علاج سے ہوتا ہے۔۔۔ دماغ کا طبی معالجہ۔ یہ علاج عام طور پر دوائیوں اور طبی آلات سے کیا جاتا ہے۔ جبکہ تحلیل نفسی یا اس کے دوسرے طریق علاج میں دوائیاں اور طبی آلات وغیرہ استعمال نہیں ہوتے مکالمے، ایجاز (Suggestion) اور دوسرے نفسی طریقوں سے علاج کیا جاتا ہے۔

۳۔ جوزف کیمبل (Joseph Campbell) کی خصوصی دلچسپی یونین ہی سے اساطیر میں رہی ہے، اس کا یونین یوگیا رک میں گزرا تھا، یہاں اس نے امریکی اڈیٹنز کے بارے میں کتابیں پڑھیں اور امریکن میڈیم آف نیچل ہسٹری کی بار بار سیما سے ”خاص طور پر اس نے اس کتاب گھر میں نوٹس پڑھ کر (Totem Poles) کا مطالعہ کیا۔ پھر ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۷ء میں کولمبیا یونیورسٹی سے بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں اور پھر جس اور میں بی اے اور میڈیال (Medieval) اور شہنشاہ کا مطالعہ

کیا ۱۹۳۳ء میں وہ کینڈی سکول میں چھٹا رہا تھا۔ پھر سارہ یونیورسٹی کے لونی شیبے کا اسٹوڈنٹ مقرر ہوا۔ ۱۹۳۰-۵۰ء کے دوران اس نے ہینچل کے انگریزی ترجمے میں سوای ٹیکسٹ بک کی مدد کی اور انہی کے ساتھ مل کر Gospel Of Sri Ramakrishna مرتب کی، اس کی کتابوں میں معروف تر کتابیں درج ذیل ہیں :

The Hero With Thousand Faces.

Myth to Live By:

Mask of God.

چار جلدوں میں

ایک کتاب اس نے Portable Jung کے نام سے بھی مرتب کی۔ ڈونک سے اس کی ملاقات ہینچل کے کلاس سلیکٹر لینڈ میں ہوئی وہیں۔ ان کا ذکر اس کتاب کے متن میں موجود ہے۔

4

آئن سٹائن البرٹ (Einstein Albert) (۱۸۷۹ء-۱۹۵۵ء) جرمن ماہر طبیعیات، مغربی جرمی میں الم (Ulm) کے مقام پر پیدا ہوا۔ وہ ایک عظیم دانشور تھا۔ سگر اس کی دلچسپیاں صرف طبیعیات تک محدود تھیں۔ ۱۹۱۱ء میں وہ برلن سویٹزر لینڈ کے پینٹ آفس میں ایک معمولی عہدے پر ملازم ہوا اور وہ سوئس باشندہ بن گیا۔ وہاں بھی اس نے اپنی تحقیق جاری رکھی اور ۱۹۰۵ء میں چار انتخابی اہم مضامین لکھے۔ پہلا مضمون ریاضی سے ایک تخریج تھی جو سالماتی (Molecules) اصطلاحوں میں براؤنین (Brownian) حرکت کی تھی، دوسرا مضمون فوٹون (Photon) کے فوٹو ایکٹرک اثر سے متعلق تھا۔ تیسرے میں اس کا خصوصی نظریہ اضافیت (Relativity) بیان کیا گیا تھا اور چوتھا کیمت (Mass) اور توانائی کے رشتے سے متعلق تھا۔ یہ چاروں مضامین اس قدر انقلابی فہمیت کے تھے کہ ان کا اندازہ فوری طور پر نہ لگایا جاسکا اور ان مضامین کی اشاعت کے چار برس کے بعد آئن سٹائن کو ایک یونیورسٹی میں جگہ ملی، ۱۹۱۵ء میں اس نے اضافیت کا عمومی نظریہ متعارف کرایا اور اس کی پیشین گوئی کی تصدیق ۱۹۱۷ء میں ہوئی اور پھر اس کے چار برس بعد یعنی ۱۹۲۱ء میں اس کو نوبل انعام دیا گیا۔ پھر ہنگر برسر اقتدار آیا تو آئن سٹائن نے یہودی ہونے کے باعث امریکہ میں سکونت اختیار کرلی۔ یہ ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے، جب آئن سٹائن کیلینفورنیا میں پھیر دینے کے لئے آیا ہوا تھا چنانچہ وہ واپس نہیں گیا اس نے اپنی ہتھیا زندگی پر نسل کی انسٹی ٹیوٹ آف ایٹم وائس ملٹی میں گزار دی۔ اس دوران وحدت بنیاتی (Gauge Unification Theory) کے میدان میں کام کرتا رہا مگر اس کو کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ اس نے ۱۹۳۰ء میں امریکی شہریت اختیار کی، بنیادی طور پر اسے امن پسند

اور سطح پر (Facility) سمجھا جاتا ہے، مگر اس کے باوجود ۱۸۳۹ء میں اس نے صدر روز ویلٹ کو یہ خط لکھا کہ امریکہ کو انٹیم بم بٹانا چاہئے اگر جرمنی اس میں کامیاب ہو گیا تو دنیا کے لئے بے حد خطرناک ہو گا مگر اس کے باوجود اس نے انٹیم بم بٹانے میں عملی طور پر کوئی حصہ نہ لیا۔ جنگ کے ختم ہونے کے بعد وہ ان لوگوں میں سے تھا جو نوکلیر اسلحہ کو ترقی دینے کے خلاف تھے، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کے نظریات کے بغیر نوکلیر حملہ شروع ہی نہ ہو سکتا تھا۔

دیکھ کر (Wagnerian) مشہور جرمن موسیقار رچرڈ وگنر (۱۸۱۳-۱۸۸۶ء) مجھے متعلق اس میں تصانیف، قصود و اسلوب (اس میں بھی کچھ شامل ہے) بہت زیادہ ڈرامائی کیفیت کے حامل ہیں اور ان میں مقصدیت پر زور دیا جاتا ہے، نیز ان میں سازوں کی بہت اہمیت ہے۔ جو شخص وگنر کی موسیقی کا حامی ہو ڈرامائی بھی اسے بھی دیکھیں گے کہا جاتا ہے۔

اسلام میں سیرت کی وضاحت کے لئے یہ اہتمام تصوف کی مشہور لغت اور مستحق کتب مہتمم دہلوی "معرفہ حضرت شاد سید محمد اویسی سے لیا گیا ہے۔

ارواح متعدد کی نسبت نور حق تعالیٰ سے ایسی ہے، جیسے روشن کرنے والی متعدد شعاعوں کی نسبت آفتاب کے نور سے۔ فرض کرو کہ ایک آفتاب اپنا انعکاس ایک بڑے آئینہ میں ڈال رہا ہے۔ پھر اس آئینہ کا انعکاس مختلف رنگ اور مختلف صورتوں اور شکلوں اور مختلف جسامت کے بے شمار چھوٹے چھوٹے آئینوں میں چ رہا ہے۔ جو اس بڑے آئینہ کے محلوں میں ترتیب دیئے گئے ہیں۔

روح شمع، شعاع اوست حیات

خانہ روشن ازاد و اوارزات

حقیقتاً ایک ہی روح ہے، جو ایک ہی سرچشمہ سے نکلے اور مختلف مراتب اور مختلف مدارج میں سے گزرتی ہوئی، حیات کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتی ہوئی مختلف عالموں پر عید ہو گئی۔

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں

ہر کجا می گمری انہنے ساختہ اند

چونکہ قویج انسانی اپنی اصل اور حقیقت کے لحاظ سے قویج اعظم ہے اور قویج اعظم مقرر ہویت ثابت اٹھی ہے، اس لئے ممکن ہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی اُس کی کو نہ تک پہنچ سکے۔

جس طرح عالم کبر یعنی کائنات میں بہت مظاہر اور اسماء ہیں۔ مثلاً عقلِ اول اور قلمِ اعلیٰ اور نور اور نفسِ کل اور لوحِ محفوظ وغیرہ، اسی طرح عالم صغیر یعنی انسان میں بہت مظاہر و اسماء ہیں اور باعتبار علوم و مراتب کے ان اسماء کے اصطلاحی نام یہ ہیں :

(۱) سر (۲) غنّی (۳) ارموع (۴) قلب (۵) کمر (۶) انوار (۷) مصدر (۸) ارموع
(۹) حبل (۱۰) نفس

قرآن و حدیث میں بھی یہ نام آئے ہیں۔ مثلاً

وَمِنْهُ يَدْعُوا لِحُكْمِهِمْ. قُلِ الْيُحُوسُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي إِنَّهُ يَذُوقُ عَذَابَ اللَّهِ أَلَمْ يَكُنْ مِنْ
عِبَادِهِ قُلُوبٌ أَوْ أَلْقَى الشَّعْثَ وَهُوَ شَهِيدٌ. حَبِطَ مِنْ أَشْجٍ شَاكِلَةٌ مِمَّا
كُتِبَ لَهُمْ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ سُدُودٌ. وَلَقَدْ كُتِبَ لَهُمْ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ سُدُودٌ.

اسلام آباد

إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ كُنَّ فِي لُحُوظِكُمْ فَكُنْتُمْ تَبْتَغُونَ عَلَى تَشْكِينِ رِزْقِكُمْ.

یعنی نوح اللہؑ نے میری نوح میں چھوٹا کر کوئی نفس اپنے رزق کو پورا کرنے بطور



- | | |
|----|---------------------|
| ۱۔ | طہ ع۔ |
| ۲۔ | بنی اسرائیل ع (۳۰)۔ |
| ۳۔ | ق (۳۶) ع |
| ۴۔ | آل عمران ع (۳) |
| ۵۔ | النجم ع (۵۱) |
| ۶۔ | الم نشرح |
| ۷۔ | الشمس |
| ۸۔ | بمعن دل اور عقل۔ |
| ۹۔ | اصطلاحی معنی |

(۱) ستر:

اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا نور صرف صاحب دل اور راضی فی العلم ہی کو مطلق ہوتا

ہے۔

(۲) خفی:

اس لئے ہے کہ عارف اور غیر عارف سب پر مخفی ہے۔

(۳) روح:

یہ لطیف بدنِ کارب اور حیاتِ حسی کا صدور اور قوائے نفسانی پر فیضانِ حیات کا منبع

ہے۔

(۴) قلب:

جہتِ حق اور جہتِ نفس میں متقلب ہوتا رہتا ہے۔ تاکہ جب حق کی جہت میں ہو حق سے انوار کا استغناء کرے اور دوسری جہت میں آکر اس نور کا اظہار کرے۔ لہذا اپنی جامعیت کے قلب کو لطیفہ انسانیت بھی کہتے ہیں۔

(۵) کلمہ:

جب نور حق تعالیٰ حذکرہ بلاطریق سے قلب کی وساطت سے نفس میں آکر ظہور کرتا ہے تو اسے کلمہ کہتے ہیں۔

(۶) فواد:

نور حذکرہ بلا کے منبع کے اثر سے متاثر ہونے کے بعد اس کا نام فواد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فواد کے معنی لہت میں زخم اور تاثیر کے ہیں۔

(۷) صدر:

ان انوار کے بدن سے منتقل ہونے کی جہت سے لطیف کا نام صدر ہو جاتا ہے۔ منبعِ فیاض ہی کی جانب سے ان انوار کا صدور ہوتا ہے اور جملہ انوار کا صدور صدر ہی میں ہوتا ہے۔

(۸) روح:

مہذج قہار کے خوف و قہر سے نفس اثر پذیر ہوتا ہے تو جو لطیفہ اس سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام روح ہے۔

(۹) عقل:

جب نفس اپنی ذات اور اپنے تعین خاص میں، جملہ شرائط کے ساتھ اور صحیح حدود کے اندر مقید ہو جاتا ہے، تو اسے عقل کہتے ہیں۔

(۱۰) نفس:

بدن سے تعلق اور بدن کی تدبیر کی جست سے اسے نفس کہتے ہیں۔ جب نفس سے افعال ہوائی کا تصور ہو تو اسے نفس ہوائی اور افعال حیوانی کا تصور ہو تو نفس حیوانی کہتے ہیں۔ جب نفس حیوانی کا قوت روحانی پر غلبہ ہو، تو وہ نفس انکار ہے۔ جب نفس پر قلب کی وسالت سے انوار چمکنے لگتے ہیں اور ان انوار کی روشنی میں اس کی نظر انجام پر پڑنے لگتی ہے اور وہ عقل کے ساتھ اتفاق کرنا شروع کر دیتا ہے اور اپنے ضعف اور اپنی خرابیوں کا اسے ادراک ہونے لگتا ہے، اور اپنی ترقی اور تکمیل کی تمنا اس میں پیدا ہو جاتی ہے، تو اسے نفس لوامہ کہتے ہیں۔ کیونکہ ایسا نفس بڑے افعال پر ملامت کرتا رہتا ہے۔ یہ حالت مقدمہ ہوتی ہے، نفس میں قلبی مرتبہ کے تصور کا جب قلبی انوار نفس میں قوت حیوانی پر غالب آ جاتے ہیں، اور ان انوار کا نفس پر پورا تسلط ہو جاتا ہے، تو نفس کو اس سے بہت اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا نام نفس مطمئن ہو جاتا ہے۔ جب نفس اس حالت پر بھی عبور کر جاتا ہے اور مزید ترقی کرنا ہے اور اس کی استعداد و اپنی احتمالی حد تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے انوار اور ان کی چمک میں مزید قوت آ جاتی ہے، تو جو کچھ اس میں باقوتہ قہارہ بالفضل ظاہر ہو جاتا ہے اور وہ تجلی الہی کا آئینہ بن جاتا ہے اور اس کا نام قلب ہو جاتا ہے۔ وہی قلب ہے جو دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ ہے۔ جو دو عالموں کا ملحقہ ہے، جو حق کو سالیق ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ :

لا یسعی ارضی ولا سمای و یسعی قلب عبدی المنومن النفسی۔

یعنی میری زمین اور میرے آسمان مجھ کو نہیں ساسکتے لیکن میرے متقی بندے کا قلب،

مجھے سمجھتا ہے۔ (اسی بنا پر مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔)

ان حذکرة والا مختلف عبارات میں ایک ہی حقیقت جاری و ساری ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان گزر چکا ہے۔ یہ جملہ اعتبارات اپنے انھل و تاثیرات میں متعارف لیکن آپس میں ایک دوسرے کے ممد و معاون ہیں۔ نفس کو روح حیوانی سے مناجبت ہے۔ عقل کو روح ملکوتی سے قلب ان دونوں کے درمیان ہے اور اس میں جامعیت ہے، جس کی بناء پر اسے لطیفہ انسانیہ کہتے ہیں۔ عقل کو یا روح کی زبان ہے جب سالک روح حیوانی کے تسلط سے کسی قدر آزاد ہو جاتا ہے، تو اس کا قلب روح بن جاتا ہے اور اس کی عقل مر ہو جاتی ہے۔ روح قلب سے لطیف تر اور سر عقل سے روشن تر ہے۔ قلب کا کام وجد ہے۔ روح کا کام الفت، عقل کا کام یقین اور سر کا کام مشاہدہ۔

مخفی علوم اور ڈونگ

جیسا کہ پچھلے باب میں بتایا جا چکا ہے۔ ڈونگ کا تعلق ایک ایسے مذہبی خاندان سے تھا جو یسائی مذہب میں یقین رکھتا تھا اور کسی نہ کسی حوالے سے مخفی علوم میں بھی ان کی دلچسپی پائی جاتی تھی۔ یہ دلچسپی کئی نسلوں پر محیط تھی اور خاندان کے کئی افراد عملی سطح پر ان علوم میں مشغول تھے۔ ڈونگ کی شخصیت کے دو واضح رخ ہیں، ایک طرف تو وہ سائنس دان ہے اور کسی بھی شے کو بغیر تصدیق کے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کی بہت سی تحریریں ایسی بھی ہیں جن میں بعض خواہد کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کیا گیا ہے، مگر دوسری طرف وہ کچھ ایسے انسانی خواہش کا بھی قائل ہے۔ جو بہر صورت مخفی علوم ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔ مگر ڈونگ کا رویہ ان علوم کے بارے میں اس طرح کا نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر ان علوم سے متعلق لوگوں کا ہوتا ہے۔ جدید دور میں اب تو کئی دانشور ایسے ہیں جو کسی نہ کسی طرح مخفی علوم کی مطالعاتی پر یقین رکھتے ہیں، مگر زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مکمل طور پر اپنے ہوش و حواس میں ہیں اور کچھ تو ایسے بھی ہیں جن کے چاہنا ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں دھند اس قدر گہری ہو چکی ہے کہ اصل چیزوں کو پہچاننا انتہائی مشکل ہو رہا ہے۔ نفسیات کے ایک طالب علم کے طور پر میں اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ اگر ہم ڈونگ کے حوالے سے ان علوم کو دیکھنے کی کوشش کریں تو ہمارا رویہ خاصہ سائنسی ہو سکتا ہے۔ ڈونگ اگر چاہتا تو وہ صرف سائنس کی سطح پر زندہ رہ سکتا تھا اور اس حوالے سے بھی اس کی اہمیت کسی طرح کم نہیں کی جاسکتی تھی۔ مگر اس نے یہ خطرہ مول لیا کہ بعض ایسے عوامل کے بارے میں برطانوی اظہار کیا جو اسے سائنسی برادری میں بدنام کرنے

کے لئے کافی تھا۔ لہذا کئی لوگوں نے اسے فلسفی، صوفی، پیغمبر اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہہ دیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اسے سائنس کا جلیوہ طالب علم نہ سمجھا جائے۔

اس کے مقابلے میں فرانیز کے اور شاگرد بھی تھے، جن میں سے زیادہ تر انسانی نفس کے بارے میں محدود تصورات رکھتے تھے۔ خود فرانیز جب لاشعور دریافت کر چکا تھا تو اس نے اسے ایک فرد کی زندگی تک محدود کر دیا تھا۔ حالانکہ خود اس کے مواد میں اجتماعی لاشعور کے حوالے اور شواہد موجود تھے۔ اصل میں شواہد کا ہونا ہی کافی نہیں ہوتا۔ کسی فرد کی زندگی میں کوئی لمحہ ایسا آتا ہے جب وہ کسی ایسی شے کو دریافت کر لیتا ہے جو ہمیشہ سے سامنے ہی موجود تھی، مگر دریافت نہ کی جاسکی تھی۔ مثال کے طور پر نیوٹن نے تہلذب (Gravity) کا اصول دریافت کیا تھا۔ حالانکہ بہت سے لوگ اس کو دریافت کرنے کے قریب قریب پہنچ گئے تھے، مگر اسے دریافت نہ کر پائے تھے۔ مثال کے طور پر کپلر (Kappler) جس نے یہ تو بتا لگایا تھا کہ سمندر کا مد و جزر چاند کی وجہ سے ہوتا ہے، مگر وہ تہلذب کے اصول کو دریافت نہ کر پایا۔ یکی حال ٹائیکو براہے (Tycho Brahe) اور گلیلیو (Galileo) کا بھی تھا۔ مگر جب ایک بار تہلذب کا اصول دریافت ہو چکا تو لوگوں کو اس بات پر حیرت ہونے لگی کہ اب تک یہ اصول کہاں چھپا رہا تھا۔ اس کے بعد تو ہر شے اسی کے حوالے سے بیان ہونے لگی، اور تہلذب یا کشش ثقل کی یہ قوت اب بنیادی قوتوں میں سے ایک ہے، طبیعیات میں انجم کے اندر موجود جن قوتوں کو بالآخر ایک ہی قوت کے مختلف مظاہر ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اس میں تہلذب کی قوت بھی شامل ہے، مگر ابھی تک اس سلسلے میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آ رہی ہے کہ تہلذب کی قوت کو کسی اور قوت کا حصہ ایک منظر ثابت کرنا آسان نہیں ہے۔ تہلذب بہت کمزور قوت ہے مگر کائنات میں اس کی کار فرمائی ہر جگہ دیکھی جاسکتی ہے۔ ککشاں میں، مٹی، نظام اور ذرات کے اندر کا جو ہری نظام بھی کچھ اس کے حوالے سے دیکھا جاسکتا ہے۔ مگر اتنی بڑی کار فرمائی کے باوجود تہلذب ابھی ایک مخفی قوت ہے، جس کی کار فرمائی کا اندازہ لگانے میں انسان کسی نہ کسی حد تک ضرور کامیاب ہوا ہے مگر اس کی نوعیت کے بارے میں ابھی بہت سے سوالوں کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔

خود انسانی دماغ کے اندر دو دماغ موجود ہیں، ایک بایاں دماغ اور دوسرا دایاں دماغ۔ دونوں کے تقاطع (Functions) ایک دوسرے سے بالکل جدا گانہ ہیں۔ دایاں دماغ، مجتمع

کرنے والا فلسفیانہ، شاعرانہ، تالیفی خواص کا حامل ہے۔ مگر بیاں دماغ تجرباتی ہے، سائنس ہے اور ریاضی دان ہے، یہ دماغ تجرباتی خواص رکھتا ہے۔ آج کل دماغ کے ان دونوں حصوں کے بارے میں بہت کام ہو رہا ہے اور یہ کام صرف تجربہ نگاہوں تک محدود نہیں ہے، ادب اور انسانیات کے شعبے بھی اس کی بنیاد پر نئے نئے نظریات بناتے چلے جا رہے ہیں اور خیال یہ ہے کہ آئندہ چند برس میں ادب کی بہت سی تنقید اس حوالے سے کی جالیا کرے گی۔ تفصیل میں جانا یہاں ممکن نہیں ہے۔ اس کی کچھ تفصیل میں اپنی کتاب ”زہن انسانی“ حدود اور امکانات“ میں دے چکا ہوں، یہاں صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ انسان نے اپنے ارتقاء کے آغاز میں دماغ پر زیادہ انحصار کیا تھا اور آج کل زور بائیں دماغ پر دیا جا رہا ہے اور دماغی علوم منظر پر چھائے ہوئے ہیں جن کا تعلق تجرباتی دماغ کے ساتھ ہے بہت سے دانشوروں کی طرح کولن ویلسن (Collin Wilson) جس نے حال ہی میں عقلی علوم کے بارے میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ یہ سمجھتا ہے کہ عقلی علوم کا تعلق دائیں دماغ کے ساتھ ہے۔ شاید اسی لئے اس کی اہمیت کو پوری طرح محسوس نہیں کیا جا رہا، اور چونکہ یہ دماغ تجرباتی طریقے سے اپنا انحصار نہیں کرتا اور اکثر اوقات بنا بیٹھا پورا نتیجہ ایک ہی بار سامنے آ جاتا ہے۔ اس لئے ہم اس پر بھروسہ کرنے سے گریز کرتے ہیں مگر اس کے باوجود یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا حقیقی عمل کو سمجھنے کے لئے اس زاویے سے عوامل کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ بہت سے سائنسی نظریات بھی ذہنی دماغ کے انداز میں سائنس دانوں کے سامنے آ جاتے ہیں اور یہ احساس ہوتا ہے کہ گویا کوئی ہم پر علم اور خیالات کی بارش کر رہا ہے۔ ڈونک نے بھی کہیں لکھا تھا ”انسان کی حقیقی تعلیمیت (Impulse) خود انسان سے بھی کہیں زیادہ طاقتور ہے“ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دایاں دماغ جدید فیشن کا حصہ نہ کسی مگر اب بھی بہت فعال ہے اور عقلی علوم کی تعلیم کا زیادہ تر حصہ اسی کے اندر واقع ہے۔

ایک اور خصوصیت کے بارے میں کچھ نشاندہی ضروری ہے۔ بائیں دماغ کا تعلق جسم کے دائیں حصے سے ہے اور دائیں دماغ کا جسم کے بائیں حصے سے، اس لئے جب آپ پیش کے ذریعے دماغ کے ان دو حصوں کو الگ الگ کر دیا جاتا ہے، تو بائیں ہاتھ سے ہم تصویر تو بنا سکتے ہیں مگر چیز کا نام نہیں جانتے اور اسی طرح بایاں ہاتھ چیز کا نام تو لکھ سکتا ہے مگر اس کی تصویر نہیں بنا سکتا، ایسا کیوں ہے؟ اس کے بارے میں حتمی جواب دینے کی نوبت نہیں آئی، ہم تو یہ

بھی نہیں جانتے تھے کہ دائیں دماغ سے جسم کے بائیں حصے کا تعلق کیوں ہوتا ہے اور اسی طرح جسم کا دایاں حصہ بائیں دماغ سے کیوں متعلق ہے؟ دماغ کے اسرار ابھی ابھی کھلنے شروع ہوئے ہیں اور اس کے بارے میں ہمیں ابھی بہت کچھ جاننا ہے جو کچھ جانا چاہتا ہے، وہ بھی کچھ کم حیران کن نہیں ہے۔ خود عقلی علوم بھی ایک عجوبہ ہیں، جو اثرات نفسیات بھی ابھی تشریح کی محتاج ہے۔ یہ بھی کتنا آسان نہیں کہ ہم نے دائیں دماغ کو پہلے کیوں استعمال کیا اور بائیں دماغ پر اب اتنا زور کیوں دیا جا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ زمین کے سرد اور گرم موسم کی طرح اس کے بھی سائیکل ہوں اور یوں انسان اپنے اس کائنات کا اندازہ کرتا چلا جاتا ہو۔

پچھلے باب میں ڈونگ کے حوالے سے جن عقلی علوم کا ذکر آیا ہے ان پر چند باتیں کرنا ضروری ہے۔ ایک تو اس حوالے سے کہ ان علوم کے بارے میں عام طور پر کیا سمجھا جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ ڈونگ نے ان علوم پر خاص طور پر توجہ کیوں مبذول کی اور خاص طور پر یہ کہ ان کی نفسیاتی اہمیت کیا ہے؟ ایک بات میں اس مقام پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ کتب عقلی علوم کی تشریح کے لئے نہیں ہے، عقلی علوم اپنے طور پر ایک پورا نظام اور پورا جہان رکھتے ہیں، اور ان کا مطالعہ کئی زلوٹوں سے کیا جاسکتا ہے۔ ان کے سلیسے میں حوالوں کی کمی نہیں ہے، مگر بہت کم ایسا ہوا ہے کہ ان کو معروضی طور پر دیکھنے کی کوشش کی گئی ہو، مشرق میں ایسی کسی کوشش کا مجھے علم نہیں ہے، مگر مغرب میں بہت کچھ اس سلیسے میں ہوا ہے، کچھ لوگ تو ان علوم کو سرے سے قبول ہی نہیں کرتے اور بغیر بات کو آگے بڑھانے سے روک دیتے ہیں اور کچھ لوگ ان کے اندر ڈوبے ہوئے ہیں اور ان کو طرفہ زندگی دیتے ہوئے ہیں۔ ہم ان دونوں سے سروکار نہیں رکھتے۔ ہم تو راستے کے درمیان میں چلتا چاہتے ہیں۔ مجھے یاد ہے جب لاہور اس قدر آباد شہر نہیں تھا جس قدر اب ہے، تو رات کی تاریکی میں ہم سڑک کے درمیان میں چلتا زیادہ محفوظ خیال کرتے تھے۔ ویسے بھی عقلی علوم رات کی تاریکی اور صحتی میں اکیلے مادی کا سفر ہے، مگر یہ اکیلا پن اپنی نوعیت میں کئی کڑتیں لئے ہوئے ہے۔

یہ بھی متحین کرنا سرے بس کی بات نہیں ہے کہ عقلی علوم کا دائرہ کمبل تک پھیلا ہوا ہے اور کون کون سے علوم عقلی علوم میں شامل ہیں۔ ان کی کوئی حتمی فہرست مہیا نہیں کی جا سکتی۔ یہ سمجھ لیجئے کہ جو انسانی واردات عمومی سائنس کے زمرے میں نہیں آتیں اور ان کا تعلق انسانی غص کے ساتھ قائم ہے، ان کو عام طور پر عقلی علوم ہی سمجھا جاتا ہے۔ ان میں چند

ایک کا ذکر میں کر رہا ہوں تاکہ قاری کو یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ کس اقلیم میں داخل ہوا ہے، سب سے پہلے تو وہ علوم ہیں جنہیں E.S.P یعنی Extra Sensory Perception کہا جاتا ہے، وہ اوراک جو ہمیں حیات کے بغیر ہو جاتا ہے۔ آپ اسے باورائے اوراک حیات کہہ سکتے ہیں۔ اس بارے میں حسینے سدرے (Rene Sudre) کا خیال ہے کہ جو معلومات پیرائڈل ویلے سے حاصل ہوتی ہیں، ضروری نہیں ہے کہ اوراک کی خصوصیت کی حامل بھی ہوں، وہ تو تحت الشعور سے یوں ابھرتی ہیں جیسے یادداشت ابھرتی ہے۔ ان میں پانچوں حیات بھی استعمال نہیں ہوتیں مگر اس کے باوجود اطلاعات شعور تک پہنچ جاتی ہیں لہذا یہ ممکن ہے کہ بعض لوگ آوازیں سنیں یا مظاہرات (Apparitions) کو دیکھ پائیں اور یہ انہیں بالکل حقیقی بھی محسوس ہوں۔ آر تھر کوئل (Arthur Koestler) کا خیال تھا کہ باورائے حیات اوراک (Extrasensory Perception) کہتے اور قدیم انسانی ابلاغ کا طریقہ تھا جو بعد میں حیاتی اوراک کی صورت اختیار کر گیا۔ غیب جی (Clairvoyance) بھی اسی ذمے میں آتی ہے۔ جسم سے باہر نکل جانے کا تجربہ، فحشی آوازیں سننا، جگہ پھٹنا اور سو گھٹنا بھی اسی میں شامل ہے۔

ایک گروہ ٹیلی پتھی (Telepathy) کا ہے۔ جس کو عام طور پر دو سروں کے خیال چڑھ لینا کہا جاتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل فرانیز کے اس خط میں بھی موجود ہے، جو اس نے اپنے ساتھیوں کو لکھا تھا۔ یہ اس کتاب کے حواشی میں شامل ہے۔ (ملاحظہ کریں آٹھویں باب کے حواشی)

پیش بینی (Precognition) آنے والے حالات کو پہلے سے جان لینا یا ان حالات کو پہلے سے متعین کر دینا جسے Predestination کہا جاتا ہے۔ نفسی حرکت یا روحانی حرکت (Psychokinesis) طبعی قوت کو استعمال کئے بغیر ارادے کی (منفوض) قوت سے طبعی اشیاء پر کنٹرول حاصل کرنا جیسے مصل پانے کو پیچک کر۔ یا چمچ ٹیڑھا کر کے یا میز کو زمیں سے اوپر اٹھا کر۔ اس میں بلا واسطہ تجربہ اور نفسی فوڈ گرافی بھی شامل ہے۔ سوا آبی (Atmospheric) اور سمعی (Acoustic) بھی اس میں آتے ہیں۔

بھوت پریت کے بارے میں تمام واردات، جن میں مظاہرات، آسیب زدگی، چیزوں کا گرہ آگ لگنا، دھیمو ایک الگ ذمہ ہے۔

پیش گوئی، فیب دانی (Divination) ایک الگ جماعت ہے۔ جس میں قسمت کا حال جاننے والے تمام علوم شامل ہیں۔ اس میں حسابی خودکاریت (Sensory Automatism) وغیرہ بھی آتی ہیں۔ میڈیم شپ (Medium Ship) بعض ایسے لوگ جن پر ارواح اتاری جاتی ہیں اور پھر وہ ان کی طرف سے بیان دیتے ہیں۔ اس میں بھی بہت سی اقسام ہیں۔ پھر کسی شخص کی کسی شے کو ہاتھ میں تمام کر اس کے بارے میں جانتے چلے جاتا یعنی نفس پیمائی (Psychometry)۔

خودکار ریت (Motor Automatism) آٹومیک تحریریں، چیزوں کو اپنی جگہ سے بغیر ہاتھ لگائے ہلانا اور زمین سے نیچے پانی کی ٹنڈھری کرنا (Dowsing) اس جماعت میں شامل ہیں۔ نیم حرکی خودکاریت (Quasi Molot Automatism) اس میں تماش کے چوں سے قسمت کا حال جاننا دست شناسی (Palmistry) اور علم نجوم Astrology وغیرہ شامل ہیں۔

سحر یا جادو (Magic) بہت بڑا موضوع ہے۔ اس میں کیمیاگری (Alchemy) جن بصوت کو قابو کرنا یا شفا دینی (Healing) اور غیر عمومی اودہ وغیرہ، یہاں کیمیاگری کا لفظ ڈونگ کے معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا۔

ذہن کی سائیکلک یا نفسی حالت، اس میں بہت سے عوامل شامل ہیں۔ مثلاً نیند، خواب دیکھنا، غیر متعلق محسوس کرنا (Dissociation) حصول (Possession) ہسٹریا (Hysteria) بیہوشی یا وجد (Trance) کی وہ حالت جو طاری کی جاتی ہے۔

غلاف قاعدہ مظاہرات۔ جس میں رعد یا بجلی، فوری طور پر آگ بجڑ کاٹھ اڑن طشتریاں (Unidentified Flying Objects) جسے عرب عام میں یو۔ایف۔او (U.F.O) کہا جاتا ہے۔ روحیں، ہم وقتیت (Synchronicity) اور بعض تعمیرات (Leys)۔

یہ عقلی علوم (Occult Sciences) کی ایک مختصر سی فہرست ہے۔ جو کسی لحاظ سے بھی مکمل نہیں کہی جاسکتی، یہ فہرست میں نے جہاں نفسیات کی ایک کتاب کی مدد سے مرتب کی ہے، جس کے مصنف کا نام برائن انگلس (Brian Inglis) ہے، اس میں وہ علوم شامل نہیں جو خاص طور پر سریت یا سحر کے ذمے میں آتے ہیں۔ موجودہ کتاب بھی بنیادی طور پر عقلی علوم کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ ڈونگ کے حوالے سے جو عقلی علوم ہمارے سامنے آتے ہیں

ان سے متعلق ہے، لہذا اب میں ان علوم کو مختصر طور پر بیان کروں گا اور کوشش کروں گا کہ انہیں خاص طور پر ڈونک کے حوالے سے بیان کیا جائے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ انہیں اپنے طور پر بھی دیکھا جائے۔

فرائیڈ کی موجودگی میں جو روحی حرکت ہوئی تھی اس کے لئے حیرانہ دل نفسیات میں Psychokinesis کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے اور اس کا مخفف (P.K) ہے۔ اس کی تعریف کچھ یوں ہے۔ ہمارے پر ذہن کی وہ اثر انگیزی جو کسی معلوم طبیعی طاقت کی مدد کے بغیر ہو، یہ اصطلاح رائن (Rhine) نے متعارف کروائی تھی اور وہ مقبول ہوتی چلی گئی۔ اس سے پہلے اس کے لئے Telekinesis کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی اور اب بھی کہیں دیکھنے کو مل جاتی ہے۔ یہ اصطلاح خاص طور پر روس میں استعمال ہوتی ہے۔ اس کا مطلب وہ عمل ہوتا ہے جو بغیر کسی طبیعی مدد کے فاصلے پر وقوع پذیر ہو، یہ اصطلاح وہاں اس لئے زیادہ رواج پا گئی ہے کہ اس کے لئے 'ذہن' کی اصطلاح کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ چونکہ وہاں کراہیت کا مکتب فکر چھایا ہوا ہے، اس لئے وہ ذہن کو ان معنوں میں تسلیم نہیں کرتے جن معنوں میں ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔

نفسی حرکت کا اطلاق محض انسانی ذہنی تک محدود نہیں بلکہ حیاتیاتی سطح پر بھی اس کے شواہد پائے جاتے ہیں۔ مثل کے طور پر ایک حیاتیات دان مارلس (Marals) نے لکھا ہے کہ دیمک (Termetarles) اپنی رہائش گاہ میں ۱۲ پونڈ وزن تک کے پتھر رکھتی ہے مگر یہ معلوم نہیں ہو پایا کہ وہ ان کو وہاں تک لے جاتی کس طرح ہے۔ انسانوں کے حلقے میں بھی یہی مشکل درپیش ہے، احرام مسرورہ دو سری گئی قدیم عمارتوں میں جو بڑے بڑے پتھر بندی پر رکھے ہوئے نظر آتے ہیں ان کے بارے میں بھی کوئی تشریح پیش کرنا مشکل ہے۔ حضرت موسیٰ کا عصا کو اڑدانا دینا اور دریا کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا اسی موضوع کے تحت آتا ہے۔

قدیم زمانے میں تو ان عوامل کے وقوع پذیر ہونے کا تعلق مجربات کے ساتھ تھا اور خدا کی قدرت سمجھا جاتا تھا مگر قرون وسطیٰ میں ان عوامل کو شیطان سے متعلق کیا جانے لگا اور اسی زمانے کی جادوگریوں کو ان کا سبب بتایا جانے لگا کیونکہ بظاہر یہ عوامل بحوث کی شرارتوں (Poltergeist) سے مماثل نظر آتے تھے۔ اسی عمل کے لئے بعض اوقات اغراضیت (Exteriorization) کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض

موضوع خود اپنے کرد اشیا کو جمع کرتے چلے جاتے ہیں اور ان سے کوئی توانائی بھی خارج ہوتی ہے، مگر خود فرد کو اس کاظم نہیں ہوتا۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس قوت کو اپنے قابو میں لے کر اس سے دوسری اشیا کو حرکت دینے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ۱۸۴۰ء میں ایک برقی دو شیزہ (Electric Girl) کا ذکر آتا ہے، اس کا نام انجلیک کوٹن (Anglique Cottin) تھا وہ جب بھی کسی چیز پر بیٹھنے کی کوشش کرتی، وہ چیز اپنی جگہ سے حرکت کر جاتی، یوں لگتا جیسا کسی نے اسے کھینچ لیا ہے، ایک مقامی زمیندار نے یہ مطالعہ کیا خاصی بڑی بڑی اشیاء بھی اس لڑکی کی وجہ سے حرکت پذیر ہو گئیں۔ اس نے اس مظہر کو بجلی کا نام دے دیا اور لڑکی برقی دو شیزہ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ پھر اس لڑکی کو چرس لایا گیا اور اس زمانے کے معروف سائنس دانوں نے بھی اس کا مطالعہ کیا۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے اسے قریب کا نام دیا مگر اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہ کی جاسکی۔

پھر ایسی ہی ایک کھانی (۱۸۴۸ء) میں ایک انگریز نوجوان ولفریڈ بات (Wilfred Batt) کے بارے میں بھی مشہور ہے جس کی عمر ۱۸ برس تھی اور کسانوں کے آلات اس کی موجودگی کی وجہ سے مڑ جاتے تھے۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوتا تھا تو طشتیاں اور شمع دان اچھل پڑتے تھے۔ اسے بھی Electric Boy کا نام دیا گیا۔ اس کا قول تھا کہ میرے اندر کوئی حس ہے جس کی وجہ سے یہ واقعات ہوتے ہیں، خواہ میں چاہوں یا نہ چاہوں۔

اس سلسلے کا ایک واقعہ آر تھر کوستلر (Arthur Koestler) نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے۔ وہ اپنی ایک دوست ماریا (Marla) کے پاس بیٹھا تھا جو سائیکلک تھی اور اس وقت ذہنی طور پر بے حد پریشان تھی۔ اس نے کہا کہ کوئی واقعہ اب ایسا ہو گا جو کوستلر کو بلا کر رکھ دے گا۔ دوسرے کھانے کے دوران ایک بہت بڑی تصویر جو کھانے والے کمرے میں لگی تھی سائیڈ پر ڈر پر آگری جب اس نے تصویر اٹھائی تو اس کے ہک (Hock) ابھی تک دیوار میں لگے تھے۔ تصویر ٹھیک تھی۔ اسے کوئی نقصان بھی نہ پہنچا تھا۔ لہذا وہ تصویر کو اپنی اصل جگہ میں ٹانگے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ تصویر دیے تک وہیں لگی رہی جہاں وہ ایک زمانے سے لگی ہوئی تھی۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ جب میں یہ مضمون لکھ رہا تھا تو پخت کا پٹکھا اچانک بند ہو گیا۔ جولائی کا مینہ تھا سوچا لوڈ شیڈنگ ہوگی۔ مگر جب میں دوسرے کمرے میں گیا تو وہاں ٹھکے چل رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ میرا پٹکھا اچانک خراب ہو گیا مگر یہ دیکھ کر مجھے بے حد حیرت

ہوگی کہ اس کا سوچ آف تھا اور کمرے میں میرے سوا کوئی موجود نہ تھا۔

ڈونگ کا واقعہ تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ وہ فرانیٹز کے ساتھ محو گفتگو تھا کہ اسے محسوس ہوا کہ اس کا پیٹ جل رہا ہے۔ پھر ایک زور کا دھمکا ہوا۔ دھمکا انا زور دار تھا کہ دونوں لرز گئے، اس پر ڈونگ نے فرانیٹز سے کہا ”میری وہ چیز ہے جس کو آخرائیت کہتے ہیں، مگر فرانیٹز نے اسے رد کر دیا۔ پھر ڈونگ نے کہا ”پروفیسر صاحب آپ غلطی پر ہیں۔ اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے میں کہتا ہوں تو زوی ویر میں ایک اور دھماکہ ہو گا۔“ ڈونگ نے اپنی بات بشکل غم کی تھی کہ وہ دھماکہ ہو گیا۔ اس کی مثالیں تو بہت سی ہیں مگر اب میں زیادہ طویل بات نہیں کرنا چاہتا۔ صرف ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نفسی حرکت اور مافوق الفس اوراک Extra Sensory Perception (جسے E.S.P بھی کہا جاتا ہے) میں امتیاز کرنا پڑے گا۔ بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں، جن میں صرف کسی خاص دیکھنے والے کا اوراک بعض عوامل کو دیکھتا ہے مگر نفسی حرکت میں جو واقعہ رونما ہوتا ہے وہ سب کے لئے ایک جیسا تجربہ ہوتا ہے۔

جو لوگ اپنی مرضی سے نفسی حرکت پیدا کر سکتے ہیں اور اس کی پیمائش بھی ممکن ہے۔ ان میں ایک برازیل کا نامکندہ قاتل ذکر ہے۔ ۱۹۲۰ء جس کا نام کارلوس میرابیلی (Carlos Mirabelli) تھا اس نے بے شمار مظاہرات ایسے لوگوں کے سامنے کئے، جو قابل اعتماد تھے مگر اس کو برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ میں قابل اعتماد نہ سمجھا گیا۔ برازیل میں صورت خیر دینا کا ایک ملک ہے اس پر اعتبار کرنا آسان نہیں۔

نفسی حرکت کو حلیم نہ کرنے کا وہیہ سائنسی سطح پر مدقوں قائم رہا۔ آخر ۱۹۷۰ء میں اسرائیل کے ایک نوجوان یو ری گیلر (Uri Geller) نے کچھ مظاہرے ایسے کئے کہ سب کو اس جھلی قوت کو حلیم کرنا ہی پڑا۔ اس نے میچ اور دوسری اشیاء کو موڑنے کا مظاہرہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کیا، مگر اصل کامیابی اس کو اس وقت حاصل ہوئی جب اس نے بی بی سی کے ایک پروگرام میں اپنی صلاحیتوں کا رپورٹر انعام کیا۔ پروفیسر جون ٹیلر (Prof. John Taylor) کو یہ حلیم کرنا پڑا کہ وہ اس مظاہرے میں کوئی جمل یا فریب دریافت نہیں کر سکا پھر اگلے دن ڈیٹار ایکی رپورٹیں اخباروں میں شائع ہوئیں کہ سارے ملک میں کھڑی اس طریقے سے مزاحمتی تھی کہ اس کی مرمت کرنا ممکن نہیں تھا، مڑ جانے والی

چیزوں میں ٹھاک بھی شامل تھی۔ یہ واقعہ ہمیشہ اس وقت پیش آتا تھا جب یہ ری گیلر پی پی سی پر اپنا مظاہرہ کرتا۔ مگر اس کے باوجود گیلر کی مخالفت جاری رہی اور اس کی اس قوت کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کیا جاتا رہا۔ مگر اس کے ساتھ ہی بہت سے ایسے اور لوگ بھی پیدا ہو گئے جو یہی کام کر سکتے تھے۔ اگرچہ ابھی تک سائنس دانوں میں کئی لوگ ایسے ہیں جو اس مظاہرے کو نہیں مانتے مگر زیادہ تر اسے حتمی دل سے تسلیم کر چکے ہیں۔

تجربہ گاہ کی سطح پر اس صلاحیت کا امتحان لینے کے لئے سب سے پہلے ۱۸۵۰ء میں روبرٹ ہیر (Robert Hare) نے کچھ آلات بنائے، وہ یکسٹری کا اسٹور رو چکا تھا۔ اس کے بعد تجربہ کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے جو پیرا نفسیات کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ تجربات کرنے والے زیادہ تر لوگ سائنس دان تھے اور سائنس کے شعبوں سے تعلق رکھتے تھے۔

اس سلسلے میں کچھ شاہد ۱۸۴۲ء میں تھامس مان (Thomas Mann) کے بھی ہیں۔ جب تک وہ بین الاقوامی سطح کا مصنف تسلیم کیا جا چکا تھا۔ تھامس مان جب مظاہرے کے مقام پر پہنچے تو اس کا ذہن تشکیک اور شبہات سے بھرا ہوا تھا مگر روشنی اس قدر زیادہ تھی کہ اس میں آسانی سے یہ اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ کوئی طبعی طاقت کسی طرح بھی استعمال نہیں کی گئی۔ ایک رد مال جو زمین سے اوپر اٹھا تھا اس نے تھرتے ہوئے اپنی شکل تبدیل کرنی شروع کر دی۔ اس میں گانٹھ (Knuckle) پڑتی ہوئی صاف نظر آ رہی تھی اور بعض حصے زیادہ پھولے ہوئے لگ رہے تھے۔ فرش پر ایک گھنٹی پڑی ہوئی تھی جسے تھامس مان دیکھ رہا تھا اس نے اچانک بچتا شروع کر دیا۔ تھامس مان نے کہا جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ یہ دھوکا دینے کی کوشش ہے۔ جھوٹ بولا ہے۔ جب گھنٹی بجی تھی تو وہاں تو کوئی تھا ہی نہیں۔

اس سلسلے میں گفتگو تو بہت طویل ہو سکتی ہے مگر یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ نفسی حرکت یا "پی" کے "کی" جماعت بندی چار حصوں میں بھی ہو سکتی ہے۔ پہلا حصہ، طبعی اثرات پر مشتمل ہے، جنہاں ایک فاصلے سے اشیاء کو حرکت دی جاتی ہے یا تھوڑی بہت حرکت دے کر بڑی اشیاء کو اپنی جگہ سے ہلا دیا جاتا ہے۔ اشیاء کو توڑا یا موڑا جاتا ہے۔ بلا واسطہ کھسائی (Direct Writing) اور نفسی فونو گرافی بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔

دوسری جماعت میں فطریاتی (Physiological) اثرات ہیں۔ بدن مایہ بطور

(Ectoplasm Emanations) تجسم نفسی ارتقاع (Materialization) (Levitations) تبدیلی مقام (Translocation) قطول (Elongation) قطع کرنے کی قوت (Invulnerability) نسوزی (Incombustibility) تبدیل نہ ہونے کی صلاحیت (Incorruptibility) اور صدور (Auras)۔

تیسری جماعت سمیاتی (Acoustics) اثرات کی ہے دنگ، کھٹکناہٹ، بلاواسطہ آوازیں۔

چوتھی جماعت میں ماحولیاتی (Atmospheric) اثرات آتے ہیں۔ نور سے معمور چیزیں (Luminosities) درجہ حرارت میں تبدیلیاں، سرد ہواؤں کا چلتا ہوا ہار آگ کا بھڑک اٹھنا جماعت (Liquefactions) اور خوشبوئیاں (Scents) شامل ہیں۔

(۱) عرفانیات (GNOSTICISM):

یہ ایک ٹھنی (Dualistic) متضوفاہ (Mystical) عیسائی مذہب ہے جس نے بحیرہ روم کے علاقے میں دوسری صدی عیسوی کے دوران نشوونما پائی۔ اس کا آئندہ یونانی لفظ Gnosis ہے جس کے لفظی معنی علم (Knowledge) کے ہیں، اہل عرفان کا یہ عقیدہ تھا کہ روح کی نجات یا آزادی عقیدے کی بجائے علم کے ذریعے ممکن ہے۔

اپنے آئندہ میں عرفانیات "علم کا مذہب" ہے یا پھر اسے دینی بصیرت (Insight) بھی کہا جاسکتا ہے۔ فلسفے کی سطح پر یہ ایک ٹھنی مذہب ہے اور اس کے کم از کم ساٹھ فرقے ہیں۔ قدامت پسند عیسائی جتنے عرفانیات کو بدعت (Heretical) قرار دے کر رد کرتے ہیں اور اس کو مصنوعی مذہب (Pseudo-Religion) بھی کہتے ہیں۔ مگر جدید دانشوروں اور محققین کو اس اعتراض پر اعتراض ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اہل عرفان کا بلاواسطہ تعلق اصل اور بنیادی عیسائیت کے درخشاں سے ہے، جن تک حضرت عیسیٰ کی ستری تعلیمات بلاواسطہ پہنچی تھیں۔ مگر مزار سے جو طومار یا سکرول (Scroll) اکول کر کے رکھی ہوئی تحریریں حاصل ہوئے ہیں۔ ان کی روشنی میں عیسائیت کے آغاز کے بارے میں نقطہ نظر خاصی حد تک تبدیل ہو گیا ہے۔

یہ ۱۸۴۸ء کا واقعہ ہے کہ بحر مردار کے قریب پہاڑیوں کی چٹانوں سے اتفاق سے طوبار دریافت ہوئے تھے۔ بحر ان کی باقاعدہ تلاش کی گئی ہے اور اب یہ طوبار سینکڑوں کی تعداد تک پہنچ چکے ہیں۔ ان سے عیسائیت کا تعلق ایک یہودی مسک (Mystic) سلیطے اپنے (Essne) سے قائم ہوتا ہے یہ صوفیا کا ایک کردہ تھا جو یہودیوں کے اندر پیدا ہوا۔ حضرت عیسیٰ یا تو اس سلیطے سے متعلق تھے یا ان پر اس فرقے کی تعلیمات کے گہرے اثرات مرتب ہوئے تھے۔ عیسائیت کی موجودہ شکل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سینٹ پال (St. Paul) نے رومنوں کو اس مذہب کی طرف راغب کرنے کے لئے بنائی تھی۔ کیونکہ یہودی ان تعلیمات کو پہلے ہی رد کر چکے تھے۔

عرفانیات کے عناصر تمام مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ وسیع تر معنوں میں عرفانیات ہر مذہب کا تخلیقی عنصر ہے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پہلے بھی، یہ عناصر مصر اور یونان کے متصوفانہ فرقوں میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ زرواست (Zoroastrianism) یہودیت (Judaism) پرہ مت اور تائو مت (Taoism) میں بھی اس کے اثرات موجود ہیں۔

عرفانیات کی دو اصطلاحیں یعنی گنوسٹک اور صوفیا (Sophia) قدیم عہد نامے میں بھی استعمال ہوئی ہیں۔ سینٹ پال نے جو پہلا خطا کو رنٹھی (Corinthian) کو لکھا تھا اس میں بھی عملی زندگی میں عرفان کے فوائد کو بیان کیا گیا تھا اور صوفیا کے بارے میں یہ درج تھا کہ وہ دانشورانہ سوالات کے جواب کے لئے ضروری ہے۔ کورنٹھی سے مراد شہر کورنٹھ کے رہنے والے ہیں، یہ ایک قدیم یونانی شہر تھا جو اپنے فنکارانہ حسن، اسراف اور عیش پرستی کے لئے مشہور تھا۔ عرفانیات کا کتب فکر صوفیا کی نشوونما کو حاصل کی جاسکتے دلی اعلیٰ ترین حکمت کا مماثل خیال کرتا ہے اور یہ وہ قوت ہے جو خدا کے اسرار کو جان سکتی ہے۔ حال ہی میں شائع ہونے والا ایک فلسفیانہ ناول جو تاریخ فلسفہ کو بنیاد بنا کر لکھا گیا ہے۔ اس کا نام بھی سو فی دنیا (Sople's World) ہے اس کے مصنف کا نام جو سٹائن گارڈر (Jostlen Gaader)۔

عیسائیت کی تاریخ میں عرفانیات کا آغاز سمن میگس (Simon Magus) جو ایک مشہور کرشمہ ساز تھا کے نام سے ہوتا ہے۔ اسے عیسائیت کے مطلقے سے نکال دیا گیا تھا اور اس کے عروج و زوال کی کہانیاں مشہور ہیں۔ اب یہ سمجھا جا رہا ہے کہ عرفانیات کا آغاز عیسائیت کے

آغاز ہی میں یا اس سے پہلے ہو گیا تھا اور ایک زمانے تک وہ قدیم چرچ کے ساتھ ساتھ قدم بدم چلا رہا تھا اور اہل عرفان اپنے آپ کو عیسائی ہی کہتے تھے، گستاخ نہیں کہتے تھے۔

عرفانیات کی تعلیم روم اور اسکندریہ کے بعض مکاتب میں ہوتی تھی جو دوسری صدی عیسوی میں اپنے کمال کو پہنچ گئے تھے۔ اس تعلیم سلسلے کے بہت سے رہنما بھی تھے۔ مثلاً بانی لایڈز (Basillides) سلو ولین ٹائن (Valentine) مارکی آن (Marclon) وغیرہ یہ بھی گستاخ تھے، جو یہ سمجھتے تھے کہ کائنات کے خالق کی بنیاد نفس اور روحانی ہے۔ انہوں نے ہر شے میں یہی بہت دریافت کی تھی اس عرفانیات کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ عیسائی انوث (Agape) اور متصوفانہ عشق خدا کے علم کا جامہ ہے، عیسائی انوث کا حصول طویل اور دشوار ریاضت ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

عرفانیات والوں نے ایک شویت تشکیل دی تھی۔ خیر (روحانی) اور شر (مادی)۔ ہر شخص کے اندر حق خداوندی موجود ہے۔ نفس (روح خیرا جسم مادی شر) کے اندر مقید ہے اور اس کی وجہ آسمان سے گرایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ روحانی نجات اس صورت میں ممکن ہے اگر روح کی خیر مطلق کو جسم کے شر مطلق سے آزاد کر دیا جائے اور وہ اس شویت کو اپنے کمال تک لے گئے تھے، یہ لوگ دفع شر کے لئے رہبانیت (Asceticism) کو اس کی انتہائی صورت میں پہنچائے ہوئے تھے۔

اہل عرفان کا عقیدہ تھا کہ ہر شخص کے اندر حق خداوندی (Divine Seed) موجود ہے مگر اس کے باوجود جب وہ لوگوں کی تقسیم کرتے تھے تو ان کے دو گروہ بناتے تھے: ایک تو وہ گروہ تھا جو اہل عرفان کا تھا اور ان کا بنیادی محرک روح تھی اور دوسرا گروہ مادے سے تحریک حاصل کرنے والوں کا تھا، جن کو کسی صورت میں بچایا نہیں جاسکتا تھا۔ مگر کبھی کبھی وہ ایک تیسرا ذمہ بھی تسلیم کرنے لگ جاتے تھے، وہ لوگ جن کے اندر یہ استطاعت موجود ہے کہ وہ علم کی وساطت سے اہل عرفان ہو جائیں مگر وہ عملی طور پر اہل عرفان میں سے نہیں تھے۔ اس کے مقابلے میں Agnostic (اور یہ) کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں نہ جاننے والا یا نہ جانا جاسکے والا، اس کا تعلق عرفانیات سے محض اس قدر ہے کہ یہ اس شخص کے لئے حوالے کے طور پر استعمال ہوتا ہے جو علت بے علت (Uncaused Cause) میں ایمان رکھتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ قدرت کے خالق نہ صرف یہ کہ معلوم نہیں ہیں بلکہ جانے بھی جاسکتے ہیں۔

بکہ نل عرفان نے حضرت یسعی کی صعوبت (Suffering) اور مطلوب ہونے پر بھی شک کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ حضرت یسعی کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ خود کو مادے کے ساتھ ٹوٹ کر دے، بلکہ تو یہیں تک کہنے لگے تھے کہ حضرت یسعی نے اپنی موت سے فرار اس طرح حاصل کیا تھا کہ انہوں نے اپنی جگہ اپنے کسی نائب کو مصلوب ہونے سے پہلے عطا کر دی تھی۔ کچھ عیسائی نل عرفان نے انجیل کے مطالب بھی اپنی مرضی سے تبدیل کئے تھے اور سحر کو اپنی تعلیمات کا حصہ بنا لیا تھا۔

قدیم کلیسا کے رہنماؤں کے لئے یہ خیالات عیسائیت کے لئے دھمکی تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا تھا۔ ۱۶۰ سے ۲۳۰ عیسوی کے زمانے میں خاص طور پر عرفانیات کے خلاف بہت کچھ لکھا گیا تھا کچھ اہم لکھنے والوں کے نام ایرینی یوس (Irenaeus) ہیپو لائی ٹس (Hippolytus) اور ٹرولین (Tertullian) ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اسکندریہ کے کلیمنٹ (Clement) (۱۵۰-۲۱۵) نے عیسائیت کے اندر عرفانیات کی گنجائش بنانے کو سنجیدہ کوشش کی تھی تاکہ قدامت پسند عیسائیت اسے قائل قبول کچھ سکے۔ اس ساری کوشش کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ بدھ مت اور زرتشتی اثرات کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے اثرات بھی اس میں در آئے، خاص طور پر دین مانوی (Manichaeism) کے عناصر رفتہ رفتہ اس میں رچ بس گئے۔ دین مانوی بہت سادہ ہے اور شمی مذہبی نظام پر مشتمل ہے، جس میں مادے کو شر اور روح کو خیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نل عرفان کو بدھ متی قرار دیا گیا اور ان کو سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرون وسطیٰ کے آخر تک یہ سلسلہ تقریباً معدوم ہی ہو چکا تھا، اس سلسلے کی آخری سزا فرانس میں ۱۴۴۳ء میں دی گئی۔ مگر نل عرفان کے ان خیالات کو فری میسنوں (Freemason) اور روزی کوشن نے زندہ رکھا۔ روزی کوشن (Rosicrucian) سترویں، اٹھارھویں صدی عیسوی ایک ایسی انجمن کے رکن کو کہتے ہیں، جن کا دعوے مانوی انظمت علم اور طاقت کا ہونا تھا اور جو باطنی مذہب کو ماننے تھے۔ یہ ادارے ابھی تک زندہ ہیں، خاص طور پر امریکہ اور ان کو روزی کوشن آرڈر کہا جاتا ہے۔

یہاں تو روزی سی بات فری مین کے بارے میں بھی ہو جائے۔ قرون وسطیٰ کے ماہر تک نگاروں کا ایک طبقہ یا ایسے نگاروں کی انجمن کا کوئی نگار کن، اس انجمن کے اعزازی رکن

بھی ہوتے ہیں۔ جن کو قبولی کاری گر (Accepted Masons) کہا جاتا ہے، لیکن ان کا تیسروائی پٹے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان کے دعوے کے مطابق ان کا مقصد بھلائی، اخوت اور نیکی کا فروغ ہے۔ تاریخی طور پر یہ ایک یہودی مہسوتی تنظیم ہے، جس کے ذریعے مختلف ممالک میں ایسے انقلاب پیا کے جاتے رہے ہیں، جن سے استبدادی قوتوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔

اس کے اثرات کبلا یا کبالہ (Kabala) تصوف کا ستری نظام تفسیر تصوف کا باطنی نظام جو مقدس صحائف کی صوفیانہ تفسیر پر مبنی ہے۔ یہ نظام چھٹی صدی عیسوی میں یہودی ریبوں کے درمیان رائج ہوا اور سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ بعض اوقات یہ کسی بھی ستری، باطنی یا عقلی نظریے یا علم کا نام ہے اہل عرفان کی باتیات کا ایک گروہ مینڈین (Mandaeans) کے نام سے آج بھی عراق اور ایران میں موجود ہے۔

اس کے باوجود کہ اہل عرفان کو عیسائیت نے بہت سخت سزائیں دیں مگر ان کے اثرات کے مسلمہ طریقے (Liturgy) پر بہت نمایاں ہیں۔ خاص طور پر کیتھولک مذہب کے سر مقدس سے متعلق رسومات پر۔ ابتدائی عیسائی مسلمہ طریق کار کے اثرات مہسوتی صوموہ (Synagogue) یعنی طریق عبادت پر خاص طور پر مرتب ہوئے ہیں۔

عرفیات میں خصوصی طور پر دلچسپی کا احیاء چھویں صدی میں ہوا ہے، جب عرفانی دستاویزات دریافت ہوئی ہیں۔ پہلے یہ خیال تھا کہ محفوظ غائب ہو چکے ہیں مگر ۱۹۰۲ء اور ۱۹۱۳ء عیسوی کے درمیان ترکستان میں اور پھر ۱۹۲۳ء، ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۸ء میں بلانی مصر کے مقام ناگ حمادی (Nag Hammadi) کے مقام سے ملے ہیں، ان کو عام طور پر بحر مردار کے سکروں کہا جاتا ہے، ان کے ملنے سے وہ بنیاد فراہم ہوئی ہے جس پر عرفانی تصورات اور خیالات کی توجیس کی جا سکتی ہے۔

ایک اور بہت ہی اہم عنصر جس کی وجہ سے عرفیات کے عنصر کو دوبارہ زیر غور لانا پڑا ہے، نفسیات دان، سی جی ڈوگ کے نظریات ہیں جن کو عام طور پر نئی عرفیات (Neo-Gnostic) کہا جاتا ہے۔ ڈوگ نے بڑی محنت کے ساتھ قدیم عیسائیت اور عرفیات کا مطالعہ کیا۔ اس نے یہ دریافت کیا کہ عرفیات عیسائی نفسیات (Depth Psychology) کے قدیم نمونے (Prototypes) ہیں۔ اس کا اعلان تھا کہ عیسائیت اور خصوصاً مغربی ثقافت نے

عرفانیات کے تصورات کو دبانے کی وجہ سے بے حد نقصان اٹھایا ہے، ان کو دوبارہ متعارف کروانے کے لئے تاکہ یہ خیالات جدید فکرمحور کا حصہ بن سکیں، ڈونگ نے ان کو یکساں گیری (Alchemy) میں دریافت کیا۔

ناگ حملی سے برآمد ہونے والے پہلے قرباویں (Codex) جو ۱۹۳۵ء میں دریافت ہوئے تھے خرید لئے گئے اور پھر ان کو ڈونگ کے حوالے کر دیا گیا، یہ تحفہ اس کو اس کی ۸۰ ویں سالگرہ پر دیا گیا اس تحفے کا نام ”کوڈیکس ڈونگ“ ہے۔

وہ لوگ جو خصوصی طور پر عرفانیات سے متاثر ہیں ان میں ڈونگ کے علاوہ ماہر وجودیات (Existentialism) مارٹن ہیڈگر (Martin Heidegger) مذہبی تدریخ دان کرٹ روڈلف (Kirt Rvdolph) بھی شامل ہیں۔ انجیل کا ایک محقق روڈلف ہلٹ مین (Rudolph Bult Mann) نے ۱۹۳۳ء میں ایک بنیادی کام کیا تھا اس نے اپنی کتاب Gnostic Religion چھاپی تھی۔ اس کتاب میں ابتدائی عیسائی مذہب اور دیگر عموماً سے ملنے والے سکروٹ کے بارے میں خاصی معلومات فراہم کی گئی تھیں۔

۱۹۷۷ء میں کرٹ روڈلف نے Onosis کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی۔ جو اس کی عرفانیات کی نوعیت اور تدریخ کے بارے میں تھی۔ یہ تدریخ دار تحقیق سکندر اعظم کے ایشیا پر حملے سے آغاز ہوتی ہے، جو ۳۳۳ قبل مسیح میں ہوا تھا اور پھر اس کے اثرات ساتویں صدی میں کیسٹوگک مذہب پر مرتب ہوئے تھے۔ یہ سینٹ پال کی وہ توجہ تھی جو ماری آن نے کی تھی اور وہ انتہائی طور پر عرفانیات سے متاثر تھی، اس میں دو ایسے خداؤں کا تصور تھا جن میں سے ایک خیر کا خدا تھا اور دوسرا شر کا۔ روڈلف کی یہ تحقیق انتہائی طور پر عالمانہ ہے اور اس کے لئے بے شمار دستاویزات بھی فراہم کی گئی ہیں، مگر یہ عیسائیت کا حصہ ہے جس کا تعلق یورپ کے ساتھ ہے۔

اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اسی طرح کا مطالعہ مشرق میں عیسائیت کے حوالے سے بھی ہونا چاہئے۔ ڈونگ نے مشرق اور مغرب کے جن خیالات کو ملا کر اپنی نفسیات تشکیل دی تھی ممکن ہے اس میں کچھ اثرات عرفانیات کے اس حصے کے بھی ہوں، جو مشرق میں نشوونما پانچا ہے۔

یورپ میں اور خصوصاً فرانس میں عیسائی اہل عرفان کا ایک گروہ اسلام کی طرف مائل

متوجہ ہوا تھا۔ ان میں سے کچھ لوگ ایمان بھی لے آئے تھے۔ ان کے کچھ اثرات جدید فکر رکھنے والے مسلمانوں پر بھی مرتب ہوئے تھے، ان میں خصوصاً حسن عسکری، ڈاکٹر محمد اہمل، سلیم احمد، سراج منیر اور کئی دوسرے لوگ شامل ہیں۔ ان اعتقادات کی بنیاد پر قانون میں محمد اور شاہ کی ایک بحث بھی شائع ہوئی تھی۔ جس میں خاص طور پر سراج منیر اور جمال پانی پتی نے حصہ لیا تھا۔ سبیل عمر نے اس سلسلے کی بعض کتب شائع کی ہیں۔ اس تحریک کے کچھ نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں فریڈرک جون شوون (Frithjof Schoun) ریسنے گیمنو (Rene Guenon) مارکو پالیس (Marco Pallis) مارٹن لنگز (Martin Lings) ٹی ٹیٹس برک ہارٹ (Titus Burchardt) اور کسی حد تک سید حسین نصر بھی شامل ہیں۔

میں ان کے اعتقادات کے سلسلے میں تفصیل بیان نہیں کرنا چاہتا۔ یہ اس کا موقع بھی نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو ”روایت“ وہ دو رسائل دیکھ سکتے ہیں جن میں یہ تفصیل شائع ہوئی تھی۔ اس سلسلے کے بارے میں بعض شبہات کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر افضل اقبال نے اپنی کتاب The Diary Of A Diplomatہ میں شوون سے ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کے اندر دکھاوا بہت ہے، ان کے مسلمان ہونے کے سلسلے میں بھی تقلید کا اظہار پایا جا رہا ہے، کاسلو (Koslow) کی ایک کتاب شوون کلت (Cult) کے بارے میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں بھی یہ جھلکتا ہے کہ اس گروہ نے اسلام کی صورت کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔

چونکہ یہ سارا معاملہ بنیادی طور پر سریت (Esotism) سے متعلق ہے۔ لہذا مناسب ہو گا کہ اس سلسلے میں مسلم صوفیا کا نقطہ نظر بھی جان لیا جائے۔ ان کے لئے جو اس سلسلے میں قدرے تفصیل میں جانا چاہتے ہیں۔ اگر ریسنے گیمنو اور اس کے کتب فکر کا خصوصی مطالعہ مقصود ہو تو جیکب نیڈل مین (Jacob Needle Man) کی کتاب The Sword Of Gnosis دیکھی جاسکتی ہے۔

سریت کے سلسلے میں ایک طویل اقتباس پیش کروں گا۔ یہ اقتباس حضرت سید محمد زونقی کی شہرہ آفاق کتاب سر دلہریں سے لیا گیا ہے۔ تصوف کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب بطور لغت اور بطور نصاب استعمال ہوتی ہے۔ جو اقتباس میں پیش کر رہا ہوں وہ الگ سے سریت کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ کتب کے اندر اس کا عنوان روح القدس ہے، اس میں سر کو بھی بیان کیا گیا

ہے مگر اسے بیان کرتے وقت اس کا قرینی مابعدالطبیعیاتی نظام بھی بیان کر دیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو، یہ اقتباس اس قدر طویل ہے کہ میں اسے غصے کے طور پر شامل کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں تفصیلی مطالعے کے لئے پروفیسر لطیف اللہ کی کتاب تصوف اور سیرت دیکھنی چاہئے۔ اس کتاب میں پروفیسر لطیف اللہ نے سیرت کی اصطلاح سٹی سزم (Mysticism) کے لئے استعمال کی ہے اور میرے خیال میں اس سے مراد عرفانیت ہے، یہ بحث اس لئے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ بعض دانشوروں کا یہ خیال بھی ہے کہ ساری کی ساری سٹی سزم (Mysticism) اصل میں ایک ہی ہے، ان دانشوروں میں اوریس شلم بھی شامل ہیں۔ یہی صورت حال اہل عرفان کے بارے میں بھی ہے، وہ تمام مذاہب کو بنیادی طور پر ایک بیسای خیال کرتے ہیں۔ اس کے اثرات ڈونگ کے ہاں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ڈونگ بنیادی طور پر بیسائیت کو بنیاد بناتا ہے اور اس کے بعد ہندو مت، بدھ مت اور چینی مذہبی فلسفے کے اثرات بھی اس پر نظر آتے ہیں، مگر حیرت انگیز طور پر وہ اسلامی روایت سے بے نیاز ہے۔ اس لئے اس کا مطالعہ انہی حوالوں سے کرنا پڑے گا اور قاری کے قلبی موازنے کے لئے جہاں جہاں ضروری ہو گا ہم مسلم تصوف یا سیرت پر بھی بات کرتے رہیں گے۔

(ب) کیمیاگری (ALCHEMY):

بنیادی طور پر ایک ایسا قدیم فن، جس کے ذریعے کیا پلٹ ہوتی ہے یا ماہیت قلبی تبدیل ہو جاتی ہے، اسی کی بنیاد پر جدید کیمسٹری (Chemistry) اور دھلت کاری (Metallurgy) وجود میں آئی ہے۔ علامتی طور پر یہ ایک ایسا مقصود ہے جس کی حد سے شعور کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے۔

حال ہی میں کیمیاگری میں جو دلچسپی پیدا ہوئی ہے اس کی وجہ نفسیات دان سی جی ڈونگ ہیں جس نے یہ دیکھا کہ اس کی ایک جہت روحانی ہے اور اس کے ساتھ اس کی طبیعی جہت بھی موجود ہے۔ اس ہنر کا سچا مقصد نفسیاتی ہے۔ یعنی کیمیاگری کی روح کی کیا پلٹ کر دینا۔

الکمی کو سپاگیرک (Spagyric) فن بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک یوگائی لفظ ہے، جس کے معانی پھاڑنے اور پھر یکجا کرنے کے ہیں۔ ایک مصروفانہ فن کے طور پر اس کا تعلق بہت سی روحانی روایات سے ہے، جس میں مثلاً کے طور پر ہرمتی کا (Hermetica) عرفانیات، کہاں اسلام، تلو ازم (Taoism) اور یوگا (Yoga) بھی کچھ شامل ہے، مگر مغرب اور مشرق کے کیمیاگری کے فنوں مختلف طریقوں سے نشوونما پائے ہوئے ہیں۔

مغربی الکمی:

مغربی الکمی ایک ہری (Hermetic) روایت ہے، جو مصری یوگائی ستری تعلیمات پر مبنی ہے۔ ایک دیوتا کے مطابق اس کا بانی ہر میز ٹریس میگس ٹی (Hermes Trismegistus) ہے، جو مصر اور یونان دونوں میں بحر اور حکمت کا دیوتا سمجھا جاتا ہے۔ اس کے نام قصہ (Thoth) اور ہریز ہیں۔ قبل مسیح کی آخری اور عیسوی کیلنڈر کی ابتدائی صدیوں میں اس نے وحدت کاری کو غلطی اور فلسفے سے متعلق ان خیالات سے ملادیا تھا، جن کی بنیاد نیو افلاطونیت (Neo Platonism) عرفانیات اور عیسائیت پر تھی۔ مصریوں نے الکمی کا بے حد بنیادی عنصر متعارف کرایا تھا اور وہ یہ کہ طاقت خداوندی نے یہ دنیا ایک بے نظم یا منتشر (Chaotic) طاقت سے بنائی تھی، جس کا نام پریما مادہ (Prima Materia) تھا۔ خدا کیمیاگری میں ہر شے کو دلیں پہلے مادے کی حالت میں لایا جاسکتا ہے۔ اس کو گھلایا جاسکتا ہے اور اس کے استخراج بنائے جاسکتے ہیں اور اس کی کاپیا پلٹ کر کے اس کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر کیمیاگر اس سلسلے میں مخالف اشیاء کو ملائے تھے تاکہ کاپیا پلٹ ہو سکے۔

چوتھی صدی تک کیمیاگری ایک تاریخی صورت اختیار کر چکی تھی اور ان اسرار کی جگہ لے چکی تھی جو نکھر رہے تھے۔ یہ یورپ میں بارہویں صدی میں پہیلی اور اس کی وجہ تین پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ یہ نہایت ہی قابل احترام سائنس تھی، جو لوگ اس سلسلے میں کوشاں رہتے تھے اور اس پر تحریر لکھتے تھے، وہ جان بوجھ کر غیر واضح زبان استعمال کرتے تھے

جبرش (Gibberish) کی اصطلاح قرونِ وسطیٰ کے کیمیادان جابر بن حیان سے متعلق ہے اور اس کو یوہرپ میں عام طور پر گیمبر (Geber) (۷۸۱-۸۵۰ء) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کی بہت سی تحریریں ایسی ہیں کہ کچھ ہی نہیں آئیں۔

کیمیاگری قرونِ وسطیٰ کے آخری زمانے سے نشاۃ ثانیہ تک میں عروج پر تھی۔ کیمیاگر پڑ فربہ پارس پتھر (Philosopher's Stone) کی تلاش میں تھے، یا پھر وہ لاپس (Lapls) ڈھونڈتے تھے، جو ایک پراسرار مادہ ہے، جو کم درجے کی دھاتوں کو چاندی یا سونے میں تبدیل کرنے کے کام آتا ہے، یہ بھی اسی طرح کا تصور ہے جیسا کہ پارس پتھر ہے، پارس پتھر کو زندگی کے لئے اکسیر (Elixir) بھی سمجھا جاتا ہے اور اس سے جاودہانی حاصل ہوتی ہے، زیادہ تر کوششیں جو کیمیاگری کے سلسلے میں کی گئیں، ناکام ثابت ہوئیں، مگر بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ چیزوں کی مابیت تبدیل کرنے میں کامیاب بھی ہوئے، کہا جاتا ہے کہ نکولس فلیمل (Nicholas Flamel) جو چودھویں صدی عیسوی کا عظیم کیمیاگر تھا تین بار پارے (Mercury) کو چاندی یا سونے میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوا۔

جو تحریریں اور نقشے ان کیمیاگروں کے بنائے ہوئے ملے ہیں، وہ اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ ان کو سمجھنا کارے دار، کیمیاگر اپنے مطالعے کی بنیاد بلاواسطہ ذاتی کشف و بصیرت (Vision) یا خواب کو بناتے تھے، مگر وہ اپنے کام سیدھے سادہ صاف الفاظوں میں بیان نہیں کرتے تھے، وہ اپنے جیسے لوگوں کی فہم کے لئے ان کو علامات کی صورت میں بیان کیا کرتے تھے اور ان اصطلاحات کا فربہ بھی تبدیل ہوتا رہتا تھا۔

قدیم کیمیاگری کے مطابق تمام اشیاء دو قسم کے مادوں سے مل کر بنتی ہیں ایک فرہوتا ہے اور ایک مادہ (Hermaphroditic) گندھک (Sulphur) نفس (Psyche) کی نمائندگی کرتی ہے اور آتشیں مردہ اصول ہے، اور پارہ یا سیماب جو روح (Spirit) کا نمائندہ ہے آبی نملی اصول ہے۔ بعد میں یورپی کیمیاگری میں ایک اور عنصر شامل ہوا، نمک، جس کی مطابقت جسم کے ساتھ ہے، تبدیلی مابیت کا عمل تین ضروری عناصر کو الگ الگ کرنے پر مشتمل تھا، ایک بار الگ الگ کرنے کے بعد ان کو پھر سے ایک خاص تناسب میں ملا دیا جاتا تھا، مگر اس عمل کو برعکس کار لاتے ہوئے یہ دیکھنا ضروری تھا کہ علم نجوم کے حساب سے ستارے موذوں حالت میں ہوں۔

اسرار کے سلسلے کی توسیع کے طور پر کیمیاگری حسنِ کلام یا حسنِ تعبیر (Euphemism) کا ایک لازمی حصہ تھی، جس کا مخفی تعلق دوبارہ تخلیق ہونے سے تھا اور یہ جاودانیت کے باعث ممکن ہوتا تھا اور یہ وہ مرتبہ تھا جو اسراریت کے باطن میں داخل ہونے سے ملتا تھا۔

کیمیاگری کی زبانی فطرت کو شہوت انگیز (Erotic) آرٹ میں خاصہ نمایاں کیا گیا ہے، مگر اس کا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہو سکا کہ عملی طور پر اس سلسلے میں کوئی جنسی رسم بھی ادا کی جلیا کرتی تھی۔

قرونِ وسطیٰ اور نقشہِ حانیہ کے زمانے میں کیمیاگری کے باعث رحلت کاری، یکسری اور علم ادویہ (Medicine) میں بہت کچھ دریافت ہوا تھا، اس کی تفصیل مطالعہ ایک شہرہ آفاق کتاب Dawn Of Magic میں کیا جاسکتا ہے، یہ کتاب بنیادی طور پر ان حقائق کو بیان کرتی ہے جنہیں جدید سائنس نے جان بوجھ کر مسخ کیا ہے، یہ ان کتابوں میں سے ہے جنہوں نے کئی لوگوں کی زندگی کے رویے کو مکمل طور پر تبدیل کر دیا ہے، مثلاً اس میں یہ درج ہے کہ کون کون سی ایسی ایجادات ہیں، جو اس زمانے میں دریافت ہو چکی تھیں، مگر بعد میں جدید سائنس نے ان کو اپنے کھاتے میں ڈال لیا۔ بعد میں انیسویں صدی کے دوران جب آکسیجن (Oxygen) دریافت ہوئی اور اس کے ساتھ ہی یہ دریافت ہوا کہ پانی کئی عناصر سے مل کر بنتا ہے تو کیمیاگری کو ایک دمچکا لگا اور کیمیاگری کو محض ایک نقلی سائنس کا درجہ دے دیا گیا اور اسے توہمات میں شامل کر لیا گیا اور اس کی جگہ علمِ طبیعیات ہٹنے لے لی۔

بیسویں صدی کے دوسرے نصف تک کیمیاگری میں کوئی سنجیدہ دلچسپی نہ لی گئی، مگر اس کے بعد مغرب میں اس شے میں دلچسپی پھر سے بیدار ہو گئی۔ ایسے ادارے قائم ہوئے، جو یہ قدیم آرٹ سکھایا کرتے تھے، اس کے بعد سپاگرک (Spagritic) اشیاء جزئی ہونٹوں سے تیار شدہ دوائیاں، مشروبات، شراہیں اور خوشبوئیں وغیرہ پھر سے متعارف ہوئی شروع ہو گئیں۔

مشرقی کیسایگری:

قدیم چین میں کیسایگری کو مکمل حاصل ہوا تھا اور ۲۲۰ عیسوی تک یہ علم سینہ بہ سینہ چل رہا تھا۔ پھر کوحنگ (Ko-Hung) کے کلاسیکی کیسایگری متن کو (Melpien) کے نام سے تحریر کیا۔ چین کے رہنے والے اس جنٹو میں تھے کہ ان کی زندگی کو دوام حاصل ہو جائے، مگر اس سے ان کی مراد ارضی زندگی نہیں تھی، وہ چاہتے تھے کہ بچا ان کو حاصل ہو، وہ ان کے اشتراک میں ہو، جو جاوداں ہو چکے ہیں اور ان کے قبضے میں مانوی الفطرت قوتیں بھی ہوں۔ چنانچہ قدیم چینی کیسایگری ایسے اکسیر تیار کرتی رہی، جس میں عناصر کے مختلف اختراجات (Combinations) ہوتے تھے، اور پھر ان کو بار بار مختلف آلات میں گرم کرنا چاہتا تھا۔

اس کی مطابقت ٹائو کے مراتب (Taoist Mediation) کے اس عمل سے تھی جس کے ذریعے چینی (Chi) جو کہ ہمہ گیر حیاتیاتی قوت ہے، تخلیق ہوتی ہے اور پھر جس کے اندر اس کو خالص ہونے کے عمل میں سے گزرنا ہوتا ہے۔ چینی اس وقت تخلیق ہوتی ہے جب طوداک کے غذائیت سے بھرپور عناصر غدودوں کے اخراج (Secretion) اور جسمانی اعضاء کے ساتھ اخراج میں آتے ہیں۔ اس کے باعث خون اور جنسی توانائی پیدا ہوتی ہے۔ (چنگ Ching) حرارت سانس کی صودت میں اس جنسی توانائی کو چینی کی شکل دے دیتی ہے، جو ریڑھ کی ہڈی سے اوپر اور نیچے بہنے ہوئے راستوں پر سفر کرتی ہے، اور سر کے بلائی حصے سے شکم (Abdomen) تک جاتی ہے اور اس کی مماثلت یوگا کی کنڈلینی (Kundalini) توانائی سے ہے۔ چینی اسے بارے پر واقعہ بارہ مراکز میں سے گزرتی ہے اور جب یہ عمل کافی دور تک وقوع پذیر ہو چکا ہے تو چینی لطیف (Refined) ہو جاتی ہے اور پھر وہ دماغ کے بلائی حصے تک انتہائی مرککز (Concentrated) حالت میں پہنچتی ہے، جہاں اسے مدد کے کار لایا جاسکتا ہے یا پھر شکم کی طرف واپس لوٹایا جاسکتا ہے، چینی کو آئندہ استعمال کے لئے محفوظ بھی رکھا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں کیسایگری کی جڑیں ۱۰۰۰ قبل مسیح تک کیلی ہوتی ہیں، اور انہوں نے آیرویدک (Ayurvedec) (حکمت حیات) طب کی نشوونما میں حصہ لیا ہے، اور وہاں پر اس کا کردار آج تک موجود ہے، ہندوستان کی کیسایگری موانہ (Shiva) اور پارواٹی (Parvati) اصولوں پر مبنی ہے اور ان کا نتیجہ دیوان (Jivan) ہے، جو حکمت والی مخلوق ہے۔

ہندو اور چینی دونوں روایات میں انسان تانترک یوگا (Tantric Yoga) کے ذریعے دوام حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ یا تو جنسی اختلاط (Coltus) ہی سے گریز کیا جائے یا پھر انزال نہ ہونے دیا جائے کیونکہ اسی سے قوت حیات میں شدت آتی ہے یہی پورانا (Porana) یا چن ہے۔

ژونگ اور کیمیاگری:

کارل گسٹو ژونگ کو کیمیاگری میں اس لئے دلچسپی پیدا ہوئی کہ وہ عرفانیت میں زیادہ ڈوبا ہوا تھا۔ وہ ۱۹۱۲ء سے عرفان اور اجتماعی لاشعور کے اعمال میں رشتہ تلاش کر رہا تھا اور یہ بھی کہ اس مقصد سے کیا جا رہا تھا کہ سو فیالی حکمت کے لئے کسی طرح جدید ثقافت میں جگہ بنائی جائے، یہ تعلق اس کو کیمیاگری میں نظر آیا، جب اس نے کیمیاگری کو فردیت سے مماثل پایا، اور یوں اس نے انسانی شخصیت کو ایک کل (Whole) کی شکل دینے کی کوشش کی۔

فرانیڈ کی طرح ژونگ نے بھی اپنی زندگی میں کچھ اہم خواب دیکھے، ۱۹۲۶ء میں اس نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ سترھویں صدی کا ایک کیمیاگر ہے اور کیمیاگری کے حلقے میں کوئی نہایت ہی اہم خدمت انجام دے رہا ہے۔ یہ عظیم خواب بالکل سچا ثابت ہوا، کیونکہ ژونگ نے اسے اپنے زندگی بھر کے کام میں ایک مرکزی حیثیت عطا کر دی، پھر اسے بہت سادہ و شوق دوسرے ایسے ہی خوابوں سے بھی حاصل ہوا، اس نے کیمیاگری کے بارے میں بہت سی کتابیں اکٹھی کر لیں اور پھر اس کام میں پوری طرح منہمک ہو گیا۔

اس کی اس تحقیق پر سب سے زیادہ اثر اندازی ”اسرار گل زریں“ (The Secrets of Golden Flower) کی ہوئی، جو چین کی ایک صوفیانہ کتاب ہے اور اس کا تعلق کیمیاگری سے بھی ہے۔ یہ کتاب ژونگ کے ایک دوست رچرڈ ولسم (Richard Wilhelm) نے دریافت کی تھی اور اسی نے یہ کتاب ژونگ کو دی تھی یہ کتاب عرفان اور لاشعور کی نفسیات کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتی ہے، جب ژونگ نے اس کتاب کا موازنہ لاطینی زبان کے کیمیاگری کے متن سے کیا تو اس پر یہ کھلا کہ مشرق اور

مغرب دونوں کے کیمیاگری کے نظام کا تعلق لازمی طور پر روح کی کلیا پلٹ کے ساتھ ہے۔
 ڈونگ کو یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوئی کہ بہت سے مریض جن میں مرد اور
 عورتیں شامل تھیں وہ اور یورپی یا امریکی پس منظر رکھتے تھے، انہوں نے ایک طرح کے خواب
 دیکھے تھے۔ ان کے فنتہیسا میں رمزیت ایک جیسی تھی اور ان میں ظاہر ہونے والے اساطیر ہیروں
 کی کہانیاں، عرفانیت کے تصورات اور کیمیاگری کے رویے، ایک جیسے تھے اس بھیرت کی
 روشنی میں ڈونگ نے اجتماعی لاشعور کے بارے میں اپنے خیالات کو تشکیل دیا، وہ قدیم تائیل کا
 ذخیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ کردار کا ایک ایسا رویہ بھی تھا جو ساری انسانیت میں مشترک تھا۔

ڈونگ نے پہلی بار کیمیاگری کا ذکر اپنے اس خطب میں کیا جو خواب کے اندر
 کیمیاگری کی رمزیت سے متعلق تھا اور اس کا عنوان تھا
 سوئیزر لینڈ میں جھیل میگار کے کنارے ولامیرانوس (Villa Eranos) میں دیا گیا تھا۔ پھر ایک
 برس کے بعد اسی مقام پر ڈونگ نے جو لیکچر دیا تھا اس کا موضوع تھا "کیمیاگری میں شفاقت کا

تصور" (The Idea Of Redemption In Alchemy) اس موضوع پر اس کی پہلی
 کتاب نفسیات اور کیمیاگری (1944) تھی، پھر اس کے بعد آیلون (Alon) کیمیاگری کے
 مطالعات اور Mysteriom Conlunctions بھی اسی موضوع سے متعلق ہیں۔ پھر ان
 کے بعد ڈونگ نے جو کچھ بھی لکھا اس میں کیمیاگری کے اثرات کی کارفرمائی نظر آتی رہی۔

ڈونگ نے کیمیاگری کے اندر شفاقت کے روحانی اعمال دیکھے، جن کا تعلق
 Lumen Del کے اتحاد اور کلیا پلٹ سے تھا۔ یہ خدا کے اعلیٰ وجود کی روشنی ہے اور اس کے
 ساتھ ہی ساتھ نور قدرت (Lumen Natural) ہے۔ کیمیاگروں کے تجرباتی عمل کا تعلق
 زندگی اور موت سے ہے، وہ اپنے مادے (Substance) کو مارتے بھی ہیں اور زندہ بھی
 کرتے ہیں۔ خود کیمیاگر بھی اسی عمل کا ایک حصہ ہیں اور وہ اپنے شعور کی کلیا پلٹ کر دیتے ہیں
 اور نئی سطح سے اعلیٰ حالت میں پلے جاتے ہیں اور اس کے لئے موت اور دوبارہ زندگی کی
 علامات کا اطلاق ہوتا ہے۔

ڈونگ کے مطابق ابتدائی عیسائی کیمیاگروں نے پارس پتھر کو مسیح کی علامت کے طور پر
 استعمال کیا تھا۔ لہذا وہ اعلیٰ ترین صوفیانہ معانی تھے۔ کیمیاگری محبت کے شعور کی کلیا پلٹ کا نام

قہ اور اس کی شکل نرم دل شخصیت تھی جو مواد اور نسلی تضادات (جسڈیت Physicallity) اور روحانیت کا استخراج تھے جو ایک کل کے اندر جمع ہو گئے تھے۔

کیمیائگری میں ڈونگ کی دلچسپی سونا بنانے کی نہیں تھی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کیمیائگری کے دو رخ تھے۔ ایک تو اس کا ظاہری رخ تھا اور ایک باطنی۔ جہاں تک ظاہری رخ کا تعلق ہے اس کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کچھ ایسے لوگ ضرور موجود تھے اور وہ شاید اب بھی ہیں، جو کٹر دھلت سے سونا بنانا چاہتے ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگ ایسا کرنے میں کامیاب بھی ہوئے ہیں، مگر اس کا کوئی حتمی ثبوت موجود نہیں ہے۔ سائنسی تجربوں کے طرح یہ ایسے تجربے نہیں ہیں، جو سو فیصد ایک ہی نتیجہ برآمد کرتے ہوں۔ ویسے سائنسی تجربات بھی پیش ہی کامیاب نہیں ہوتے۔ اس پر ایک طویل بحث آرتھ کوسلر کی کتاب Roots Of Coincidence میں موجود ہے۔ جس میں کوسلر نے یہ ثابت کیا ہے کہ ٹیلی وژن کی تجربات سائنس کے عمومی تجربات سے کہیں زیادہ کامیاب رہے ہیں۔ مگر ان کے بارے میں شکوک و شبہات کا اہتمام بار بار کیا جاتا ہے۔ کیمیائگری میں جو تجربات ہوتے رہے، ان کے باعث ہدیہ یکسٹری کا آغاز ہوا تھا۔ جو کچھ قرون وسطیٰ میں دریافت کیا جاپکا قہ اس کو پھر سے ہدیہ دور نے دریافت کیا یا اپنا یا مگر اس بات کا اعتراف کرنے کی توفیق نہ ہوئی کہ اس سلسلے میں بہت سا کارآمد کام قرون وسطیٰ میں ہو چکا ہے۔ اس کی تفصیل Dawn Of Magic کے اندر موجود ہے اور یہ موقع تفصیل میں جانے کا بھی نہیں ہے۔

کیمیائگری کا دوسرا رخ انسانی نفسیات سے متعلق تھا اور یہ اس کی باطنی صورت تھی، ڈونگ کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ اور بھی ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ کیمیائگری کا اصل مقصد کیمیائگری باہریت قلب کو تبدیل کرنا قہ مقصد یہ تھا کہ کیمیائگری کی شخصیت بہتر سطح کا حصول کرے۔ یہ ایک ایسا عمل تھا جس میں کیمیائگری کی شخصیت زیادہ جامع اور زیادہ مرتب ہو جاتی تھی اور اس کے اندر موجود عناصر ایک ایسی ترتیب میں آ جاتے تھے جو انسانی شخصیت کے لئے مثالی ترتیب ہے۔ ”اسرار کلی ذریں“ چینی حکمت کی کتاب تھی، جس نے ڈونگ پر انسانی شخصیت کو جاننے کے کئی دروا کئے تھے۔ ایسے ہی تصورات ہندوستان کے اندر بھی موجود تھے۔ جو ہندوستان کے کئی فلسفوں اور مذہبی اعتقادات میں بکھرے ہوئے تھے، مگر ان سب کا مقصد بہتر انسانی شخصیت کا حصول تھا۔ ان میں سے ایک تصور منڈل (Mandala) کا بھی تھا۔ ڈونگ کی نفسیات میں اسے

مرکزی حیثیت اس لحاظ سے حاصل ہے کہ شخصیت کی نشوونما کی آخری منزل کے طور پر اسے بہت اہمیت دی گئی ہے اور ڈونگ نے اپنی آخری عمر میں اپنے مشہور گہر میں جو علامات لگائی تھیں ان میں سے اکثر اشارے منزل ہی کی طرف تھے۔

(ج) منڈل (MANDALA):

ایک ڈیزائن جو عام طور پر دائرے کی شکل میں ہوتا ہے اور اس کا تعلق مذہب اور آرٹ دونوں سے ہے، یہ ایک سنسکرت اصطلاح ہے، جس کے لفظی معانی دائرے کے چار ہندومت اور بدھ مت دونوں میں ایک رسمِ ریتی (Ritual) مقصد اور عقیدہ (Service) ہے جو تنٹرا (Tantra) ایک ہندو فنکار (Geometric Design) یا سورج بچا کر کے کا ایک آلہ ہے۔ منڈل کا تعلق جیسا کہ سے بھی ہے۔ عرفانیات سے بھی اور دوسرے مذاہب سے بھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کا رشتہ اساطیر، کیمیاگری، شفاکاری کے فنون، آرٹ اور عمارت سازی کے فن سے ہے۔ جدید نفسی طریق علاج (Psychotherapy) میں یہ ایک وسیلے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اپنی بنیادی نوعیت میں منڈل ایک ایسا نقطہ ہے، جہاں پر جہانِ کبیر (Macrocosm) اور جہانِ صغیر (Microcosm) علامتی طور پر ملتے ہیں۔ یہ ایک ایسے صوفیانہ سفر کی بھی علامت ہے، جو مختلف سطحوں سے ہوتا ہوا شعور کے مرکز تک جاتا ہے، اور وہی اعلیٰ ترین اور حتمی اوقاف ہے جو ذاتِ خداوندی میں کیا جاتا ہے۔

منڈل تصویر کشی کی جاتی ہے۔ اسے نقش کے طور پر بنایا جاتا ہے۔ اسے سرِ اجلادی (Three Dimensional) شکل میں بھی بنایا جاسکتا ہے اور اسے رقص میں بھی ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ ایسے ایچوز (Images) پر بھی مشتمل ہو سکتا ہے، جو محض ذہن کے اندر بنائے گئے ہوں، ایسا عام طور پر تبت کے لاسے (Lamas) کرتے ہیں۔ منڈل جب دائرے کی صورت میں بنایا جاتا ہے، تو وہ قدرتی اور حتمی (Ultimate) کلیت (Wholeness) کو ظاہر کرتا ہے، اور اس کی علامات کا تعلق قدیم جمہری (Paleolithic) عہد سے ہے اور ان کو خصوصی طور پر کراتی (Spherical) یا سورج چکر کی شکل میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ زین (Zen) مسلک میں

دائرہ روشن ضمیری کی علامت ہے۔

منزل کی ساخت میں تین بنیادی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ (۱) ایک مرکز، جو ذات خداوندی ہے، آغاز ہے یا پھر دہائی زمانہ حال ہے، محرک نفسی معاملے میں یہ سلف (Self) ہے جو میزان نفس (Total Psyche) (۲) تشاکل (Symmetry) اور عظیم (Cardinal) نکلت ہیں۔ تمام منزلوں میں مرکز کا ہونا لازمی ہے۔ جبکہ تشاکل اور عظیم نکلت۔ مقصد اور ڈیزائن کے حساب سے بدلتے رہتے ہیں۔ تشاکل مشتمل ہوتا ہے اور نکازی (Concentric) اور عملی طور پر متوازن ہندی اشکال پر۔ مخلوق کا بیان اکثر جنسی نکتہ کے حوالے سے اظہار پاتا ہے۔ منزل کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے مخلوق کو ہم آہنگ کرے اور یوں بے نقصی میں ایک نظم پیدا ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ دائرہ چار نکلت پر منحصر ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ ظاہر کرنے کے لئے ایک مربع (Square) بنایا جاتا ہے اور پھر اس کے اندر ایک دائرہ کھینچ دیا جاتا ہے یا پھر یہ کام جیومیٹریکل ڈیزائن سے لیا جاتا ہے، جس میں ٹھون کے اندر دخل اندازی کی جاتی ہے اور دائرے کے اندر دوسرے ڈیزائن بنائے جاتے ہیں۔ اس طرح کی اشکال نگاری کا تعلق ہندو اور بدھ اساطیر سے ہے۔ ہندو مت کے دیوتا برہما تخلیق کا آغاز کرنے سے پہلے ایک ایسے کنول کے پھول (Lotus) پر کھڑا ہوا تھا جس کی ہزار پتیاں تھیں اور ان کا رخ چاروں اطراف کی طرف تھا اسی طرح مہاتما بدھ جب پیدا ہوئے تھے، تو انہوں نے ایک ایسے کنول پر قدم رکھے تھے، جس پر آٹھ شعاعیں پڑ رہی تھیں اور ان کا رخ چاروں اطراف کی طرف تھا۔ اس میں سے آٹھ تو کنول کی شعاعیں تھیں اور ان کے علاوہ اونچائی اور پستی تھی، ڈھنگ کی نفسیات میں منزل کے عظیم بنیادی نکلت کا تعلق فکر، احساس، وجدان اور قہس کے ساتھ ہے، جس کی ضرورت انسانوں کو نفسیاتی مطابقت پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے۔

عملی طور پر جو بھی شے دائرے اور گرد موجود ہے، جیسے سورج، چاند، زمین، کلاک، سمت بتانے والا منظمی آلہ، اس منزل (Zodiac) گنبد دار گول عمارت (Rotunda) ایک ہالہ (Halo) ایک پھول، ایک چیتان، ایک بھول بھلیاں یا کسی گرجے کی گلابی کھڑکی سب منزل میں شامل ہے۔ بلاتلہ آر تھر (Arthur) کی گول میز بھی منزل ہے۔ جس کی تحفیل مقدس جام نک (Grail) ہے جو ایک اساطیری وژن ہے، اور وہ مرکز میں اس وقت ابھر گیا تھا

جب بادشاہ اور اس کے درباری موجود ہی نہیں تھے۔ مٹن یا بخت خلقی اشکال بھی منزل ہی ہیں اس میں بیت المقدس کا سنہرہ گنبد بھی آتا ہے۔ مریے اور نکلنیں بھی منزل ہی کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مریے کے اندر دائرہ اور دائرے کے اندر مربع بنایا جاسکتا ہے۔ دائرہ کی شکل کے منزل میں اکثر نکلنوں کا ظہور ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ جامع منزل رکی طور پر تبت میں ظاہر ہوئے تھے اور خیال یہ ہے کہ ان منزلوں کو حصارف کروانے والے آٹھویں صدی کے مشترک گورو پدما سمبھوا (Padma Sambhava) تھے، جس کے بہت گہرے اثرات تبت کی بدھ مت پر مرتب ہوئے تھے۔ تبتی منزل خاصے بھرپور ہیں، تفصیلی ہیں اور تصورات سے معمور ہیں اور ان کی ذرا ذرا سی تفصیل بھی علامتی پری سیژن (Precision) کی حامل ہے، یہ ذرا ان کی ایک بنیادی ساخت پر مشتمل ہیں جو چار دائروں پر مشتمل ہے، وہ ایک خاص عظیم نقطے پر یکجا ہو گئے ہیں ایک پانچویں دائرے کے گرد مرکزی دائرہ ہے۔

منزل اصل میں ایک علامت ہے، جس کی شکل بھی ہے اور معانی بھی ہیں مگر جو کچھ وہ ظاہر کرتا ہے، اس کی کوئی شکل نہیں ہے، وہ اس شے کا اظہار و ابلاغ ہے، جو قلبی بیان نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا شعور ہے جو تصوراتی فکر سے کہیں زیادہ گہرا ہے، وہ ذہن کو ایک عام سطح پر اس شعور کے لئے تیار کرتا ہے، جس کا اور ایک مواضع کی انتہائی گہری سطحوں میں ہوتا ہے۔ منزل کے اندر بے شمار دیوتا قیام پذیر ہیں۔ جو ڈونگ کے تشکیل کردہ آرکی ٹائپ سے بے حد مماثلت رکھتے ہیں اور ان کی اہمیت بھی آرکی ٹائپ سے کسی طرح کم نہیں ہے اور پھر ایسے وجود بھی اس کے اندر موجود ہیں، جن سے سبقت اس وقت چڑتا ہے، جب ہم کسی ایسے باطنی صوفیانہ سفر روانہ ہوں، جو وائسیت (Hallucinogenic) سے بھی معمور ہو۔ اس سطح میں مثلاً وہ وائسیت آجاتی ہیں جن کا آغاز بعض دوائیوں کے استعمال کے بعد ہوتا ہے۔ یہ دیوتا سب کے سب ایک ہی وقت میں موجود ہوتے ہیں، کسی بھی ایسے شخص کے بدن اور روح کے اندر جو اس سفر روانہ ہوتا ہے اور ان کا تعلق ان تمام قوتوں سے ہوتا ہے، جو ذہنی طور پر تخلیق کردہ کائنات میں موجود ہوتی ہیں اور بسا اوقات یہ بھی ہو جاتا ہے کہ یہ قوتیں ذہن سے باہر نکل کر بھی زندگی میں اپنا وجود دکھائی دیتی ہیں۔

مغرب کی منزل میں دلچسپی جو اب خاص وسیع ہو رہی ہے۔ ڈونگ ہی کی وجہ سے

آغاز ہوئی ہے۔ ڈوگ نے انگلی اور قزونی وسطی کے بیسلی آرٹ کے حوالے سے اسے دریافت کیا تھا اور اس کا خصوصی حوالہ حضرت یسعی کی وہ شبیہ تھی، جو مرکز میں تھی اور چار ہمشا (Evangelist) مرکزی اہم نقطے کے ارد گرد موجود ہیں۔ (مغرب میں یسعی کی اس طرح کی نمائندگی کے بارے میں قدیم زمانے سے یہ تاثر موجود ہے کہ اس کا تعلق مصری کردار ہورس (Horus) اور اس کے چار بیٹوں کی تصویر کے ساتھ ہے۔) ڈوگ نے خود بھی مشرقی منڈل کا مطالعہ لوق و شوق سے کیا تھا اور اس نے اس کے اندر مربوط نفسیاتی معاملے کی خوبیاں دیکھی تھیں اور پھر انہیں اپنے طریق علاج میں استعمال بھی کیا تھا جب کوئی مریض منڈل کی ڈرائنگ بنانی شروع کر دیتا تو اس سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اب وہ اپنی باطنی بد نظمی کو ترتیب میں بدل رہا ہے۔

منڈل کا تعلق نواجو (Navajo) کی روٹلی تصاویر سے بھی ہے۔ یہ وہ نقش ہیں جو زمین پر صحت یابی کے لئے بنائے جاتے ہیں اور ان میں مریض کو درمیان میں بیٹھایا جاتا ہے۔ منڈل بنیادی طور پر تنجیلی ذات کا عمل ہے، تنجیل کے عمل کو ظاہر کرنے کے لئے دائرہ بنایا جاتا ہے۔ اس کی ایک علامت انگوٹھی بھی ہے۔ خاص طور پر وہ انگوٹھی جس میں ایک سانپ اپنی ہی دم کو منہ میں لئے ہوئے ہے، یا پھر صخرے، جو بیک وقت تنجیل اور محدودیت دونوں کی علامت ہے، مکمل ہو جاتا بھی محدود ہو جاتا ہے۔ جس طرح انسانی زندگی اپنی تنجیل کو پہنچ جاتی ہے۔ نفسی سطح پر جس قدر اہمیت زندگی کو حاصل ہے۔ ویسی ہی اہمیت موت کو بھی حاصل ہے۔ زندگی ہمیشہ موت کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے مگر موت ایک بار وارد ہو جائے تو وہ دوام ہے، اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ ازل اور ابد کے دونوں طرف محدودیت کی حکمرانی ہے۔

نفسیاتی سطح پر موت کے بے شمار معانی ہیں، اس کی ایک پوری لغت بنائی جاسکتی ہے۔ ایک بار فرانیڈ نے اپنے شاگرد سٹیکل (Stekel) سے کہا تھا تسماری دریافت کردہ علامات موت کی اہمیت (اس وقت کی) تمام نفسیاتی دریافتوں سے زیادہ ہے، پھر خود فرانیڈ نے موت کی جبلت کو دریافت کیا تھا اور اس کے معانی کو بیان کرنے کے لئے کئی کتابیں لکھی تھیں اور اس جبلت کو فرانیڈ نے اتنی ہی اہمیت دی تھی جتنی کہ وہ جبلت حیات کو دیتا تھا۔

پھر اس نے یہ بھی کہا تھا کہ بچوں اور بیویں میں موت کے معانی ایک ہی طرح کے

نہیں ہوتے، بچے تو صرف اس چیز کو موت سمجھتے ہیں جو ان کی نظروں سے غائب ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ موت کا شعور صرف انسان ہی کو ہو، باقی جاندار اس کے پارے میں کوئی تصور ہی نہ رکھتے ہوں، لہذا موت اہلے شعور اور خود شعوری (Self Conclousness) دونوں کا حصہ ہے۔ ہم موت سے خوفزدہ بھی ہیں اور موت کی شدید خواہش بھی اہلے دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو پارہ پارہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی موت کو یاد رکھیں۔ موت کا شعور دنیا کی بہت سی خواہشوں اور آلائشوں سے انسان کو بے نیاز کر دیتا ہے اور زندگی کے معانی بالکل بدل کر رکھ دیتا ہے۔ سادہ تر نے کہیں کہا تھا کہ فنکار صحیح معنوں میں فنکار بننا ہی اس وقت ہے جب وہ موت کو بہت قریب سے دیکھ لیتا ہے۔

مخفی علوم میں بھی موت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، بلکہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں زندگی اور موت ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ موت کا مطلب محدودیت نہیں رہتا بلکہ ایک اور سطح کی زندگی ہو جاتا ہے، جو شرور و خبر دونوں کی حامل ہو سکتی ہے۔ میں اس سطح میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ ڈوئنگ کے حوالے سے میں صرف این ڈی ای (Near Death Experience) کو کسی حد تک بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اردو میں اسے "قرب موت واردات" کہا جاسکتا ہے۔ جو لوگ شعور کی اعلیٰ سطحوں میں ہوتے ہیں، ان کے لئے قرب موت کی واردات ایک طرح کی روشنی بن جاتی ہے۔ نور کا ایک ایسا ہالہ ان کے گرد قہر ہو جاتا ہے، جسے بعض اوقات دوسرے بھی محسوس کر سکتے ہیں۔

(د) قرب موت کی واردات

(NEAR DEATH EXPERIENCE) :

یہ اصطلاح ۱۹۷۰ء میں ایک امریکن مطالعہ ڈاکٹر ریمونڈ موڈی (Ramond Moody) نے اس کے مشہور مقالہ ملاحظہ کو بیان کرنے کے لئے وضع کی تھی۔ یہ ایسے لوگوں کی واردات تھی، جو گناہگار مر گئے ہیں، مگر بعد میں زندگی کی طرف لوٹ آئے تھے۔ ۱۹۷۵ء تک جب ڈاکٹر موڈی کی کتاب شائع ہوئی تھی بہت کم لوگ ایسے تھے جو قرب

موت کی واردات کے بارے میں بات کرتے تھے۔ اس شہرہ آفاق کتاب کا نام ”زندگی بعد از زندگی“ (Life After Life) ہے پھر ۱۹۸۲ء میں جب ایسے لوگوں کا اندازہ کرنے کی کوشش کی گئی، تو اس واردات میں سے گزرے ہوں اور انہوں نے موت کو انتہائی قریب سے دیکھا ہو تو ان ہاتھوں کی تعداد ۸۰ لاکھ تھی، اور ان سب کو یہ دعویٰ تھا کہ وہ اس واردات میں سے گزر چکے ہیں۔ یہ لوگ صرف امریکہ کے اندر موجود تھے۔

ڈاکٹر میڈی نے بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ جو این۔ڈی۔ای۔ حقیق میں باقاعدہ کام کر رہے تھے، خصوصاً کینتھ رینگ (Kenneth Ring) جو ماہر نفسیات تھا اور قریب موت کی بین الاقوامی انجمن کا رکن تھا اور اس کا تعلق کنکٹی کٹ (Connecticut) یونیورسٹی سے تھا یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ لوگ جو قرب موت کے تجربے سے گزرتے ہیں، ان میں مشترک نکات کیا ہوتے ہیں، حالانکہ وہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ ہر شخص کا اس طرح کا تجربہ اس کا اپنا ذاتی تجربہ ہوتا ہے۔ این۔ڈی۔ای۔ والے لوگ مندرجہ ذیل منازل میں سے ایک یا ایک سے زیادہ منازل میں سے گزرتے تھے، ترتیب کے لحاظ سے یہ واردات کچھ ان مراحل پر مشتمل ہے۔

یہ محسوس کرنا کہ موت طاری ہو رہی ہے۔ جسم سے باہر نکل آنے کا تجربہ، اس میں وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ جسم سے باہر آگئے ہیں اور اپنے مرنے والے جسم کو دیکھ رہے ہیں، یہ دیکھتے وقت وہ خود کو ہوا میں تیرتا ہوا محسوس کرتے تھے اور جسم ان کو پیچھے چھوڑا ہوا نظر آتا تھا، وہ محسوس کرتے تھے کہ ان کی تکلیف اور درد بالکل غائب ہو گیا ہے اور وہ ایک سرخوشی کی حالت میں ہیں یا وہ ہر طرف امن اور سکون محسوس کرتے تھے۔

وہ محسوس کرتے تھے کہ وہ ایک تاریک سرنگ کے اندر سفر کر رہے ہیں، جس کے آخر میں روشنی ہے، وہ ایسے لوگوں سے ملتے تھے جن کے جسم روشن تھے اور وہ مادی صورت میں نہیں تھے۔ ان میں سے بہت سے رفتار جانے پہچانے عزیز اور دوست تھے۔

ان کا رابطہ کسی اعلیٰ ترین مخلوق سے ہوتا تھا جو ان کی رہنمائی کرتی تھی اور ان کی پوری زندگی ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتی تھی، یہ کرتے ہوئے ان کی مادی زندگی اپنے اصل روپ میں ان کے سامنے آ جاتی تھی، مگر گزرے ہوئے ان واقعات کے بارے میں کوئی حقیقی تبصرہ نہ کیا جاتا تھا اور نہ ہی کوئی فیصلہ سنایا جاتا تھا۔ پھر مرنے والے کے ساتھ زندگی کی

طرف واپس ہو جاتی تھی۔

اگرچہ ان گنت لوگوں نے یہ دعوے کیا ہے کہ وہ ان تجربات میں سے گزرے ہیں مگر اس سارے معاملے کو سائنسی بنیادوں پر ثابت نہیں کیا جاسکا۔ جو کچھ بھی مواد موجود ہے اسے قہے کہیں ہی سمجھا جاتا ہے۔

ایک تفلیکی عقیدہ یہ ہے کہ قرب موت کی واردات محض ایک خواب ہے۔ یا کوئی قریب نظر ہے، جو آکسیجن کی کمی کے باعث غمور میں آتا ہے یا پھر انسانی جسم کے اپنے ہی اینڈورفین (Endorphin) تکلیف کم کرنے والے اس کا سبب ہیں یا پھر اس کی وجہ جسم کے اندر کاربن ڈائی آکسائیڈ (Carbon Dioxide) کا زیادہ ہو جانا ہے۔ رونالڈ کے سیگل (Ronald K. Siegel) جو یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کے لاس اینجلس سکول آف میڈیسن کے ایک محقق ہیں۔ اپنی معائنہ گاہ کے اندر ایل ایس ڈی (L.S.D) اور دوسری ادویات کی مدد سے یہی اثرات بروئے کار لانے میں کامیاب ہوئے، جنہیں قرب موت کے تجربے سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر این ڈی۔ ای کے محققین اس شہادت کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ جو اثرات ادویات سے پیدا ہوتے ہیں، ان کا کوئی حلقہ واسطہ قرب موت کی واردات سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ تجربات اس کے متوازی قرار دیئے جاسکتے ہیں اور اس کے لئے وہ جو دلیل دیتے ہیں، وہ خاصی دلچسپ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ رپورٹ ان حقائق کو نظر انداز کرتی ہے کہ وہ مریض جن کو جسم سے باہر نکلنے کا تجربہ ہوتا ہے، وہ ہسپتال کے دوسرے حصوں میں ہونے والے واقعات کو نہ صرف دیکھتے ہیں، بلکہ وہ باتیں بھی سنتے ہیں، جو انہوں نے اس دوران سنی ہوتی ہیں۔ ایک ایسی دستاویز میں جس میں یہ زیر بحث لایا گیا تھا کہ آکسیجن کی کمی کے باعث این ڈی۔ ای وژن پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ ایک طبی معالج مائیکل سابوم (Michael Sabom) یہ کہتا ہے کہ اس کے ایک مریض نے جو اپنے جسم سے باہر نکل آیا تھا اپنے معالج کو ایک خون کا ٹیسٹ کرتے ہوئے دیکھا اور پھر یہ بتایا اس میں ہائی آکسیجن اور لو (Low) کاربن ڈائی آکسائیڈ تھی۔

تقریباً تمام ہی قرب موت کی وارداتوں کو مثبت تجربہ قرار دیا جاتا ہے۔ تین فیصد سے بھی کم ایسی واردات ہوتی ہیں، جن کو حقیقی یا ناخوشگوار کہا جاتا ہے، قرب موت کی یہ واردات، محض مذہبی یا باخلاق لوگوں تک محدود نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جو لوگ ایک

ہار این-ڈی-ای میں سے گزر جاتے ہیں، وہ روحانی ہو جاتے ہیں اور خدا کے وجود میں ان کا یقین پختہ ہو جاتا ہے یا پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ زیادہ تر یہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ان کے دل سے موت کا خوف جاتا رہا اور انہوں نے موت کے بعد کی زندگی میں یقین رکھنا شروع کر دیا۔ تقریباً سبھی لوگ جو اس واردات میں سے گزرتے ہیں، وہ ایک نئی اور زیادہ مقصد زندگی کو دریافت کرتے ہیں اور انہیں وہ معافی میسر آ جاتے ہیں جس کی کمی کو وہ محسوس کر رہے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ، قرب موت کی واردات، فرد کے اندر زیادہ مضبوط وجدان (Intuition) اور سانی ٹلک (Psychic) صلاحیتوں کا سبب بنتی ہیں، اس میں پہلے سے حالات کو جان لینا (Precognition) طیب بینی (Calatrvoynance) اور ٹیلی ڈیٹنسی وغیرہ کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔

قرب موت کا تجربہ اتنا شاندار تجربہ ہے کہ اس سے گزرنے کے بعد مدتوں تک انسان اس سے صحیح معنوں میں مطابقت پیدا کرنے کی جگہ دو کرنا رہتا ہے۔ ایک خاتون ایم۔ ایچ۔ ایٹ واٹر (M.H. At Water) نے قرب موت کے تجربات پر تحقیق کر کے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام، 'زندگی کی طرف لوٹا ہے' (Coming Back To Life) (۱۹۸۸ء) اس کتاب میں وہ کہتی ہے کہ ان واردات میں سے گزرنے والے عام طور پر واپس آنے کے بارے میں حتمی رویہ رکھتے ہیں جس میں تھوڑا سا غصہ بھی شامل ہوتا ہے، وہ ناراض ہوتے ہیں کہ ان کو پھر سے زندگی میں کیوں الجھا دیا گیا۔ ان کو مرنے پر غموس نہیں ہوتا یہ دیکھ ہوتا ہے کہ وہ جسم میں واپس کیوں آ گئے، وہ چپ ہو جاتے ہیں اور اس واردات کے بارے میں کچھ بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں یا پھر اس بیان سے خوفزدہ ہوتے ہیں اور وہ باجس ہوتے ہیں کہ انہیں پھر سے زندگی کے جھیلوں میں الجھا دیا گیا۔

اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ جو لوگ اس حادثے سے جا بھر ہوئے، انہوں نے یہ رد عمل پیش کئے کہ وہ اس پر شکوہ تجربے کے سلسلے میں وجد کی حالت میں ہیں اور انہیں اس بات پر حیرت بھی ہے کہ وہ کس عظیم تجربے سے گزرے ہیں، وہ اس کے لئے شکر گزار بھی ہیں، مگر ان کے پاس اس تجربے کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ وہ اس بات کی تبلیغ کی خواہش بھی رکھتے ہیں کہ دوسروں سے یہ کہیں کہ موت کوئی ایسی شے نہیں ہے، جس سے خوفزدہ ہوا جائے، اور وہ اپنے اس عظیم تجربے کے مقابلے میں خود کو بہت ہی کمتر محسوس کرتے ہیں۔

رنگ (Ring) اور اس کے ساتھیوں کی تحقیق کے مطابق بعض لوگوں میں این-ڈی-ای کے تجربات کی طرف رغب ہونے کا قدرتی رجحان پایا جاتا ہے اور ان میں بعض نفسیاتی عناصر دوسرے لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان عناصر میں بچپن کی لفظ دوی، نظرائے از کرنے کا رجحان اور غیر متعلق تجربات کی فراوانی وغیرہ شامل ہیں، ایسے لوگوں کے لئے یہ ضروری بھی نہیں ہو گا کہ وہ 'مقرب موت' کے تجربے میں سے ضرور گزریں لیکن اگر ایسا ہو جائے تو پھر ان کے تجربات دوسروں سے کہیں زیادہ گہرے اور وسیع ہوتے ہیں۔

رنگ اور فلسفی مائیکل گروسو (Michael Grosso) اور کچھ دوسرے یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ این-ڈی-ای ایک خاص طرح کی آگاہی ہے یا یہ اعلیٰ تر شعور کی طرف ایک جلد ہے اور یہ پورے کرے کی نفسیات کو تبدیل کر سکتا ہے، اگر زیادہ لوگ اس شعور کے حامل ہو چکے ہوں۔ اس کے بعد رنگ نے یہ بھی خیال ظاہر کیا ہے کہ اس آگاہی کو حاصل کرنے کے لئے انسان کے لئے موت کے قریب پہنچ جانا ضروری نہیں ہے۔ کم از کم واردات کو ہمہم کرنے کے لئے 'مقرب کی موت' واردات، ضروری نہیں ہے۔

دینیات (Theology) کی سطح پر اس کا ایک رخ کیرول زالوسکی (Carol Zaloski) نے ایک خطاب میں ظاہر کیا، جو اس نے ۱۹۸۷ء میں ہارورڈ یونیورسٹی میں دیا تھا اور اس کا عنوان تھا Other World Journeys اس خطاب میں اس نے دوسرے جہاں کے بارے میں وٹوز اور کہانیوں کا موازنہ کیا تھا اور یہ سلسلہ قرونِ وسطیٰ سے لے کر اب تک عیسائی ادب پر محیط تھا پھر اس خاتون نے یہ استدلال کیا تھا کہ قرونِ وسطیٰ کے دانشوروں کی طرح کہ یہ فرد کے اندر ایک مذہبی کونیات پیدا کرنے کی کوشش تھی، جو اس زمانے سے اب تک پھیلی ہوئی تھی، جو لاد مذہبیت کا سائنسی زندہ ہے۔ اگر اس بات کو فراموش بھی کر دیا جائے کہ اس کی تصدیق بھی ہو سکتی ہے یا نہیں تو زالوسکی کا خیال ہے کہ 'مقرب موت' کی واردات، 'ایک مذہبی عقیدہ' ہے، جس کے ذریعے اب حقیقی حقیقت کی جستجو کی جا رہی ہے پھر زالوسکی یہ بیان بھی تو کرتی ہے کہ شرو یا شمن (Shaman) موت کے دروازے سے گزر کر جب زندگی کی طرف واپس لوٹتے ہیں، تو وہ زندہ لوگوں کے لئے کوئی نیا سبق لے کر آتے ہیں۔

اس رخ سے اگر اس مسئلے کا جائزہ لیا جائے تو جو صورت حال سامنے آئی ہے وہ ڈونگ کی نفسیات کے لئے نہایت ہی موزوں صورت حال ہے۔ کیونکہ اس کے حوالے سے

شخصیت بعض اعلیٰ مدارج کو طے کرتی ہوئی نظر آتی ہے چنانچہ قرب موت کا تجربہ کسی حد تک فردیت کے تجربے کو آگے بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے، جو لوگ اس تجربے سے گزر چکے ہیں وہ یقیناً ایسے لوگ ضرور بن گئے ہیں، جن کی شخصیت زیادہ جامع بھی ہے اور زیادہ مربوط بھی ہے۔ ڈوئنگ کو موت سے چند برس پہلے جو دل کا عارضہ ہوا تھا وہ خاصہ شدید تھا وہ 'قرب موت کے واردات' کے قریب ہی کما جاسکتا ہے اور اس وقت اس کی فرس نے اس کے چہرے کو نور کے ہالے میں دیکھا تھا جو اس امر کی علامت ہے کہ اس کی شخصیت نے بعض متنازل اس وقت بھی طے کی تھیں۔

قدیم مصریوں اور جینیوں کا خیال تھا کہ انسان مرنے کے بعد ایک اور زندگی گزارتا ہے انہیں یہ بھی گمان تھا کہ جو کچھ ہم اس کو بتاتے ہیں، وہ سنتا ہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا مصریوں نے مرنے والوں کی رہنمائی کے لئے کچھ تحریریں لکھی تھیں، یہی کام تبت میں بھی کیا گیا تھا۔ ڈوئنگ کے لئے ان دونوں میں دلچسپی اس لئے تھی کہ یہ بھی انسانی شخصیت کی نشوونما کا ایک حصہ تھے۔ چنانچہ جب تبتی مرنے والوں کی کتاب The Book Of Dead کا ترجمہ جرمن زبان میں شائع ہوا تو اس پر ڈوئنگ نے ایک آغاز لکھا تھا۔ اس میں سے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔

(۵) مرنے والوں کی کتاب:

ڈوئنگ نے آغاز اس طرح کیا :

اس کتاب پر تبصرہ کرنے سے پہلے میں اس کے متن کے بارے میں کچھ کہنا چاہوں گا۔ تبتی کتاب رفتگان یا Bardo Thodol ایک ایسی کتاب ہے، جس میں مرنے والوں یا مرے ہوؤں کے لئے کچھ ہدایات قلبیہ کی گئی ہیں۔ اسی طرح کی مصری کتاب کی طرح یہ مردوں کے لئے وہ ہدایات ہیں، جو ان کو بارڈو (Bardo) حالت میں ہونے کے دوران دی جاتی ہیں، یہ گویا ۳۹ دنوں کا ایک وقفہ ہے، جو مرنے اور دوبارہ جنم لینے

کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اس کا تعلق تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے حصے کو چھٹی بارڈو (Chikhi Bardo) کہا جاتا ہے۔ اور اس کا تعلق ان نفسیاتی عوامل سے ہے، جو مرتے وقت وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ دوسرے حصے کا نام چوتھ بارڈو، اس خواب کی سی حالت کے بارے میں ہے جو موت کے فوراً بعد وارد ہوتی ہے اور اس کو کرم کا دائرہ (Karmic Illusion) کہتے ہیں۔ تیسرا حصہ سد پا بارڈو (Sidpa Bardo) ہے اس کا تعلق پیدا ہونے کی جبلت سے ہے یا یہ پیدائش سے پہلے کی حالت ہے۔ اس سارے عمل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بے حد بصیرت اور روشنی ہے، لہذا یہ نجات حاصل کرنے کا عظیم ترین امکان ہے، اسی لئے یہ سب کچھ مرنے والوں کو مرتے ہوئے بتایا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ دائرہ شروع ہو جاتا ہے، جسے عقیدہ سراج (Reincarnation) کہتے ہیں۔ چھٹی ہوئی روشنیاں مائل چڑ جاتی ہیں اور ان کی جگہ کئی سائے ابھر آتے ہیں اور دید زیادہ سے زیادہ خوفناک ہوتی چلی جاتی ہے اور جوں جوں دوبارہ جنم لینے کا وقت قریب آتا جاتا ہے، شعور کی سطح گرتی چلی جاتی ہے۔ اس دوران کو شش یہ کی جاتی ہے کہ مرنے والے کے شعور کو گرنے نہ دیا جائے اور اس کی نجات پانے کی خواہش کو زندہ رکھا جائے اور اسے تبدیلی کے ساتھ ساتھ تبدیلی کی نوعیت سے بھی آگاہ کیا جاتا رہے۔

اس کے بعد ڈونگ اس ترجمے کے لئے بارڈو تھوڈول (Bardo Thodol) کے مترجمین آنجنائی کازی دوا سمپ (Kazi Dawa Samdup) اور ڈاکٹر ایوز وٹز (Dr. Evans Wentz) کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ انہوں نے مغرب کے لئے، مشرق کی اس حکمت کے دروازے کھول دیئے۔ اس کا خیال ہے کہ جو کوئی بھی اس کتاب کو کھلے دل کے ساتھ پڑھے گا اسے اس کا صلہ بہت زیادہ ملے گا۔

بارڈو تھوڈول جسے اس کے ایڈیٹر ڈاکٹر ڈیوی، دانی ایوز وٹز نے ”جنت کی مرنے والوں کی کتاب“ کہا تھا ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی تھی اور اس کی اشاعت نے انگریزی بولنے والے لوگوں میں ایک تسلسلہ مچا دیا تھا۔ یہ ان تحریروں میں سے تھی، جن میں دلچسپی محض ان لوگوں ہی کو نہیں تھی جو مسلمانہ بدھ مت (Mahayana Buddhism) کے انھیں کار تھے، بلکہ یہ کتاب چونکہ انسانی سانچے کے بارے میں گہری معلومات فراہم کرتی تھی، اس لئے عام آدمی کے

لئے جو اپنے علم کو وسعت دینا چاہتا تھا، اس میں دلچسپی کے کئی پہلو تھے۔ ٹیڈنگ کہتا ہے کہ جب یہ کتاب میرے مطالعے میں آئی ہے، یہ میری مستقل رفیق بن چکی ہے، اس کی وجہ سے میں نے نہ صرف بہت سے نئے خیالات ہی دریافت کئے ہیں، بلکہ اس سے مجھے بعض بنیادی بصیرتیں بھی حاصل ہوئی ہیں۔ یہ مصری کتاب دفینا کی طرح نہیں ہے جسے پڑھ کر انسان یہ کہہ لیتا ہے کہ یہ بہت کم ہے یا بہت زیادہ ہے۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جو دہائیوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ انسانوں کے لئے ہے۔ یہ بہت سارے زبان میں علم و حکمت کی باتیں ہیں اور یہ بدھ مت کی نفسیاتی تنقید نہیں ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ نہایت اعلیٰ درجے کی انسانی ذکاوت

ہے، اس کتاب کا مکمل یہ ہے کہ اس میں جو مابعد الطبیعیاتی موضوعات چھیڑے گئے ہیں، ان کے بارے میں رویہ اسے قبول کرو یا اسے رد کرو، کا نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر مثبت اور منفی دونوں ہی اپنا وجود رکھتے ہیں۔ مگر جب ہم کہتے ہیں مغرب کے فلسفہ دانوں کو یہ بیان انتہائی ناقابل اعتراض نظر آتا ہے، کیونکہ یورپ یہ چاہتا ہے کہ بات صاف صاف بیان کی جائے اور وہ کسی صورت میں اوسستی نہ ہو، کوئی فلسفی تو یہ کہتا ہے کہ خدا موجود ہے اور دوسرا فلسفی یہ بیان دیتا ہے کہ خدا موجود نہیں ہے، مگر اس کتاب میں ایسے بیانات اکثر جگہ موجود ہیں، جو باتوں کے دونوں رخ سامنے لاتے ہیں۔

بدھ کی طرح محسوس کرنے کے لئے خود تھمادی غرور کے اندر ایک خطا ہونا چاہئے اور پھر تم کو یہ معلوم بھی ہونا چاہئے کہ وہ ہے اور تمہیں اس کا شعور بھی ہے، اگر یہ صورت حال پیدا ہو جائے تو پھر تم خود غرور بدھ کی ذاتی حالت میں کسی حد تک قیام پزیر ہو سکتے ہو۔

ایسے بیانات مغرب کے فلسفے اور دیانات دونوں کے لئے ناقابل قبول ہیں۔ مگر اس کے باوجود نفسیات کے طالب علموں کو فریڈی کی نفسیات کے ابتدائی مطالعے ہی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ منطقی تضادات ایک دوسرے کے بہت قریب رہتے ہیں۔ جس شخصیت سے ہم محبت کرتے ہیں اس سے ہم نفرت بھی کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا نفسیاتی اعتبار سے یورپ کا فلسفہ خاص طور پر انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے اواخر کا مقبول فلسفہ، نفسیاتی رویے کی اس دریافت سے پہلے کا فلسفہ ہے۔

ثوگ کو اس بات پر اصرار ہے کہ بلعد الطبیعیاتی بیانات، بہ صورت انسانی سانچے کے بیانات ہیں۔ لہذا وہ نفسیاتی ہیں، مگر کیا کیا جائے، یورپ کا فلسفیانہ رویہ ابھی تک عقلی تشریحات کی سطح سے اوپر نہیں اٹھ سکا۔ اس بدیہی حقیقت کو بالکل سامنے کی بات سمجھا جاتا ہے یا بھر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بلعد الطبیعیاتی سچائی ہی سے انکار ہے۔ جب بھی جدید علم کا حوالہ سانچے کا لفظ سنتا ہے تو وہ اسے محض نفسیاتی ہی سمجھتا ہے۔

بارڈ و تھوڈول کا آغاز ہی اس عظیم نفسیاتی صداقت سے ہوتا ہے کہ یہ کفن و فن کی دہی کتاب نہیں ہے، بلکہ دفنجان کے لئے اس میں ہدایات ہیں، یہ ان ۴۹ دنوں کے لئے ہیں جب موت کے بعد دوبارہ جنم ہو جاتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :

"اے نئے پیدا ہونے والے سن، تو اس وقت خالص حقیقت کی صف روشنی کو دیکھ رہا ہے۔ اسے اچھی طرح پہچان لے، اے شرق میں پیدا ہونے والے، یہ غلا کے اندر ایک دانق کے لحاظ سے ہیں، ان کی خصوصیات رنگ، قدرتی غلاء تک محدود نہیں ہیں، وہ تو حقیقت ہے، خیر ہی خیر ہے۔

تسماری محل جواب خلل طوی ہے، مگر ابھی تک عمل طور پر مسدودیت کی حالت میں نہیں آئی، لیکن چونکہ وہ طوری محل ہے، وہ بغیر رکوت کے چلتی ہے، فوق و شوق اور انجسلا پیدا کرنے والی ہے۔ وہی تو اصل شعور اور وہی تو اصل خیر ہے، بد ہے۔

اس حالت کا شعور دھرماکایا (Dharmakaya) ہے، جو مکمل نور بصیرت ہے، اپنی زبان میں ہم اسے شعور کے اندر تمام بلعد الطبیعیات کی بنیاد کہہ سکتے ہیں۔ روح کی نہ نظر آنے والی اور نہ محسوس کی جا سکتے والی حقیقت، مگر غلا (Void) کی سی دلی کیفیت ایک ارفع حالت ہے تمام اوجاؤں اور پیش گوئیوں سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ اس کا بھرپور امتیاز ابھی تک روح کے اندر پوشیدہ ہے۔

کتاب دفنجان اس بات پر بہت زور دیتی ہے کہ مرنے والے پر اس بات کو واضح کر دیا جائے کہ اس کا نفس ایک بنیادی حقیقت ہے، یہ وہ واحد شے ہے، جو زندگی ہم پر واضح نہیں کرتی۔ وہ چیزیں جو روزمرہ کی زندگی میں ہمیں دہاؤ میں رکھتی ہیں اور ہمیں موقع ہی نہیں ملتا کہ ان چیزوں کے درمیان یہ جان سکیں کہ وہ کس کی عطا کردہ ہیں۔ مرنے والا انہی چیزوں سے رہائی

پایا ہوا ہوتا ہے اور مقصد یہ ہے کہ اس حالت میں اسے نجات کی طرف جانے میں مدد کی جائے۔ ہمیں بھی ان ہدایات سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے، اگر ہم یہ جان لیں کہ تمام چیزیں عطا کرنے والا خود ہمارے اندر موجود ہے۔ یہ حقیقت ہی سب حقیقتوں کی اصل ہے۔ سب سے بڑی اشیاء میں بھی اور سب سے چھوٹی چیزوں میں بھی۔ اس کے بارے میں آگہی حاصل نہیں ہوتی۔ حالانکہ اسے جاننا انتہائی ضروری ہے، بلکہ فیصلہ کن ہے۔ یہ علم ہیچے ان لوگوں کے لئے ہے، جو کمرائی تک سوچنے والا دماغ رکھتے ہیں، وہ اپنے ہونے کو جاننا چاہتے ہیں، جن کا مزاج ہی عارلانہ ہے۔ اعلیٰ بصیرت والوں نے اسے ”زندگی کا علم“ کہا ہے۔

جو طریق کار تجویز کیا گیا ہے وہ ڈونگ کے خیال میں ایک آغازی عمل (Process Initiation) ہے، جو مغرب میں آج تک زندہ ہے اور عملی طور پر مشق کیا جاتا ہے، یہ وہی طریقہ ہے جو لاشعور کی تحلیل کے لئے استعمال ہوتا ہے اور معالج اسے عملی طور پر بروئے کار لاتے ہیں، یہ شعور کے نیچے کی تھوں میں اترتا ہے، یا سطرط کی زبان میں، یہ وہ نفسیاتی مواد ہے جو ابھی پیدا نہیں ہو پایا۔ یہی وہ طریق کار ہے جو فرائیڈ نے بنیادی طور پر استعمال کیا تھا مگر اس کا تعلق جنسی فنتاسیا (Sexual Fantasy) کے ساتھ تھا۔ یہ وہ سطح ہے جو بارڈو کے لحاظ سے بہت ترین سطح ہے، اس کو سدپا بارڈو (Sidpa Bardo) کہتے ہیں، یہ وہ مقام ہے جب مرنے والا جینگی اور چوان یہ بارڈو سے قطعاً استفادہ نہیں کر سکتا اور اس کا ذہن ایسا تصویر خانہ بن جاتا ہے، جہاں جوڑے ہر وقت جنسی اختلاط میں مشغول ہوتے ہیں۔ بھریوں ہوتا ہے کہ کوئی رحم (Womb) اس کو پکڑ لیتا ہے اور زمین پر جنم دے دیتا ہے۔ اس مقام پر ڈونگ ایک دلچسپ بات کہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جیسے کہ توقع کی جا سکتی ہے، ایڈی پس کامپلکس بروئے کار آ جاتا ہے۔ اگر کرم یہی فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ انسان کی صورت میں پیدا ہو تو پیدا ہونے کے بعد وہ اپنی ماں سے محبت کرتا ہے اور باپ سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے اور اگر پیدا نش پٹی کی صورت میں ہو، تو ماں اور باپ کے رشتے کی نوعیت یکسر تبدیل ہو جاتی ہے۔

اس کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ فرائیڈ کی نفسیات سے رحم سے باہر آنے کے بعد ایڈی پس کامپلکس کی صورت میں پیدا ہوتی ہے، مگر موجودہ صورت میں یہ صورت حال پہلے پیدا ہو جاتی ہے اور پھر بچہ ماں کے رحم میں داخل ہوتا ہے۔ تحلیل نفسی کے بعض حلقے یہ بھی کہتے رہے ہیں کہ سب سے بڑا خوف (Trauma Par Excellence) خود پیدا ہونے

کا دائرہ ہے، اور کچھ حتمی نفس کے ماہرین نے پیدا ہونے سے پہلے تجربت تک پہنچنے کی بھی کوشش کی ہے، اور یہ وہ مقام ہے جہاں مغرب کی وائن اپنی آخری حد کو چھو لیتی ہے۔ مگر بد قسمتی سے، ڈونگ کہتا ہے کہ وہ بد قسمتی کا لفظ اس لئے استعمال کرتا ہے کہ فرائیڈ کی حتمی نفسی کو اس سے بہت آگے جانا چاہئے تھا اگر وہ اس سے آگے جانے میں کامیاب ہو جاتی تو وہ یقیناً سدپادڑ کی سرحدوں سے نکل کر چنانچہ پادڑ تک پہنچ جاتی۔ یہ بات بھی درست ہے کہ ہم جس طرح کے حیاتیاتی خیالات، موجودہ زمانے میں رکھتے ہیں، ایسے کارٹائے کی کامیابی کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی تھی، اس کے لئے اور ہی طرح کے فلسفیانہ اور سائنسی اعتقادات کی ضرورت تھی، جو ہمارے پاس نہیں تھے، لیکن اگر کسی طریقے سے یہ سفر اختیار کر لیا جاتا تو روم کے اندر کی موجودگی صحیح معنوں میں ایک پادڑ زندگی ہو سکتی تھی۔ پھر شاید ہم پیدائش کو ایک خوف سے تعبیر نہ کرتے اور ہمارا مفروضہ یہ نہ ہو ماکہ زندگی ایک مرض ہے، کیونکہ اس سے جو کچھ برآمد ہوتا ہے، وہ پیش ہی مسلک ہوتا ہے۔

فرائیڈ کی حتمی نفس بھی جنسی فتنہا سے آگے نہیں گئی اور اس کے سبھی رجحانات ایسے ہیں، جو بالآخر انسانی معاشرے میں تشویش کا سبب بنتے ہیں۔ ڈونگ کے خیال میں فرائیڈ کی نفسیات وہ پہلی کوشش ہے، جو مغرب کے انسان نے بنیادی حیوانی کرے کی تحقیق کے سلسلے میں کی ہے اور اس نفسی منطق کی مطابقت تانٹرک لامائیت (Tantric Lamalism) کے سدپادڑ کے ساتھ ہے، اور یہ ایسی نفسی حالت ہے جس سے بچے جانے کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ یہ جبلی حیوانی کہہ ہے اور اس سے صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ دوبارہ جنم لینے کا راستہ ہے۔ نفسیات کی اصطلاحوں میں، اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ غاصتاً حیاتیاتی سطح ہے اور یہ صرف جہلوں کی سطح تک ہی رہ سکتی ہے اور وہ اس سے اوپر نہیں جاسکتی۔ ڈونگ کا خیال ہے کہ اسی باعث فرائیڈ کی نفسیات کبھی لاشعور کی حقیقی قدر سے اوپر نہیں اٹھ پائی یا دوسرے لفظوں میں یہ ”سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے۔“ (Nothing But) اور شاید اسی باعث مغرب نے تمام نفسیاتی حوال کو محض ذاتی اور فحشی سمجھ لیا ہے، مگر اس کی بھی ایک لامیت ہے کہ ہم نے اپنے شعور کے عقب میں دیکھا تو ہے، اس تاثر میں پادڑ تھوڑول کو پڑھنا پیچھے کی طرف جانے کی ایک کوشش ہے۔

ڈونگ کے ان خیالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے لاشعوری حوال کی کارفرمائی کا ایک

وحد لا تصور مشرق میں موجود تھا خاص طور پر ہندومت اور بدھ مت میں یہ روحان پلایا جاتا تھا کہ وہ شعور سے نیچے بھی کچھ نہ کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اگرچہ مشرق میں لاشعور کی اصطلاح تو استعمال نہ ہوتی تھی، مگر یہ ضرور تھا کہ شعور کی مطلوبت کو آخری درجہ نہیں دیا جاتا تھا ایک ان دیکھے جمل کا تصور ہر وقت ان کی نظروں میں موجود رہتا تھا اور شعور اور لاشعوری کے مابین اس طرح کی خاصیت نہیں تھی۔ جیسی خاصیت مغرب میں پائی جاتی تھی۔ فرائیڈ پر اعتراض کے باوجود ڈونگ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ فرائیڈ نے مغرب کے لئے پہلی بار برف کو توڑا تھا اور اس کے نیچے کھیلانی ہوئی زندگی کو دریافت کیا تھا۔ اس دریافت کی گہرائی کہیں تک ہے یا اس کی عمل تلاش ایک فرد کا کام ہی نہیں تھا اس لئے فرائیڈ پر یہ الزام لگانا کہ وہ محض فنی یا ذاتی لاشعور تک محدود رہا۔ ایسا ہی ہے جیسے پیسہ دریافت کرنے والے سے یہ کہا جائے کہ تم نے موٹر کار کیوں ایجاد نہیں کی۔

جمل تک کتب کے دوسرے حصے کا تعلق ہے جو چون یہ حالت سے متعلق ہے اور ایک کسانتی (Karmic) دائرہ ہے، یعنی ایسا دائرہ جو پہلے گزاری ہوئی زندگی سے پیدا ہوتا ہے۔ مشرقی نقطہ نظر سے ایک طرح کا نفسی وراثتی نظریہ ہے، جس کی بنیاد تخریج ہے۔ جس کا مطلب قانہ ہونے والی روح کا چولے بدلنے رہنا ہے۔ مگر ہم سائنس اور عقلی بنیادوں پر اس مفروضے کو قبول نہیں کر سکتے۔ اس میں بہت ایسے عقائد آتے ہیں جمل "اگر مکر" (Ifs and Buts) کو بنیاد بنا لیا جاتا ہے۔ موت کے بعد کیا ہوتا ہے ہم اس کے بارے میں کوئی بھی بات تعین سے نہیں کہہ سکتے۔ وراثت کے سلسلے میں، جو خصوصیات ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتی ہیں، ان میں ایک ایسی خاص جماعت بھی ہے۔ جو خاندان اور نسل تک محدود نہیں ہے، یہ ذہن کے آفاقی رجحانات ہیں اور ان کو افلاطون کے خیالات (Eldola) یا افکار کا مماثل سمجھنا چاہئے، اس کی مماثلت ان منطقی ذموں سے بھی ہے، جو تمام بنیادی مفروضات کے اندر پائے جاتے ہیں۔ صرف افکار (Forms) کے سلسلے میں طار واسطہ عقل کے ذموں کی بجائے عقید کے ذموں سے پڑتا ہے۔ جن کو سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) کی طرح ڈونگ بھی آر کے ٹاپ کا نام دیتا ہے۔

یہ آر کی ٹاپ عقلی مذہب، اساطیر یا پھر خواب اور سالی کوکس (Psychosis) میں بحر و طریق سے پائے جاتے ہیں۔ آر کی ٹاپ انسان کی اس ذہنی حالت کی نمائندگی کرتے ہیں،

جب وہ عقل کے متضمن راستوں پر گامزن نہیں ہوا تھا بارڈو تھوڈول میں بار بار اس بات کو دہرایا گیا ہے کہ مردہ لوگ خود کو مردہ خیال نہیں کرتے اور اور یہی بات یورپ کے ایم پائٹ اوپ اور امریکی روحانیت کے اندر بھی موجود ہے۔ زمانہ قدیم سے یہ تصور موجود ہے کہ مرد جانے کے بعد بھی انسان کا ذہنی وجود کسی نہ کسی صورت میں موجود رہتا ہے اور مرنے والے کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ جسم کے بغیر ایک روح ہے۔ یہی خیال ہر اس انسان کے ذہن میں ابھرتا ہے جو کبھی بموت کو دیکھ پاتا ہے۔ جسم کے مختلف اعضاء کی طرح آرکی ٹائپ بھی محض غیر متصل مادہ نہیں ہیں، بلکہ وہ حرکی (Dynamic) ہیں۔ ان کے بست سے وسیعہ اعمال ہیں، جو انسانی نفسی زندگی کو غیر معمولی طور پر متاثر کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ڈونگ یہ کہتا ہے کہ انسانی اعمال پر لا شعور کی طواری اور اسی کے مجموعے کو وہ اجتماعی لا شعور کا نام دیتا ہے۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں سدپا کی نفسیات یہ ہے کہ وہ زندہ رہنا چاہتا ہے اور بار بار پیدا ہونا چاہتا ہے۔ سدپا بارڈو کا مطلب یہ ہے کہ یہ بار بار جنم لینے کا بارڈو ہے۔ بارڈو تھوڈول کی تعلیمات کے مطابق، بارڈو کی ہر حالت میں یہ ممکن ہے کہ وہ دھربا کایا حالت تک پہنچے اور چار چروں والے میرو (Meru) پہاڑ سے بلند تر ہو جائے، مگر یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ مدغم روشنی کے پیچھے جانا چھوڑ دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لئے ضروری ہے کہ عقل کے ادکالت کو تسلیم نہ کرے، یعنی وہ اپنے ہی اتا کے راستے کی دیوار ہو جائے اور بارڈو تھوڈول کی اصطلاح میں، وہ خود کو پوری طرح کھاتی واہے کے حوالے کر دے۔ یہ تحمل طور پر ایسی شیموں کی پیداوار ہے، جو کسی طرح کی نا آسودگی سے متعلق نہیں ہیں۔ یہ تو خالصتاً خوب یا فکاسیا کی حالت ہے، جو کوئی بھی دھربا بھلا چاہتا ہے، وہ فوری طور پر ہمیں اس سے خبردار کرے گا۔ کیونکہ بظاہر بھی اس حالت اور دیوانگی کی تشابہ دنیا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چونکہ بارڈو کا مواد ان آرکی ٹائپ کو ظاہر کرتا ہے جو کھاتی تشال ہیں اور پہلی بار وہ انتہائی خوفناک شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ چونکہ بارڈو حالت ایک ایسا پاگل پن ہے جو خود پر خود ہی طاری کیا جاتا ہے۔

اکثر یہ کہنا جاتا ہے کہ کنڈل یوگا (Kundalini Yoga) بہت بدنام بھی ہے اور خطرناک بھی ہے۔ کیونکہ اس میں جان بوجھ کر خود پر پاگل پن طاری کیا جاتا ہے۔ جو بعض کمزور انسانوں میں مستقل پاگل پن کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ اپنے نفس کے خلاف ایک انتہائی خوفناک ہمدرد ہے۔ ایسی ہی صعوبتیں چونکہ حالت میں بھی جمیلانی پڑتی ہیں۔ خود متقن کے

اندر یہ موجود ہے۔

اگر موت کا دوا تہا تہا دے گئے میں دی ڈالے گا اور تمہیں کچھ نہ کہہ دو تمہارا سرکٹ دے کہ تمہارا دل باہر نکل لائے کہ اختیاں نکل دے گا۔ تمہارے دماغ کو کھالے گا اور خون کو پی لے گا گوشت کھالے گا ہڈیاں چالے گا لیکن کسی بھی طرح تم کو مرنے نہیں دے گا اگر پورا جسم ٹکڑے ٹکڑے بھی ہو جائے گا تو پھر سے اصل حالت میں آتا ہے کہ اور پھر یہی کچھ بار بار کیا جائے گا جو اختیائی تکلیف وہ اور اللہ ناک ہو گا۔

یہ ایک طرح خیروار کیا جا رہا ہے کہ اگر شعور کی جگہ لاشعور کی ملداری ہوگی تو پھر کسی کسی صورتیں برداشت کئی پڑیں گی۔ یہ حالت ایک طرح کا پاگل پن (Schizophrenia) ہے، شخصیت کا منقسم ہو جانا ہے چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے صدیوں حالت سے چون یہ حالت میں جانا مقاصد اور ارادوں کا لاشعور کی طرف لوٹتا ہے، جو خطرناک ہے۔ یہ انکو کے استقلال کی قربانی ہے، یہ ایک ایسی بے یقینی ہے جس میں انکو اپنے آپ کو مکمل طور پر خوفناک شےوں کے رحم کرم پر ڈال دیتا ہے، جب فرائیڈ نے یہ کہا کہ انکو تشویش کی صحیح جگہ ہے تو وہ اس وقت اپنے وجدان کو درست طور پر بیان کر رہا تھا۔ ہر انکو کے بڑی طرح یہ خوف جاگزیں ہوتا ہے کہ اسے قربان کر دیا جائے گا اور لاشعور کی قوتیں یہ چاہتی ہیں کہ وہ طوفان کی طرح بھی کچھ ہمالے جائیں جو کوئی بھی فریڈ کا طبقہ ہے اسے اس راستے سے گزرتا ہوتا ہے کیونکہ جس شے کا خوف مسلط ہوتا ہے۔ اسی سے سلف (Self) کو یکمائی حاصل ہوتی ہے اور یہی فریڈ (Individuation) کا عمل ہے۔ یہی وہ مواد ہے جس سے سلف ابھرتا تھا، مگر ایسا کرنے میں اسے بے پناہ کوشش کرنی پڑی تھی، پھر اس نے ذاتی سطح پر ہی سہی مگر آزاد ہونا چاہا تھا نجات حاصل کرنے کے لیے عمل لازمی بھی ہے اور اختیائی جرات مندانہ بھی ہے مگر اس کے بعد ایک اور مرحلہ بھی رہ جاتا ہے اور وہ ہے کسی بیرونی معروض کے ساتھ مقابلہ، کیونکہ انکو وجود میں آنے کے بعد بھی ایک داخلی عمل ہی رہتا ہے اور اس کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی بیرونی طاقت سے تہذیب آزمایا ہو اور یہ بیرونی طاقت دنیا ہے۔ جو ایک تسلسل کے ساتھ ہر وجود کی صورت اختیار کرتی ہے، مگر یہی کچھ علامتوں کی صورت میں دیکھا جاتا ہے اور یہ

علائقہ اسی شے کی نمائندہ ہوتی ہیں، جو موضوع (Subject) کے اندر 'موجود ہوتا ہے۔
 ڈونگ کا خیال ہے لہذاں کے نظریات کے مطابق یہ ایک شاندار وجدان ہے اور اسی پردے
 میں چون یہ حالت اپنے اصل معانی کو چھپاتی ہے۔ لہذا اس وجہ سے چون یہ ہارڈو کو حقیقت کا
 تجربہ کرنے والا ہارڈو (The Bardo Of Experiencing Of Reality) کہا جاتا
 ہے۔

جس حقیقت کا تجربہ ہمیں چون یہ کے حوالے سے ہوتا ہے وہ حقیقت فکر ہے۔ فکری

شکلیں (Thought Forms) یوں لگتا ہے، جیسے حقیقتیں ہیں۔ نقابیا ان کی اصل ہیئت ہے
 اور وہ ڈراوے خواب جو کرم ابھارتا ہے اور لاشعور ان کو غالب کر دیتا ہے، آغاز ہو جاتے ہیں۔
 سب سے پہلے ظاہر ہونے والا موت کا دوجا ہے اور وہ تمام خوف کا مظہر (Epitome) ہے۔
 اس کے بعد ۲۸ قوی گرفتیں (Power Holding) آتی ہیں پھر منحوس دیویاں
 (Sinister Goddesses) اور ان کے بعد ۵۸ ایسی دیویاں ہیں جو خون پیتی ہیں۔ پھر دوجوں اور
 دیوتاؤں کے ایسے گروہ آتے ہیں، جن کی ایک خاص ترتیب ہے اور وہ چاروں سمتوں میں پھیلے
 ہوئے ہیں اور ان میں امتیاز چار مصولات رنگوں کی مدد سے ہوتا ہے۔ وہ یا تو منزل کی شکل میں
 ہیں یا چمک دائرے کی صورت میں۔ ان چار رنگوں کے ساتھ دائلی کے چار پہلو فلک ہے۔

۱۔ سفید: یہ ایک روشن راستہ ہے، جو آئینہ دائلی کے طرح ہے۔

۲۔ زرد: یہ ایک روشن راستہ ہے جو مساوات کی دائلی ہے۔

۳۔ سرخ: یہ ایک روشن راستہ ہے۔ یہ امتیاز کرنے والی دائلی ہے۔

۴۔ سبز: یہ ایک روشن راستہ ہے جو عمل چمک دائلی ہے۔

بصیرت کی ایک اعلیٰ سطح پر مزاحمت آدی یہ جانتا ہے کہ حقیقی فکری، ہیئت اس کی ذات
 سے بھرتی ہے اور یہ چاروں رنگوں والی دائلی کے روشن راستے اس کے اپنے نفس خواص
 ہیں۔ اس مقام پر ہم لائلی منزل کی تفصیلات تک بلا واسطہ پہنچ جاتے ہیں، یہ وہی دائلی ابد
 حکمت ہے جس کا ذکر آنجملی رچھو و لکھ کی متعارف کردہ کتاب 'سرو گبی زریں' میں موجود
 ہے۔

اگر ہم اس راستہ پر اوپر چڑھتے ہوئے پیچھے کی طرف لوٹیں، تو چون یہ ہارڈو کے چار

بڑے وڈان ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ہرے رنگ کا اموگا سدھی (Amogha Siddhi)

سرخ اجتاہ (Amitabha) زرد رنگا سمبھاوا (Ratna Sambhava) اور سفید و چراستوا (Vajra Sattva) بلندی کی طرف جانے کا یہ سڑیلے رنگ کی روشنی پر ختم ہوتا ہے، یہ دھما دھما (Dharmadhatu) ہے جو بدھ کا جسم ہے۔ جو منزل کے عین درمیان چمکتا ہے (Valrochana)

جب یہ آخری رویت (Vision) جو کہانی واحد ہے، ختم ہوتی ہے۔ شعور تمام ہیئتوں سے الگ ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی تعلق کسی شے سے باقی نہیں رہتا وہ لازماً (Timeless) کی طرف واپس آ جاتا ہے یہ دھما کایا (Dharmakaya) حالت ہے۔ چنانچہ یہ ایک رجعت ہے چھینکی (Chikhal) حالت کی طرف، جو موت کے وقت ظاہر ہوتی تھی۔

ڈونگ کا خیال ہے کہ اس بیان کے بعد قاری پر بارڈو تھوڈول کی نفسیات کسی حد تک واضح ہو گئی ہو گی۔ یہ کتاب پیچھے کی طرف پیش قدمی کا ذکر کرتی ہے جو عیسائیت کے قیامت نامے (Eschatology) منطق سے بالکل مختلف ہے۔ جو روح کو جسمی مخلوق کے پاگل میں اتارتی ہے۔ پوری طرح غرومندانہ اور عقلیت پسند یورپی دنیا داری ہمیں مجبور کرتی ہے کہ بارڈو تھوڈول کی ترتیب کو الٹا کر دیں اور اسے ہم مشرق ہی کی ہدایتی (Initiative) واردات قرار دیں مگر اس کے باوجود ہر کسی پر یہ دروازہ کھلا ہے کہ وہ چونکہ بارڈو کی بجائے عیسائی علامات استعمال کرے۔ ہر صورت واقعات کا، ترتیب جیسی کہ ڈونگ نے بیان کی ہے۔

یورپین لاشعور کی مظاہریت (Phenomenology) کا متوازی پیش کرتی ہے۔ خصوصاً اس وقت جب وہ ہدایتی عمل میں سے گزر رہا ہو یا دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب تحلیل (Analysis) کی حالت ہے۔ تحلیل نفسی کے دوران لاشعور کی جو کایا کلپ ہوتی ہے، وہ نہ ہی ہدایتی تقارب سے مماثل ہے، جو اصولی طور پر اس قدر قی عمل سے مختلف ہے، جس میں وہ قدرتی نشوونما کے وقوع ہونے کی توقع کرتے ہیں اور علامات کے اضطراری طور پر پیدا ہونے کو روکتے ہیں اور جان بوجھ کر ان علامات کو منتخب کرتے ہیں جن کو روایت نے مضمین کیا ہے۔ یہ عمل بدھ اور تنہا کے یوگا مراقبوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ابواب کی ترتیب کو بدل دینا جیسا کہ ڈونگ نے ذکر کیا ہے، اگرچہ تقسیم میں مدد دیتا ہے، مگر بارڈو تھوڈول کا اصل مقصد یہ نہیں ہے، اور جو نفسیاتی مقصد ہم اس سے حاصل کرتے ہیں وہ ایک ثانوی حصول ہے۔ اگرچہ یہ وہ طریقہ جو عام طور پر لگایا جاتا ہے۔

کیونکہ ان کے ہاں رسم بھی ہے۔ اس کتاب کا مقصد مرنے والوں کو ان کے سفر کے بارے میں آگاہی پہنچانا ہے، جو مغرب کے موجود زمانے کے دانشوروں کے لئے کوئی قابلِ حسین عمل نہیں ہے۔ سفید انسانوں کے لئے کیتھولک گر جاوہ واحد جگہ ہے، جہاں رفتگیں کی روح کے لئے کچھ کیا جاسکتا ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقے کے مطابق جس میں دنیاوی معاملات کو بہت رہایت (Optimism) عطا کر دی گئی ہے، چند وسیلہ (Medlumistic) نہایتی مراکز موجود ہیں جن کا مقصد مرنے والوں کو محض یہ یاد کروانا ہے کہ وہ مر چکے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ یورپ میں کوئی ایسی شے موجود نہیں ہے، جس کا موازنہ ہارڈ و تھوڈل سے کیا جاسکے، اگر کوئی ایسی شے ہے بھی، تو اس تک عام آدمی کی رسائی نہیں اور نہ عام سائنس دان ہی وہاں تک پہنچ پاتا ہے۔ روایتی طور پر مشرق میں بھی ہارڈ و تھوڈل ایک عقلی کتاب ہے، اور یہ بات ڈاکٹر ایچ نوز وینز نے اپنے تعارفی کلمات میں واضح کی ہے۔ یہ ایک خصوصی باب ہے، جس میں روح کو شقیاب کیا جاتا ہے اور یہ شقیابی موت کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ اس مسلک کے ماننے والے روح کے انتہائی عارضی ہونے کے عقیدے پر عقلی ایمان رکھتے ہیں، مگر اس کی غیر عقلی بنیاد یہ ہے کہ جہنم والے لوگ مرنے والوں کے لئے کچھ کر سکیں، اور یہ ایک ایسی ضرورت ہے۔ جو انتہائی ہاشو اور احمک لوگ بھی محسوس کرتے ہیں کہ انہیں کچھ کر سکنے کے قابل ہونا چاہئے، اس لئے ان کے لئے کچھ نہ کچھ تقریبات تو بہر صورت منفقہ کی جاتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ لینن (Lenin) نے اپنے بیروکاروں سے کہا تھا کہ اس کی لاش کو مصر کے فرعونوں کی طرح محفوظ کیا جائے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے بیروکاروں نے اس کے جسم کو اس لئے محفوظ کیا تھا کہ وہ قیامت کے روز پھر سے اٹھایا جائے گا۔ خواہ کیتھولک گر جاگروں میں مدح کے بارے میں کچھ بھی کہا جاتا ہو، جو کچھ مرنے والوں کے لئے کیا جاتا ہے، وہ انتہائی چلی سلا کا ہے، اس لئے نہیں کہ مغرب والے روح کی جاودانی کے قائل نہیں ہیں، بلکہ اس لئے کہ ہم نے موجود رہنے کی نفسیاتی خواہش کو بہت زیادہ عقلیت کے تقاضوں کے تحت کر لیا ہے۔ ہم یوں زندگی گزارتے ہیں گویا ہمیں اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ چونکہ ہم موت کے بعد زندگی کے قائل نہیں ہیں، لہذا اس کے لئے کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے۔ سادہ دل لوگ اپنے احساسات کے پیچھے ملتے ہیں اور اٹلی کی طرح اپنے لئے خوبصورت منظرے بناتے ہیں، مگر مرنے والے کے لئے کیتھولک لوگ گرجوں میں جو دعا کرتے ہیں، وہ اس سے

ذرا بلند چیز ہے کیونکہ وہ مرنے والے کی روح کو سکون پہنچانا چاہتے ہیں اور یہ محض ان جذبات کا اظہار نہیں ہے، جو وہ مرنے والے کے لئے رکھتے ہیں۔ اس کی صورت وہی ہے جو ہارڈ تصوؤل میں دی گئی ہے۔ مرنے والوں کو جو ہدایت دی جاتی ہیں وہ اس قدر تفصیلی ہیں کہ ہارڈ تصوؤل پڑھنے والا یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ بوڑھے لافوں نے چوتھی جہت (Dimension) دریافت کر لی تھی اور انہوں نے زندگی کے سب سے بڑے راز پر سے پردہ اٹھا دیا تھا۔

اگرچہ بالآخر حقیقت کچھ بھی نہ نکلے، مگر انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ ہارڈ تصوؤل کی سچائی پر قویٰ دست اعلان ضرور لے آئے۔ کم از کم اتنا ضروری ہے کہ وہ غیر عمومی طور پر اور بیکل (Original) ہے۔ اگر کچھ بھی نہ ہو تو اتنا ضرور ہے کہ مرنے کے بعد کی حالت، جس کے بارے میں مذاہب نے بہت الجھی ہوئی باتیں کی ہیں ان کو واضح اور چمکتے ہوئے رنگوں میں بیان کیا گیا ہے: خواہ یہ حالت آہستہ آہستہ خوفناک حد تک زوال پذیر صورت حال ہی کی طرف جاتی ہوئی کیوں دکھائی نہ دیتی ہو۔ ہارڈ تصوؤل کی سب سے زیادہ واضح رویت کتاب کے آخر میں نہیں ہے، بلکہ آغاز ہی میں ہے یعنی جب موت واقع ہوئی اور جوں جوں آگے بڑھتے ہیں یہ واضح ہوتی جاتی ہے اور غیر واضح ہوتی جاتی ہے اور پھر آخر دوبارہ جنم لینی کی بہت حالت تک پہنچ جاتی ہے۔ روحانی کمال اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب زندگی ختم ہوتی ہے۔ انسانی زندگی وہ اعلیٰ ترین مقام ہے، جس کا حصول ممکن ہے۔ صرف اسی سے کہا (Karma) پھونکا ہے اور اسی سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ مرنے والا خالی پن (Voldness) کا مستقل روشنی میں، جس میں کسی بھی شے سے تعلق موجود نہیں ہے، رہ سکتا ہے اور جوں وہ دوبارہ جنم کے چکر پر بغیر کسی واسطے اور زوال کے قائم رہ سکتا ہے۔ ہارڈ کی زندگی نہ جلدوائی جڑا ہے نہ سڑا ہے، یہ تو محض دوسری زندگی میں اتر جاتا ہے، جو فرد کو اس کی خطی کے قریب لے آتا ہے اور یہ ایک معاوناتی (Eschatological) مقصد ہے، جو زمینی زندگی سے حاصل ہوتا ہے، یہ خیال بہت شاندار نہ سہی کم از کم مردانہ اور بہادرانہ ضرور ہے۔

ہارڈ کا زوال پذیر کردار مغرب کے روحانی ادب سے صاف جھلکتا ہے، جو بار بار روحانی زندگی کا ایک تیار تصور پیش کرتا ہے۔ سائنسی دماغ یہ سمجھتا ہے کہ یہ میڈیم (Medium) کے لاشعور سے ابھرنے والی رپورٹ ہے، اور جو لوگ اس روحانی مجلس

حاضرات (Seance) میں شریک ہوتے ہیں اور جو لوگ ان باتوں کا ذکر بھی کرتے ہیں، جو تبت کے مرنے والوں کی کتاب میں لکھی ہوتی ہیں، وہ بھی اس ذاتی حالت میں ہیں۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ یہ ساری کتب لاشعور سے ابھرے ہوئے آدمی جنپ کی مدد سے لکھی گئی ہے اور یہ کہنے میں مغربی عقل حق بجانب ہے کہ اس کے پیچھے کوئی طبیعیاتی یا ماہد طبیعیاتی حقیقت موجود نہیں ہے۔ یہ تو محض نفسی حقائق ہیں، یہ نفسی واردات کا مواد ہے۔ خواہ کسی شے کو موضوعی سمجھا جائے یا موضوعی، مگر اس امر سے انکار ممکن نہیں ہے کہ وہ موجود ہے۔ بارڈو بھی اس سے زیادہ دعویٰ نہیں کرتی، وہ پانچ دھیمائی بدھوں (Dhyani-Buddas) کو نفسی حقیقت ہی سمجھتی ہے اور یہی بات مرنے والوں کو بلور کر دیتی چلتی ہے۔ اگر یہ بات اس پر زندگی میں پہلے ہی سے واضح نہ ہو چکی ہو، اس کا نفسی سلف اور تمام مواد فراہم کرنے والا ایک ہی ہے۔ خداؤں اور روحوں کی دنیا اس کے اجتماعی لاشعور کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اگر اسے الٹ دیا جائے تو بات کچھ یوں ہو جائے گی کہ اجتماعی تماشے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس ایک انسانی زندگی کی ضرورت پایتہ ہوتی ہے، مگر تجلیل حاصل کرنے کے لئے شاید بہت سی زندگیاں درکار ہوتی ہیں۔ یہ دریافت ان لوگوں کے لئے نہیں ہے، جو پہلے ہی سے کمال ہیں۔ وہ لوگ بالکل ہی اور طرح کی دریافتیں کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ شروع میں بتایا گیا تھا بارڈو تھوڈول ایک ہند کتاب ہے۔ سو وہ ہند کتاب تو ہے، خواہ اس کی کتنی بھی تفسیریں کیوں نہ لکھی جائیں۔ یہ اپنے معانی صرف ان پر کھولتی ہے، جو روحانی معاملات کا فہم رکھتے ہیں، مگر کوئی بھی شخص یہ صلاحیت لے کر پیدا نہیں ہوتا، مگر خصوصی تربیت اور خصوصی تجربے سے یہ صلاحیت حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر جدید تہذیب میں رکھے ہوئے لوگوں کے لئے اس کے کوئی معانی نہیں ہیں، نہ مقصد ہے، نہ فائدہ۔

میں نے مندرجہ بالا سطور میں ڈونگ کی زبان میں تبت کے مرنے والوں کی کتاب کے دہاچے کی ایک تلخیص پیش کی۔ ڈونگ کا خیال ہے کہ انسانی لاشعور کے آدمی جنپ اور علامتوں کا ایک اکھار ہے۔ چنانچہ علوم عقلی کا ایک اہم پہلو ڈونگ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ انسان پر اس کے لاشعور کو واضح کرے۔ اس کے اندر بھی وہی نظام کار فرما ہے، جو نفسیات نے اجتماعی لاشعور کے نظریے کے اندر دریافت کیا ہے۔ مگر جدید تہذیب ان عوامل سے ایک بیگانگی کا رویہ رکھتی ہے۔

جن قدیم کتابوں نے انسانیت کو بے حد متاثر کیا ہے، ان میں سے ایک کتاب آئی چنگ (I Ching) بھی ہے۔ اس کتاب کا تعلق چین سے ہے۔ اس کتاب کو ”تبدیلی کی کتاب“ (Book Of Change) بھی کہتے ہیں یہ انسان کے بدلتے ہوئے رویوں، قسمتوں اور روحانی عوامل کا خاکہ کرتی ہے۔ ڈوگ خصوصاً اپنی آخری عمر میں اس کتاب کی طرف بہت رجوع کرتا رہا تھا اور اس کی شخصیت پر اس کتاب کے اثرات بھی مرتب ہوئے تھے۔

(و) آئی چنگ (I CHING):

چینیوں کی قدیم حکمت کا ایک نظام، اکثر قسمت کا حال جاننے کے لئے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اسے فیجی آواز (Oracular Divination) بھی سمجھا جاتا ہے۔ تبدیلیوں کی یہ کتاب (Book Of Change) ۶۴ مسدسوں (Hexagrams) پر مشتمل ہے یعنی چھ سطروں پر مشتمل یہ مسدسیں مکمل اور ٹوٹی ہوئی لکیروں سے مل کر بنتی ہیں۔ ایک مسدس کو بنانے کے لئے تین سوں کو تین بار پھینکا جاتا ہے۔ یا بھر پچاس زرنبل (Yarrow) تیلیاں جھنکی جاتی ہے اور پھر پھینکنے والا ان کو متعین کرتا ہے۔ سادہ ترین طریقہ جو آج کل بعض مقامات پر مروج ہے، یہ ہے کہ ایک ہی سکہ کو چھ بار پھینکا جائے، اگر تصویر (Head) آ جائے تو پھر ری لائن لگا دی جائے اور ذنجیر (Tail) آ جائے تو ٹوٹی ہوئی لائن لگا دی جائے۔ اگر آپ نے چھ بار سکہ پھینکا اور پہلی تین بار تصویر آئی اور پھر تین بار ذنجیر تو اس کی صورت کچھ یوں ہوں جائے گی۔



سکہ پھینکنے سے جو مختلف مسدسین بن سکتی ہیں، وہ زیادہ سے زیادہ ۶۴ ہیں۔ لہذا اس کتاب کی نو سو سے انسانوں کی ۶۴ اقسام ہی ممکن ہیں۔ چنانچہ اسی حوالے سے انسانوں کا تنقید

لگایا جاسکتا ہے۔

آئی چنگ کے سارے فلسفے کی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ یہ کائنات ایک مربوط اکائی ہے اور وہ دائرے کی صورت میں ہے، جس کے اندر مستقبل بعض متعین قوانین اور اصول کی مدد سے نشوونما پاتا ہے۔ یہاں نہ کوئی انطباق (Coincident) ہے نہ اتفاق (Chance)۔ صرف ایک طبیعت (Causality) موجود ہے۔ آئی چنگ اس وقت یہ بتا سکتی ہے کہ ممکنات میں کیا ہے۔ جب بالغ اعلیٰ (Superior) آدمی میں یں اور یانگ (Yin And Yang) توانائی کے برابری طرح ہم آہنگ ہوں اس کی علامات اعلیٰ اخلاق اور معاشرتی علامتوں کے ساتھ سیاسی مضامین کی بھی متقاضی ہیں۔

آئی چنگ کے جوابات متعین نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ سوال کرنے والے کو مجبور کرتے ہیں کہ جواب کے لئے اپنے دماغ کو ٹٹولے، یہ گویا وقت کے اندر ایک لمحے پر گرفت کرنا ہے۔ اگر مختلف بدل (Alternatives) پر غور کیا جائے، تو امکانی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔ یہ ایک استاد کے طور پر شاگرد کو یہ بتاتی ہے کہ ایک اعلیٰ آدمی اس صورت حال میں کس طرح کا کردار ادا کرے گا۔ ٹارٹ (Tarot) کی طرح آئی چنگ کو بھی وہدانی خیالات کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کا تعلق کائنات میں پھیلی ہوئی توانائی کی روانی اور تسد داری سے ہے۔

کارل گسٹو ڈیجنگ کو آئی چنگ اس لئے پسند تھی کہ اس کی مدد سے اس کے اصول ہم وقتیت (Synchronicity) کی تشریح ہوتی تھی۔ اس اصول کو دوسروں انکسوں میں باطنی انطباق بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس کا مطلب سکون یا سلامتیوں کا حالات و واقعات کے ساتھ باطنی ملازمہ تھا۔

آئی چنگ کی بنیاد یعنی تاریخ میں ہزاروں برس پہلے رکھی گئی تھی۔ یہ اس ارتقائی انسانی خیال کی پیروی تھی، جو انسان اور کائناتی اصول میں تعلق پیدا کرتا تھا۔ یہ سدس دو حکمرانوں سے مل کر بنتی ہے۔ جو ایک روایت کے مطابق بادشاہ فوہی (Fu-Hsi) نے ۲۸۵۲ قبل مسیح کے قریب دریافت کی تھی۔ نفوس سطرس یاگ کی نمائندہ ہیں جو مردانہ فعل / تخلیقی طاقت ہے اور نرینی ہوئی سطر یاگن یں (Yin) کی نمائندہ ہے، جو نسائی / انفعالی / قبول کرنے والی طاقت ہے، بنیادی طور پر فوہی نے آٹھ اشکال بنائی تھیں جو کائنات کے آٹھ تشکیل عناصر کی

نما کندہ تھیں۔ آسمان، زمین، رعد (Thunder)، پانی، پہاڑ، گھڑی، آگ، دھل (Marsh) اور جھیل۔

یہ ٹکڑے (Trigrams) دیہی کر کے ۶۴ مسد میں بنا دی گئیں اور یہ کام بادشاہ وین (Wen) نے ۱۱۳۳ ق م میں کیا۔ وین دی بادشاہ ہے، جس نے چو (Chou) خاندان کی بنیاد رکھی۔ یہ کام ترتیب دیا جا چکا تو پھر اس نے ان مسدوں کو نام بھی دیا اور ان کے خواص کی تحقیق بھی لکھی اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں رہنمائی بھی بتائی۔ پھر اس تمام سلسلے پر بادشاہ کے جانشین بیٹے جو چو کا نواب کھاتا تھا ان کی رہنمائی اور تعلیمی تفسیر کا آغاز کنندہ تھا۔

آئی چنگ نے لوتزو (Lao-Tzu) (۶۰۴ سے ۵۳۱ ق م) کو بھی بہت متاثر کیا اور اس نے تائو تا چنگ (Tao Teh Ching) کو تائو ازم (Taoism) کا مرکزی متن بنا دیا۔ کنفیو شس (۵۵۱-۴۷۹ ق م) اپنی زندگی کے آخری برسوں میں اس کتاب سے متاثر ہو کر اس کی دس شرحیں (Commentaries) لکھیں، ان کو اب دس بازوؤں (Tenwings) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کو ضمیر (Appedices) کے طور پر شامل کیا جاتا ہے۔ کنفیو شس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اس نے کہا تھا "اگر میری زندگی میں کچھ برسوں کا اضافہ ہو جائے، تو میں ان میں سے پچاس آئی چنگ کے لئے وقف کروں گا اور پھر ممکن ہے کہ میں زندگی کی بہت بڑی غلطیوں سے دامن بچا سکوں۔"

کنفیو شس کی موت کے کئی صدیاں بعد تک محققوں اور عالموں نے آئی چنگ پر تفسیریں لکھیں اور بار بار اس کی ترمیم کی، ۲۱۳ ق م میں بادشاہ چین (Chin) نے بہت سی کتابوں کو جلانے کا حکم دیا ان میں کنفیو شس کی لکھی ہوئی آئی چنگ شرح بھی شامل تھی، مگر اس کے باوجود چند نسخے بچ گئے ۱۳۶ ق م میں شاہی مقتدرہ نے آئی چنگ کے خصوصی مطالعات کرواتے ۱۷۱۵ء عیسوی میں شائع ہوا جس میں ۲۱۸ عالموں کی شرحیں شامل تھیں اور یہ سلسلہ ۲۰۰ ق م تک جاتا تھا۔

یہ کتاب انیسویں صدی تک مغرب میں نہ پہنچی تھی، پھر اس کا ترجمہ جیمز لیج (James Legge) اور ریچرڈ ویلم (Richard Wilhelm) نے پہلے جرمن اور بعد میں انگریزی میں کیا اس ترجمے کے ساتھ ڈونگ کا ویاچہ بھی شامل ہے۔ اس میں ڈونگ نے کہا تھا کہ آئی چنگ کے پہلے سے انجمنی لاشعور پر دستک دی جا سکتی ہے اور طالبات پر مراقبے سے

اس کے معانی کچھ جاسکتے ہیں۔

ڈونگ کا لکھا ہوا یہ دیباچہ اس کے اجتماعی کام (Collective Works) کی جلد نمبر ۱۱ میں جڑا نمبر ۹۶۳ سے ۱۰۱۸ تک ہے۔ جن چار نمبروں کو اس میں دلچسپی ہو، وہ اس کا مطالعہ اپنے طور پر کر سکتے ہیں، میں زیادہ تفصیل میں چاہتا نہیں چاہتا کیونکہ یہ مضمون بہت بڑا مضمون ہے اور صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اور اس کی تشریحات بھی بہت ہوئی ہیں۔ اس کو سمجھنا بھی آسان نہیں ہے۔ اس کے بارے میں ڈونگ کہتا ہے۔

”تجدیدوں کی کتاب کے معانی کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ اس کتاب کو کسی دیباچے کی بھی ضرورت نہیں ہے مگر شاید یہ کتاب درست نہ ہو۔ اس کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو مبہم اور غیر واضح ہیں۔ مغرب کے بہت سے عالم اس مجموعے کو محض جلدوں کی تحویف کہہ کر رد کر سکتے ہیں، وہ اس ابہام کا حامل ہے کہ انہیں سمجھ ہی میں نہیں آتا اور ان کے لئے اس کی کوئی افادیت نہیں ہے۔ لہجے کا ترجمہ آئی چنگ کا وہ ترجمہ ہے جو انگریزی زبان میں اب تک فراہم ہوا ہے، مگر اس نے بھی مغربی زبان تک رسائی حاصل کرنے میں خاص مدد نہیں کی۔ اگرچہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ اصل متن کے معانی دو سروں تک پہنچا دیئے جائیں۔ وہ اس لئے بھی ایسا کر سکتا تھا کیونکہ وہ غلط نہ تھا تھا اور اس نے آئی چنگ کے سلسلے میں کچھ اسباق قابل احترام فیلسوف (Sage) لائونگلی (Lao Nai Hsian) سے چمے چمے لئے اور پھر اس نے کئی برس تک محلی طور پر اس غیب دانی کی مشق کی تھی۔ چنانچہ اس کو اس کے متن پر بہت گرفت تھی اور آئی چنگ جو ورژن (Version) اس نے بنایا ہے، اسے اسی تاثر میں دیکھنا چاہئے کہ کوئی چینی فلسفے کا نسلی علم رکھنے والا اس قدر گہرائی میں نہیں جاسکتا تھا۔

میں دلچسپی کا قافی طور پر بے حد متون ہوں کہ اس نے آئی چنگ کے عجیب و غریب مسائل پر روشنی ڈالی اور پھر محلی اطلاق کی بصیرت بھی عطا کی، تیس برس سے بھی زیادہ عرصے سے مجھے غیب دانی کی تکنیک میں دلچسپی تھی، کیونکہ میرے خیال میں یہ ایک غیر معمولی مگر شاندار طریقہ تھا، لاشعور کو دریافت کرنے کا میں پہلے ہی سے آئی چنگ کے بارے میں کہتا تھا کہ جانتا تھا بھر پوری طاقت چوبیسویں صدی کی تیسری دہائی میں دلچسپی کے ساتھ ہوئی تھی۔ جو کچھ میں جانتا تھا دلچسپی نے اس کی تصدیق کر دی اور اس کے بعد

مجھے بہت کچھ مزہ بھی کھاردا۔

میں جتنی زبان نہیں جانتا اور نہ ہی کبھی سمجھتا ہوں، میں اپنے قاری کو اس کے باوجود یہ بتا سکتا ہوں کہ سمجھنے کے پہاڑوں جتنے بڑے خیالات تک رسائی حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی فکر ہماری فکر سے بالکل ہی مختلف ہے۔ ایسی کتاب کو سمجھنے کے لئے کہ وہ کیا کہتی ہے، ہمیں اپنے بعض مغربی تفسیلات سے رہائی حاصل کرنی پڑتی ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ عجیب و غریب لوگ جن کو ہم جتنی کہتے ہیں کبھی سائنس کی نشوونما نہ کر سکے، ہماری سائنس کا انحصار طبیعت (Causality) کے اصول پر ہے، اور اس طبیعت کو سب سے بنیادی صداقت تسلیم کیا جاتا ہے۔ جو کچھ کانت (Kant) کی کتاب تنقید عقلی محض (Critique Of Pure Reason) نہیں کر پائی، یہ ہے کہ وہ جدید طبیعات کے تقاضے پورے کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ طبیعت کی اولیائیں (Axioms) اپنی بنیاد کھو رہی ہیں۔ اب ہمیں یہ معلوم ہے کہ جس شے کو ہم اہم قوانین قدرت کا نام دیتے تھے، محض شماریاتی حقائق ہیں۔ لہذا ان کے اندر عقلی کی نگاہیں بست ہے۔ ہم نے کبھی اس بات پر پوری طرح غور نہیں کیا کہ ہمیں معائنہ گاہوں یا تجربہ گاہوں کی ضرورت شاید اس لئے ہے کہ ہم ان حدود داخل میں اس امر کا ملاحظہ کر سکیں کہ قوانین قدرت ہمیشہ ہی تصدیق شدہ حقائق پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر ہم چیزوں کو قدرت پر چھوڑ دیں، تو پھر تصویر بہت مختلف ہو جاتی ہے۔ ہر عمل پر جزوی طور پر یا مکمل طور پر اتفاقات کی مداخلت شروع ہو جاتی ہے اور یہ کبھی کبھ اس قدر وافر تعداد میں ہوتا ہے کہ قدرتی حالات میں، وہ واقعات جو مکمل طور پر کسی خاص قانون کے ساتھ مطابقت رکھتے والے ہوتے ہیں، ان میں بھی عقلی کی کار فرمائی دیکھی جاسکتی ہے۔

لازچیل تک میں جان پایا ہوں، سمجھنا کا ذہن، خصوصاً آئی چنگ کے اندر، پوری طرح واقعات کے اتفاقی پہلوؤں سے معمور ہے۔ جس شے کو ہم انطباع کہتے ہیں، وہ اس عجیب و غریب ذہن کا سب سے بڑا دلچسپی کا علاقہ ہے۔ ایسا ہے کہ ہم جس طبیعت کی پوجا کرتے ہیں، وہ اس پر غور بھی نہیں کرتی۔ آپ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ ہمیں اتفاق کی انتہائی اہمیت کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔ انسان نے بے شمار کوشش کی ہے کہ وہ

اس بات کے خلاف لڑے اور ان نظریات اور پریشانیوں سے نجات حاصل کرے۔ جو
 اتفاق کے ساتھ متعلق ہیں: اتفاق یا ہانس کے عملی نتائج کے سامنے اسباب و علل کا
 نظریاتی نظام اکثر اوقات کمزور اور ضعیف نظر آتا ہے۔ یہی کمنا زیادہ مناسب ہو گا کہ
 مختلف شے کی چمک اصل میں اس کا شش پہلو ہونا ہے یہ بات واقعی درست ہے، اگر
 ہم واقعی منشور (Prism) کے مثالی کر مثل (Crystal) کو دیکھ رہے ہو۔ مگر قدرت
 میں وہ ایک جیسے کر مثل دریافت نہیں کئے جا سکے، حالانکہ سب شش پہلو
 (Hexagonal) ہوتے ہیں۔ یعنی فیلسوف کے لئے اصل وقت، مثل وقت سے
 کہیں زیادہ قابل توجہ ہوتی ہے۔ اس کے لئے وہ بکھرے ہوئے عناصر جو تجربی وقت کو
 تشکیل دیتے ہیں، اس امر سے زیادہ باہمی ہوتے ہیں کہ وہ واقعات کی علقی تشریح کو
 تلاش کرنے کیونکہ اس طرح وہ ایک سے الگ الگ ہو کر انفرادی سطح پر دیکھے جاسکتے
 ہیں۔

لاہذا جس طریقے سے آئی چمک میں حقیقت کو بیان کیا گیا ہے وہ ہمارے طریق کار کے
 مطابق نہیں ہے۔ قدیم چینی فلسفہ نظر کو وہ لمحہ جس کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے، زیادہ اہمیت کا
 حامل نظر آتا ہے۔ وہ اسے اتفاق سمجھنے پر زور دیتے ہیں بجائے اس کے کہ اسے ایک
 پہلے ہوئے سلسلے کی کڑی سمجھا جائے۔

آئی چمک کے سلسلے میں ڈونگ کی تشریح خاصی طویل بھی ہے اور دلچسپ بھی مگر اس
 کی تفصیل میں جانے کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

آئی چمک کی غیب دہانی سے استفادہ ایک سادہ سی رسم کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے اور
 اسے پھیلا کر خاصا وسیعہ بھی بنایا جاسکتا ہے، مگر یہ ہر فرد کی اپنی صوابدید ہے۔ کچھ لوگ چینی
 سکے اچھالتے ہیں۔ کچھ لوگ منچل کی پینی (Pennies) استعمال کرتے ہیں۔ زرد تیلیں ذرا
 زیادہ وسیعہ طریقہ ہے اور اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب خوشبودار دھواں فضا میں پھیلا دیا گیا
 ہو اور اس دور ان پر ری توجہ سے ذہن کو ان سوالات پر مرکوز رکھا گیا ہو، جو اٹھائے جاتے ہیں۔
 ایک تیلی کو الگ رکھا جاتا ہے اور ہائی ۴۹ کو پھینکا جاتا ہے۔ متن کی زبان اہل مغرب کے لئے
 ناقابل فہم ہے، اور ہم مشرق کے لوگ جو بڑی طرح مغرب کے اثر میں آچکے ہیں۔ ہمارا معاملہ
 بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اس کے لئے ممبر کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بھی ہم میں نہیں ہے اور

پھر اسی فیجی عمل کے ساتھ ایک احرام اور عقیدت بھی متعلق ہونی چاہئے۔ پھر یہ بھی کچھ سمجھا جاسکتا ہے۔

آئی چنگ کے نشوونما کی بھی ایک تاریخ ہے، شروع شروع میں یں اور یانگ کی لائنوں کو ہل اور خمیں کے ساتھ مقسوم میں استعمال کیا جاتا تھا۔ یانگ کا مطلب تھا ہل، اور یں کا مطلب تھا خمیں مگر بعد میں اتنی ساوا سی بات غیر مناسب محسوس کی جانے لگی، اور سطریں چھ کی بجائے آٹھ ہو گئیں اور جوڑے کچھ یوں بنائے گئے۔

عظیم ترین یانگ
 کم ترین یانگ
 عظیم ترین
 کم ترین

آئی چنگ کے اثرات مصلحین تک محدود نہیں رہے۔ وہ ممالک جو چینی تہذیب کے زیر اثر تھے، ان میں جاپان، کوریا اور ویت نام ایسے ممالک ہیں، جہاں اس کے گہرے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ جاپان میں زمانہ حال تک فوجی مسات فیب دانی کی مرہون منت ہوا کرتی تھیں اور یہ کتاب جاپان کے اعلیٰ فوجی افسران کے مطالعے کا حصہ تھی۔ بہت سے جاپانیوں کا خیال ہے کہ ان کو ابتدائی سندری فتوحات اس کی بدولت حاصل ہوئی تھیں۔ عام جاپانی بھی روزمرہ کے کاموں میں اس سے دل لیتے تھے۔ ۱۹۶۳ء میں یانگ کانگ کے اخبار نے لکھا تھا کہ ایک جوڑے نے آئی چنگ کا کامیاب استعمال کیا اور اپنے کھوئے ہوئے بچے کو ڈھونڈ نکالا۔ بچہ یانگ کانگ کے قریب ہی ایک پہاڑی پر موجود تھا۔

اگرچہ جھمڑ لگے نے ہی سب سے پہلے اس کا ترجمہ جرمن زبان میں کیا تھا مگر اس کا بہتر ترجمہ ڈونگ کے دوست رچرڈ ولسم ہی نے کیا۔ یہ ترجمہ جرمن زبان میں ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا انگریزی ترجمہ اس کے بعد شائع ہوا۔ ولسم ایک پادری کے طور پر چین کے اندر داخل ہوا تھا مگر اس کے عیسائی پس منظر کے باوجود اس کا کمرا تعلق چینی فکر کے ساتھ پیدا ہوا۔ پھر اس نے ایک بار یہ بھی کہا تھا کہ یہ بھی کچھ اس دل کے لئے حکیم کا باعث تھا کہ اس نے چین کے ایک باشندے کو بپتسمہ (Baptize) نہیں دیا۔ آئی چنگ سے اس کا تعارف ایک بوڑھے

جس کسی نے بھی آئی چنگ اچھو کی تھی، اسے اس بات کا پورا احساس تھا کہ وہ سدس جو خاص وقت میں بنائی گئی ہو، وہ اپنی خاصیت میں وقت کے ساتھ ایسی مطابقت پیدا کر لیتی ہے کہ اس میں اور وقت میں فرق نہیں رہ جاتا۔ اس کے لئے سدس اس لمحے کو بیان کرتی ہے، جس میں وہ بنائی گئی ہو۔ یہ بات کھاک پر دیکھے جانے والے وقت سے کہیں زیادہ بستر ہے اور اس کیلنڈر سے بھی، جس میں دنوں کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ سدس اس ایک لمحہ کا اظہار ہوتی ہے، جب اسے بنایا گیا تھا۔

اس مفروضے میں ایک عجیب و غریب اصول مضمر ہے، جسے میں نے ہم وقتیت (Synchronascty) کا نام دیا ہے، یہ ایک ایسا نظریہ جس میں طبیعت کے بالکل متوازی نقطہ نظر تشکیل دیا گیا ہے۔ چونکہ طبیعت محض ایک شمولاتی پہائی ہے اور وہ حتمی نہیں ہے، تو یہ ایک طرح کا چالو مفروضہ ہے، یعنی یہ کہ واقعات ایک دوسرے میں سے وارد ہوتے ہیں، بلکہ ہم وقتیت زمان و مکاں میں الطبیق کو قابل غور سمجھتی ہے، یہ گویا اتفاق کے معانی سے کچھ زیادہ ہے، یعنی یہ ایک دوسرے پر انحصار کرنے والے معروضی واقعات کا ابھی تعلق ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کا رشتہ موقوفی (نفسیاتی) بھی ہے، جو مشاہدہ کرنے والے سے ہے۔

جان بلوفیلڈ (John Blofeld) نے آئی چنگ کا تعارف لکھتے ہوئے، اس سلسلے میں ڈونگ سے اختلاف کیا ہے اور دلیل یہ ہے کہ جب بھی مستقبل کے بارے میں کوئی سوال اٹھایا جائے گا تو واقعاتی طور پر اس کا درست جواب آئے گا خواہ یہ سوال کسی وقت بھی اٹھایا جائے گا، مگر خود بلوفیلڈ یہ نہیں بتا سکا کہ آئی چنگ کیسے کام کرتی ہے، مگر ڈونگ کی طرح اسے بھی یہ محسوس ہوتا ہے، جب اس کتاب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، تو یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی زندہ شے کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ وہ ایسی کئی مثالیں دیتا ہے، جس میں سوال کرنے والے کو درست جواب ہاتھ آیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب چین اور ہندوستان میں لڑائی ہوئی اور یہ لڑائی تبت کی سرحد پر ہو رہی تھی، تو بلوفیلڈ نے جو سدس دریافت کی تھی، اس کے متن کی توجہ سے کچھ اس طرح سے ہوئی تھی کہ وہ اس وقت کے واقعات کے بالکل برعکس نظر آتی تھی۔ جواب یہ تھا کہ چین کی فوجیں رک جائیں گی اور وہ کوہ امالیہ کے سلسلے سے آگے نہیں بڑھیں

کی اور پھر اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ اس توہم کے مطابق تھا مگر اس کے ساتھ ہی بلوغت یہ بھی کہتا ہے کہ اگر بدعتی سے سوال اٹھائیں جواب گمراہ کن نکلتا ہے۔

دولم، ڈونگ اور بلوغت کی وجہ سے اب آئی جنگ کو مغرب میں بھی احرام کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے۔ جن غیب دانوں نے اسے استعمال کیا ہے، ان میں مشہور شخصیت اسٹر کروئلے (Alester Crowley) بھی شامل ہے۔ اس نے اس کے بارے میں یہ کہا تھا :

یہ سب سے مکمل خط تصویری (Hieroglyph) ہے جو آج تک تشکیل دیا جا چکا ہے اور اس کے جوابات ایسے ہیں جو ہر طرح کے سوالوں پر حاوی ہیں۔۔۔۔۔ یہ نظام اس قدر آسان ہے کہ بچے منٹ میں جواب حاصل کیا جاسکتا ہے اور یہ جواب غلطہ تفصیلی بھی ہوتا ہے اور درست بھی، سوال کے لئے کوئی شرط نہیں ہے، سوال بہت مبہم بھی ہو سکتا ہے۔

آئی جنگ کی اہمیت کا کچھ اندازہ تو آپ کو ہوگا اس کی تفصیل تو بہت ہے اور وہ تفصیل خاصی دلچسپ بھی ہے۔ اس سلسلے میں اگر آپ کچھ اور پڑھنا چاہیں تو کتابیات میں اس کے حوالے موجود ہیں۔ یہ اپنے طور پر اتنا بڑا علم ہے کہ اس پر ہزاروں برس صرف ہو چکے ہیں اور کوئی بھی سیکھنے والا ساری عمر لگا کر ہی اسے سمجھ سکتا ہے۔

جہاں تک ڈونگ کے تعلق ہے، اس کو اس کتاب میں دلچسپی اپنے نظریات کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ ڈونگ کا تعلق اس نسل سے ہے، جس نے دنیا کے بارے میں تصورات کو بالکل تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اس کی کچھ تفصیل میں اگلے مضمون کے آخر میں بیان کروں گا۔ فی الحال صرف یہ عرض کرنا ہے کہ طبعیت کے نظام کو درہم برہم کرنے کے بعد سارے کا سارے زور انسان یا احتمال پر رہ جاتا ہے اور جدید طبیعیات نے اس سلسلے میں بہت چونا دینے والا کام کیا ہے۔ ڈونگ کا نظریہ ہم وقتیت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ نظریاتی تفصیل میں جانے سے پہلے آئیے اس پر ایک نظر ڈال لیں۔ یہ خیال رہے کہ فرانیز کی طرح ڈونگ محض منفی اثرات تک محدود نہیں تھا۔ اس کے لئے علم کے کئی دروازے پھر سے کھل گئے تھے، وہ بھی، جو جدید سائنس نے اپنی ٹھک نظری کے باعث انسان پر بند کر دیئے تھے۔

حواشی

۱۔ اس نام سے ڈونگ نے اپنے سلسلہ دعا شائع کروائے تھے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خود ڈونگ پر اس کے اثرات کتنے گہرے تھے۔

۲۔ ۷۸ پتوں کی تاش کی منظم بنیادی طور پر قسمت کا حامل بنانے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اگرچہ اسے جدید تاش کا آغاز کنندہ بھی سمجھا جاتا ہے، اس کے ساتھ کچھ تکمیل اب بھی کی گئی ہے۔ اس کا آغاز چودھویں صدی میں اٹلی میں ہوا۔ اگرچہ اس کی علامات کا تعلق کبھی زیادہ قدیم روایت کے ساتھ ہے۔ اس کی اصل منظم کو اب گرینڈ ارکانا (Greater Arcana) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ۲۲ پتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ کہا جاتا کہ ان کا تعلق عبرانی (Hebrew) زبان کے حروف تہجی سے ہے، یہ نمائندگی ہے قدرتی عناصر کی برائیاں اور خوبیاں کی اور ایک احمق (Fool) کی۔
۳۔ اسے اب جو کر کہا جاتا ہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں اس کو ۵۶ ایشیائی پتوں کے ساتھ ملا دیا گیا۔ وہ بھی اس زمانے میں الگ استعمال ہوتے تھے۔ ان کو کٹزارکانا (Arcana Lesser) کہا جاتا تھا، یہ ۵۶ پتے چار رنگوں (Suits) میں تھے۔ ان کو پیالے (Cups) گواریں (Swords) سلی (Money) اور ڈنڈوں (Clubs Or Rods) پر نمائندگی تھی، پادریوں کی، اشراف (Knave) اور خواب (Knight) کی باری آتی تھی۔

ہم وقتیت

SYNCHRONOCITY

ہم وقتیت ڈونگ کی زبان میں ایک ایسا اصول ہے جو علت کا قائل نہیں۔ ”یہ اصطلاح بھی اسی نے بنائی تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم وقتیت کی اصطلاح بہت ایسے واقعات کے درمیان رشتہ پیدا کرنے کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔ جو بظاہر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نظر آتے ہوں، مگر ایسے کافی شواہد موجود نہ ہوں کہ ان کو اسباب و معلول کے رشتے میں پروا جاسکے۔ مثال کے طور پر اگر دو لوگ یہ دریافت کریں کہ انہیں ایک گلی میں ملاقات کے ایک سلسلے سے واسطہ پڑا۔ یا پھر بہت سی گلیوں میں۔ ایک ایسے گھر کے سامنے جس کا دروازہ سبز رنگ کا تھا کوئی ایسا ممکنہ طریقہ ہے، جس میں باہر کے سبز دروازے کو ایک یقینی تعلق ثابت کیا جاسکے اور اس ملاقات کی نوعیت کے سلسلے میں کچھ کہا جاسکے جو کچھ کہا جاسکتا ہے، بس اس قدر ہے کہ یہ ایک ایسا تعلق ہے جس کی تشریح نہیں کی جاسکتی۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ سبز دروازے ملاقات کا سبب ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ یہ معاملہ ہم وقتیت کا معاملہ ہے اس لفظ کے لغوی معنی ہیں جو ایسے واقعات جو ایک ہی وقت میں ہوتے ہوں۔ مثال کے طور پر اس کے قریب ہی ایک فلمی اصطلاح (Synchronization) یہ اصطلاح اس وقت استعمال ہوتی ہے، جب مقرر اور آواز کو ایک خاص تعلق میں جوڑ دیا جائے اگر ایسا ہو کہ ہونٹ کسی اور طرح بل رہے ہوں اور بات کوئی اور ہو رہی ہو، جیسا کہ کئی بار آپ نے دیکھا ہو گا خصوصاً ان فلموں میں جن کی زبان بدل دی جاتی ہے۔ یا پھر کمرشل مشینیں (Strips) جیسے پوری طرح سکروڈائیو نہیں کرتیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ یہ تصور

کریں کہ ملاقاتوں کا ایک سلسلہ ہے، ہر کسی اور بڑے عمل کی وجہ سے پیشہ ایک سبز دروازے کے سامنے ہوتا ہے۔ آپ اسے منہ بھیڑ کر لیں۔ جس عمل کی وجہ سے یہ ہو رہا ہے، وہ ایک کائناتی عمل بھی ہو سکتا ہے۔ خیر کچھ بھی ہو وہ ادارے فیم سے بنا رہے۔ اگر اس عمل کو علامت کی زبان میں بیان کیا جائے، تو یہ ایک عظیم کونیاتی ہاتھ ہو گا جو دستانہ بنے ہوئے ہو گا اور یہ دستانہ دنیا بھر کے مادی عناصر سے بنا ہو گا اور اس کے اندر انگلیاں جیزی سے حرکت کر رہی ہوں گی۔ انکو خے کا عمل کلی میں منہ بھیڑ کا سبب بنتا ہو گا، جبکہ چھوٹی انگلی اس سارے عمل کو اپنی کارروائی کے ساتھ ہم آہنگ کرتی ہو گی، اور یوں سبز دروازوں کا واقعہ وقوع پذیر ہوتا ہو گا۔

ڈونگ نے ہم وقتیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار پہلی بار 1902ء میں کیا تھا اور اس نے اس کی بنیاد علم نجوم (Astrology) سے حاصل شدہ مواد پر رکھی تھی۔ اس نے 1900ء شادی شدہ جوڑوں کے زائچوں کو استعمال کیا تھا، جو کوئی ایک برس پہلے علم نجوم کے بعض مقاصد کے لئے جمع کئے گئے تھے۔ ڈونگ کو بخوبی یہ اندازہ تھا کہ اس نے علم نجوم کی بنیاد پر جو ثبوت حاصل کیا ہے اور جو طریقہ استعمال کیا ہے وہ زیادہ کامیاب نہیں ہے، مگر اتنا تو ہے کہ اس سے ایک بات تصور کی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ علم نجوم کا انحصار اسباب کے ایک سلسلے سے ہونے کا احتمال ہے۔ مگر زائچوں کے مطالعے سے اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ روایتی علم نجوم اور ان لوگوں کی زندگیوں میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔ اس کے خلاف مواد جمع بھی ہے شام تھے۔ چنانچہ ڈونگ نے لکھا :

ماہس کی کچھ ڈیالو، پہلی میں 1000 اکل چھ ٹیبل ڈال دو، دوسری میں دس ہزار اور تیسری میں 50 اور ہر ایک میں ایک ایک مفید چھوٹی ڈال دو۔ پھر ان ماہیوں کو بند کر دو۔ ہر ایک میں ایک ایک سورس کر دو۔ سورس اتنا ہو کہ اس میں سے صرف ایک چھوٹی ایک ایک وقت میں باہر نکل سکے، جو چھوٹی سب سے پہلے باہر آئے گی، وہ مفید چھوٹی ہو گی۔

اس کمال کی دلیل کے بعد، ڈونگ ہم سے وقتیت کو متعارف کرواتا ہے، اس کے نشانات اس نے سحر اور سریت دونوں میں پائے تھے۔ تعلق دو ایسے متوازی واقعات میں ہوتا ہے، جو ایک جیسی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ہم وقتیت انسان کے باطن تک بھی عمل پیرا

ہوتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ارفدہ (Transcedental) معنای اپنا اعداد ایک ہی وقت میں انسانی نفس اور بیرونی دنیا کے واقعات میں کریں۔

ڈونگ اپنے ہم و گھیت کے تصور کا کریڈٹ آئن سٹائن (Einstein) سے حاصل ہونے والے ذوق و شوق کو دیتا ہے۔ آئن سٹائن اور ڈونگ کی کئی ملاقاتیں آپس میں اس وقت ہوئیں جب آئن سٹائن ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۹ء اور پھر ۱۹۱۳ء-۱۹۱۴ء میں زیورچ (Zurich) میں پروفیسر تھا اس زمانے میں آئن سٹائن ابھی اپنا عمومی اضافیت (Relativity) کا نظریہ تشکیل دے رہا تھا۔ چنانچہ ڈونگ کے لئے یہ دلچسپی کا باعث تھا کہ وہ بھی زمان اور مکان کے درمیان کوئی امکانی رشتہ تلاش کرے۔

پھر ۱۹۲۰ء کے درمیان میں جب ڈونگ انتہائی لاشعوری کی دریافت کے عمل میں تھا تو اس نے بہت سی سیاسی ہم و گھیتیں دریافت کیں جن کی وہ تشریح نہ کر سکا۔ اس نے کہا یہ تو انطباقات (Coincidences) ہیں، جو اس قدر ہامسی طور پر ایک دوسرے سے متعلق تھے کہ ان کا اتفاقی طور پر وقوع پذیر ہونا کچھ اس درجہ غیر ممکن لگتا تھا کہ اسے ایک فلکیاتی (Astronomical) اصطلاح ہی میں بیان کیا جاسکتا تھا پھر اس نے ایک ایسا واقعہ بیان کیا جو ایک مریض کی بیوی کے ساتھ پیش آیا تھا اس کی ماں اور نانی کی وفات پر اس کمرے کی کھڑکی کے باہر جہاں لاش رکھی ہوئی تھی پرندے جمع ہو گئے تھے۔ ڈونگ کو یہ لگا کہ پرندے روح کے بندہ بر ہیں اور پھر اسے خیال آیا کہ بہت سے اساطیر میں بھی پرندے خداؤں کے قاصد ہی ہوتے ہیں۔

۱۹۳۰ء میں پہلی بار ڈونگ نے ہم و گھیت کی اصطلاح رچرڈ ولسلم کی یاد میں ہونے والے جلسے میں استعمال کی، رچرڈ ولسلم دی ہیں، جنہوں نے پہلی بار آئی چنگ کا ترجمہ جرمن زبان میں کیا تھا (ڈونگ ان علوم سے بہت متاثر ہوا تھا جن میں آئی چنگ، علم نجوم اور علم اعداد و Numerology اور اس طرح کے دوسرے علوم شامل ہیں) انکی برس کے بعد ڈونگ نے ہم و گھیت کو تلو کے ساتھ مسلوی قرار دیا تھا۔

اس نظریے کو مزید آگے بڑھانے کے لئے ڈونگ کی مددوی آنا کے ماہر طبیعیات ولف گینگ پاؤلی (Wolf Gang Pauli) کی تھی، وہ نوبل انعام یافتہ ہے اور آئن سٹائن کا ساتھی ہے اور اس نے غیر متقابل طبیعت کو ثابت کیا تھا۔ پاؤلی نے ۱۹۳۸ء میں نفسی تحلیل کے لئے

ڈونگ سے رابطہ کیا تھا پھر ڈونگ اور پاؤلی دونوں نے مل کر ایک کتاب لکھی تھی، جس کا نام تھا Interpretation And Nature Of Psche (۱۹۵۲ء) اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم وقتیت پر ڈونگ کا مضمون شامل تھا۔ ڈونگ کہتا تھا کہ ہم وقتیت ان واقعات میں پائی جاتی ہے، جو معانی کی سطح پر تو رشتہ رکھتی ہوں، مگر علت کی سطح پر نہیں (جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا انطباق زمیں و مکان کا نہ ہو)۔ پھر ایسے بھی واقعات ہیں، جن کا انطباق زمیں و مکان کی سطح پر ہو اور ان میں باہمی نفسیاتی تعلق بھی موجود ہو، اس پر مستزاد یہ کہ ہم وقتیت کی وجہ سے مادی دنیا نفسی دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم وقتیت کے واقعات آرکی ٹائپ کی بنیاد رکھتے ہیں۔

ڈونگ نے ہم وقتیت کی اصطلاح کا اطلاق بہت نفسیاتی اور پیرا نفسیاتی (Para Psychological) مظاہر پر کیا، مثال کے طور پر جے بی رائن (J.B. Rhine) کے ای۔ ایس۔ پی (E.S.P) (Extra Sesory Peception) کارڈز کی مدد سے ڈیوک یونیورسٹی میں اعزازہ لگانے کے تجربات کئے جاتے تھے۔ جیسے موجودہ زمانے میں عمومی طور پر۔ ہر علت تصور نہیں کیا جاتا۔ ڈونگ نے اپنے طور پر ذہنوں کے ساتھ جو تجربات کئے، اس کے بارے میں ہے، اس نے کہا کہ پیدا ہونے والی سائن (Sign) اور رفتی حیات کے انتخاب میں جو تعلق ہے، اس کی تشریح ہم وقتیت کے نظریے سے ہو سکتی ہے۔ اس بات پر ڈونگ شدید تنقید کا نشانہ بنایا کیونکہ علم نجوم پر انحصار کرنا ایک غیر سائنسی رویہ سمجھا جاتا ہے۔

اب رفتہ رفتہ ہم وقتیت، نفسیات اور پیرا نفسیات کی تحقیق میں، شعور کے بارے میں سائنسی رویوں میں زیادہ سے زیادہ بروئے کار ظاہر ہونے لگی ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ مختلف شعبوں میں تحقیق کرنے والے ہر بار اور ذہنیاتی طور پر ایک جیسے نتائج پر پہنچتے ہیں، حالانکہ انہیں ایک دوسرے کے کام کے بارے میں کوئی علم نہیں ہوتا۔ انیسویں صدی کے وسط میں جب ڈارون (Wallace) وینس (Herbert Spencer) ایک دوسرے کے کام سے واقف نہ ہونے کے باوجود ارتقاء کے نظریے پر کام کر رہے تھے اور ہنر تو سائنس دان یا حیاتیات دان بھی نہیں تھا اور رسل تو اسے فلسفی کے طور پر بھی قابلِ اعتناء خیال نہیں کرتا۔ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ ان سب کے مابین ہم وقتیت ہی قدر مشترک ہوا فریٹ جوف کپرا (Frit Jof Capra) نے اپنی کتاب (۱۹۸۵ء) The Tao Of Physics میں

کو انظم (Quantum) طبیعیات اور مشرقی خصوصاً فخر میں جو متوازنیت دریافت کی ہے، کہیں اس کے پیچھے بھی تو یہی اصول کارفرما نہیں ہے، پھر ڈونگ کے خیالات کی تصدیق جو ڈف یکسٹ بل (Joseph Campbely) نے اپنے اساطیری مطالعے سے بھی کی ہے۔

پھر ایف ڈیوڈ پیٹ (F. David Peat) نے اپنی کتاب Synchronicity
The Bridge Between Matter (۱۹۸۷ء) میں ایٹرک کیٹزل (Eric Kandel) کی
اصولی تحقیق کا بھی ذکر کیا ہے۔ کیٹزل نے سمندری حلزون یا گھونٹھے (Slug) کے مطالعے
کے بعد یہ نظریہ بتایا ہے کہ انسانی دماغ اپنی ساخت میں دن کے ہر لمحے میں مکمل جانے والا
(Unfolding) ہے۔ کیٹزل کا خیال یہ ہے کہ یہ عمل اس لئے وقوع پذیر ہوتا ہے کہ اس
فعال اطلاع کا ایک پس منظر موجود ہے اور یہ موجودگی خود دماغ کی ساخت میں بھی ہے اور
بیرونی ماحول میں بھی ہے۔ اس کا نتیجہ اس کے خیال میں جلدوائی طور پر ترمیم دماغ ہے، اس
کے علاوہ یہ بھی ہے کہ دماغ اس عمل میں صرف وصولی نہیں کرتا بلکہ وہ ایک وقت ایسے
عمل میں بھی ہوتا ہے کہ وہ بیرونی ماحول کو تبدیل کر سکے اور یوں ایک نئی حقیقت پیدا ہو جائے۔
عمل بیرونی کا یہ سلسلہ اس وقت مکمل ہوتا ہے، جب نئی حقیقت واپس دماغ پر اثر انداز ہوتی
ہے اور یوں ایک مسلسل بننے اور اطلاع دینے کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ اس نظریے کے
شائدار مضمرات ہیں۔ کیونکہ دماغ کے حقیقت کو تشکیل دینے میں نہ صرف طبیعی عمل ہی شامل
ہوتا ہے، بلکہ اس میں انسانی رشتے، معاشرے کی نوعیت اور ہر شخص کا تصور وانا بھی شامل ہو جاتا
ہے۔

پیٹ کا مشاہدہ یہ ہے کہ ہم وحشییت ایسے ذہن کو قدرتی بات لگتی ہے، جو مستقل طور
پر تبدیلی کے سلسلے میں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے ہم ایک ہی وقت میں عمل اور رد عمل کرتے ہیں
تخلیقیت (Creativity)، ہم ذاتی تالیف (Synthesis) میں نمود پاتی ہے۔ چنانچہ ہم وحشییت
تجزیاتی اور زیادہ انتہائی (Heuristics) حقیقت کے مابین ارتقا پیدا کرتی ہے۔ مظاہر کے
موسمی معانی معروضی تشریح کے ساتھ استخراج پیدا کر لیتے ہیں۔

ہم وحشییت اس افلاطونی ثنویت (Dualism) پر بھی نئی روشنی ڈالتی ہے، جس کے
بحث جسم اور روح الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس ثنویت کی وجہ سے مغرب کے معاشرے میں کئی
محصن مسائل پیدا ہوئے ہیں، جیسا کہ مادیت میں یا ایلمینٹلک (Allopathic) طب میں، یہ وہ

مضامین ہیں جو جسم پر ذہن کے اثرات کو قبول نہیں کرتے اور نہ ہی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے باہول خراب ہوتا ہے۔ ہم وقتیت کو بہتر طور پر سمجھنا ایک مسلمتی (Hollistic) رویہ ہے جو مشرقی فکری خصوصیات کا حامل ہے۔

ہم وقتیت میں جدید دلچسپی مناسب حد تک ہے، اس مسئلے میں کسی شخص کا ذرا سا بھی حساس ہونا اور حقیقتوں اور امکانات میں ہمہ گیر ہم آہنگی دیکھنا اور چیزوں میں خلائی کارجان نظر آ جانا جس پہلے سے کچھ محسوس ہی نہ کیا جاتا تھا ایک اہم بات ہے، کھلے دل و دماغ کے ساتھ دنیا کا مطالعہ کرنے سے فلسفے کو ایک نئی بنیاد میسر آتی ہے۔ اگر یہ نہ بھی سمجھا جائے کہ یہ بنیاد مذہبی یا دینی ہے۔ اس حوالے سے نئے سیاسی، ثقافتی اور عالمگیری احوال کے لئے اشتراکی بنیادیں تلاش کی جاسکتی ہیں۔

ڈونگ ایک ایسا نفسیات دان ہے جس نے اپنے عہد کے سبھی سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور جواب دینے وقت خود کو محض مغرب کے روایتی نقطہ نظر تک محدود نہیں رکھا۔ اس نے علم کی تلاش میں دنیا بھر کے علوم کو کھنگالا ہے، ان مضامین کو بھی جنہیں مغرب برے برے نام دے کر رد کر چکا تھا۔ عقلی علوم انہیں علوم میں شامل ہیں۔ حالیہ دور میں ان کا احیاء ہوا ہے، مگر ان کا احیاء ہونے میں ڈونگ کی کوششوں کو بے حد دخل ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، خود ڈونگ کے خاندان میں ان علوم کی کارفرمائی کئی نسلوں سے دیکھی جاسکتی ہے۔ مگر بے الجھ ہو کر اور جرأت کے ساتھ ان مضامین کو اپنانا اور انہیں مغرب کی سنجیدہ فکر کا حصہ بنانا نہ صرف ایک مشکل بلکہ بیسویں صدی کے آغاز میں ایک ناممکن کام تھا۔ اگرچہ فرانیز بھی ٹیلی ویشن کے بارے میں کچھ خیالات رکھتا تھا مگر اس نے ان خیالات کا اظہار اپنے لیکچر میں ڈرتے ڈرتے کیا تھا اور اپنے قریبی ساتھیوں کو جو خطا کہتے تھے، ان کو بھی شائع نہ کیا گیا تھا وہ فرانیز کی موت کے کوئی چالیس برس کے بعد شائع ہوئے تھے اور ان میں بھی کوئی ایسا بات نہیں تھی، جس کے ہونے کی وجہ سے دنیا بھر میں کوئی بہت بڑا طوفان کھڑا ہو سکتا ہو۔ کئی اور نفسیات دان اس سلسلے میں کہیں زیادہ جرأت معانہ باتیں کر چکے تھے۔ ان میں مثال کے طور پر ولیم سیکڈوگلی (William McDougall) اور ولیم جیمز (William James) وغیرہ شامل ہیں۔

جو لوگ تاریخ کے حوالے سے بدلتے ہوئے حالات کو دیکھتے ہیں، وہ یہ کہہ سکتے ہیں

بیسویں صدی میں وہ لہر آیا تھا جب انسان عقلی علوم کو پھر سے دریافت کرتا۔ خود نفسیات کے علم کا پس منظر سے نکل کر پیش منظر میں آجائے اس بات کا کافی ثبوت تھا کہ انسان کے پاس اپنے باطن سے رابطہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ ڈیوگ نے اپنی کتاب Modern Man In Search Of A Soul میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ جدید طرز حیات کی وجہ سے نفس کے اندر بعض ایسے مسائل پیدا ہو گئے ہیں کہ نفسی توازن کے بہت سے راستے بند ہو چکے ہیں۔ جن راستوں پر توازن آسانی سے سر کر لیتی تھی، اب ان کے بہتر ہو جانے کے باعث اسے اپنے لئے نیا راستہ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ یہ راستہ خود رس کا راستہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال دل کی ان شریانوں جیسی ہے جو بوجہ بند ہو جاتی ہیں اور انہماک پیدا ہو جاتا ہے، ان افضل کو معمول پر لانے کے لئے نئے نئے باطنی راستے پڑتے ہیں۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ جدید انسان جسمانی اور روحانی دونوں سطحوں پر اپنے لئے دوا اسیں کھڑی کرتا چلا جا رہا ہے۔ فرائیڈ کا تو یہ مسئلہ نہیں تھا وہ مرض کی تشخیص تو کر سکتا تھا مگر اس کے لئے جو نسخہ وہ تجویز کرتا تھا اس سے مرض کی علامتیں کچھ دیر کے لئے غائب ہو جاتیں تھیں، مگر مکمل صحت یابی اس لئے ممکن نہیں تھی کہ مریض کے معاشرتی اور روحانی رویوں میں بہت زیادہ تبدیلی رونما نہیں ہوتی تھی۔ مگر اس بات کا کریڈٹ بہرحال فرائیڈ کو دینا پڑے گا کہ اس نے مرض کی تشخیص کو محض جسمانی وجوہات تک محدود نہیں رکھا۔ اسے یہ ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ انسانی نفس یا انسانی ذہن انسان کی زندگی میں کتنا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر فرائیڈ اس سطح پر یہ بھی کچھ نہ کر چکا ہوتا، تو ڈیوگ کی نفسیات کو بھی عقلی علوم کے دمرے میں ڈال کر نظر انداز کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا۔ ڈیوگ نے آغاز مغرب کے روایتی انداز میں کیا تھا۔ وہ طب کا ماہر ہو جانے کے بعد نفسیات کی طرف آیا تھا۔ پھر اس نے فرائیڈ کی نفسیات کو اپنایا تھا اور فرائیڈ اس کے کام سے اس قدر متاثر تھا کہ اس نے اسے عقلی نفسی کی بین الاقوامی انجمن کا پہلا صدر اسے بنا دیا تھا۔

مگر ڈیوگ کی منزل یہ نہیں تھی، شروع ہی سے وہ نفس کے اندر زیادہ گہرائی میں اترنے کا خواہش مند تھا پھر اس کا خاموشی اور مذہبی پس منظر ایسا تھا کہ اس کی توجہ عقلی علوم کی طرف ہو جانا لازمی تھا، پھر مذہبی سطح پر حالات بھی ایسے ہو چکے تھے کہ نفس کے ماسٹرم کے اندر جھانکنا ضروری ہو گیا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود ڈیوگ بنیادی طور پر سائنس کا ایک

طالب علم تھ مگر اس زمانے میں خود سائنس کے اندر بعض تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں اور یہ تبدیلیاں ایسی تھیں جنہوں نے پوری سائنس کو اور خصوصاً طبیعیات کو بالکل ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں بیسویں صدی کو طبیعیات کی صدی کہا جاتا ہے۔ اس صدی کے آغاز ہی میں آئن سٹائن نے خصوصی نظریہ اضافیت (Special Relativity) متعارف کروا دیا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں اس کے چار معرکتہ آئارا مضامین ایک ہی رسالے میں شائع ہوئے تھے، اس اشاعت نے سارے منظر ہی کو بدل کر رکھ دیا تھا، پھر اتفاق ایسا ہوا آئن سٹائن کو پڑھانے کے لئے زیورچ آکا پڑا یہ زمانہ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۳ء تک محیط ہے، مجھے یہ تو ٹھیک سے اندازہ نہیں کہ اس زمانے میں آئن سٹائن کو کس قدر اہمیت حاصل تھی مگر اتنا اندازہ ضرور کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت بھی وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا، وہ اس زمانے میں اضافیت کے عمومی نظریے (General Relativity) پر کام کر رہا تھا یہ نظریہ ۱۹۱۵ء میں متعارف کروایا گیا آئن سٹائن کو ۱۹۲۱ء میں نوبل انعام کا حقدار قرار دیا گیا تھا مگر اس کی پیش گوئیوں کی تصدیق ۱۹۱۷ء میں ہوئی تھی اور وہ ساری دنیا میں مشہور ہو گیا تھا۔

لہذا ڈونگ اور آئن سٹائن کی ملاقاتوں کے زمانے میں آئن سٹائن مجھ پرے روزگار نہیں تھا لہذا یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ان کے درمیان ملاقات برابری کی سطح پر ہوتی ہوگی، خود ڈونگ اس زمانے میں اپنی پہچان کسی حد تک بنا چکا تھا۔ ڈونگ اس زمانے میں فرانیٹز کے ساتھ متعلق تھا۔ ڈونگ کا یہ تعلق عملی طور پر ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۳ء تک چلا تھا۔ یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہے کہ ڈونگ کس حد تک آئن سٹائن سے متاثر ہوا ہوگا، ڈونگ کے بارے میں لکھنے والے، جب اس کے نظریے ہم وقتیت پر بات کرتے ہوئے، یہ کہتے ہیں کہ جس طرح آئن سٹائن نے زمان کو مکان کی تیسری جہت بنا دیا تھا تو یہی ای کوئی کام ڈونگ بھی کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے ہم وقتیت کا نظریہ بنایا، جس میں دو طرح کے ایسے واقعات کو آپس میں جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے، جن کے مابین بظاہر کوئی قطعی رشتہ نہیں تھا۔ یہ ایک دلچسپ مفروضہ ہے مگر اس کی بنیاد تلاش کرنے کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ البتہ اس قدر تو کہا ہی جاسکتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک متوازنیت موجود ہے، مگر اس متوازنیت کا ہونا ایک عہد کا اپنا مزاج بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ڈونگ نے شعوری یا شعوری سطح پر آئن سٹائن کا اہلج بھی کیا ہو۔

مجھے معلوم نہیں کہ خود آئن سٹائن کا ڈونگ کی نفسیات کے بارے میں کیا خیال تھا؟ مگر اس قدر اعزاز ضرور کیا جاسکتا ہے کہ آئن سٹائن کو ڈونگ میں ایسی کوئی دلچسپی مشکل ہی سے ہوگی، ایک ماہر طبیعیات کے پاس اپنے مضمون سے باہر نکلنے کا وقت ہی کب ہوتا ہے، ڈاکٹر عبدالسلام کی طرح ایسے سائنس دان کم کم ہی ہوتے ہیں، جو اپنے لوگوں کا دکھ محسوس کریں اور تیسری دنیا کے ممالک اور خصوصاً پاکستان کو ایک ترقی یافتہ ملک بنانے کے لئے پوری کوشش کریں، ان کی کتاب مردان اور حقیقت، ایسے موضوعات پر مشتمل ہے جو بیک وقت سائنس اور اقتصادیات سے متعلق ہے۔ ایسی درمندی آئن سٹائن اور فرائیڈ یودی ہونے کی حیثیت سے صرف اسرائیل کے لئے محسوس کر سکتے تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ڈونگ کی ساری نفسیات ایک عیسائی پس منظر لئے ہوئے نظر آتی ہے۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ ہم پر اپنے ماحول اور دینی اعتقادات کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ آئن سٹائن سے ڈونگ کے جو بھی تعلقات ہوں، جب پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک آف نیشنز (League Of Nations) وجود میں آئی، تو آئن سٹائن سے کہا گیا کہ وہ کسی بے حد ضروری بین الاقوامی مسئلے پر کسی کو متنازعہ لکھنے کی دعوت دے، چنانچہ ۱۹۳۲ء میں آئن سٹائن کا سوال تھا ”کیا انسانیت کو جنگ کی صعوبتوں سے بچایا جاسکتا ہے۔“ اور یہ سوال فرائیڈ سے کیا گیا تھا۔ فرائیڈ نے اس کا جواب ایک خط کی شکل میں دیا تھا۔ آئن سٹائن نے یہ سوال ڈونگ سے کیوں نہیں کیا تھا؟ اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ سب سے بڑی وجہ شاید یہ تھی کہ ۱۹۳۲ء میں فرائیڈ یقیناً ڈونگ سے زیادہ اہمیت رکھنے والا نفسیات دان تھا۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ یودی تھا۔ بہرحال اس سوال کا کوئی حتمی جواب ممکن نہیں ہے، اب ضرور کہا جاسکتا ہے کہ آئن سٹائن اور ڈونگ کے سلسلے میں جو نسبت تلاش کی جا رہی ہے اور وہ موجود شواہد کی روشنی میں دور ازکار لگتی ہے۔

میں یہاں تک گھر پایا تھا کہ اچانک لکھنے سے میرا جی اچھا ہو گیا ویسے بھی میں مسلسل نہیں لکھتا۔ چھوٹے چھوٹے وقفوں میں لکھتا ہوں اور بعض اوقات یہ وقفے طویل بھی ہو جاتے ہیں اور جو کتاب چند دنوں میں لکھی جاتی چاہئے۔ وہ کئی ہفتوں بلکہ مہینوں میں پھیل جاتی ہے۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد میں نے پھر لکھنا چاہا تو طبیعت اسکل نہ ہوئی، میرا جی چاہا

کہ میں کپ ٹھن تصور KIP S Thorne کی کتاب میں نے اسے کئی ہفتے پہلے چھوڑا ہوا تھا۔ جو کچھ میرے سامنے آیا وہ آئن سٹائن کا وہ زمانہ تھا جو زمرہ میں گزرا تھا اور اس پر جو رائے زنی کی گئی تھی، وہ ہماری اس بحث سے بے حد متعلق ہے، جو ہم اس وقت کر رہے ہیں۔ کھانا جاسکتا ہے کہ یہ بھی ہم وقتیت ہی کی ایک مثال ہے۔
تھورن کہتا ہے (میں اس بات کو کسی قدر اختصار سے بیان کرتا ہوں)۔

اب جبکہ میں آئن سٹائن کے شائع شدہ سائنسی مضامین پر ایک نگاہ ڈال رہا ہوں اور میرے سامنے روس سے شائع ہونے والا انگریزی ایڈیشن ہے، میں یہی چاہنے پر مجبور ہوں کہ میں جرمن زبان سے ناواقف ہوں۔ میں نے یہ دیکھا ہے ۱۹۱۳ء میں آئن سٹائن کے فکری کردار میں ایک تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ ۱۹۱۳ء سے پہلے اس کے مضامین اختلائی شائدہا ہوتے تھے، ان میں گمراہی و جدان ہوتا تھا مگر ریاضی عام سطح کی تھی۔ استدلال ایسے تھا، جیسے میں اور میرے دوست ۱۹۹۰ء میں بھی استعمال کرتے ہیں، کسی نے کوشش ہی نہیں کی کہ ان استدلال کو بہتر بنایا جائے، ۱۹۱۳ء اور اس کے بعد کی تحریروں میں بے حد فرق ہے۔ ۱۹۱۳ء کے بعد ریاضی زیادہ پیچیدہ ہو گئی ہے۔ اگرچہ اس استخراج میں اب طبیعیات کے قوانین کی بصیرت بہت گئی ہے۔ ریاضی اور طبیعیات کا یہ استخراج جو تھولب (Gravity) کے سلسلے میں ۱۹۱۳ء سے ۱۹۵۰ء تک استعمال کیا گیا۔ پھر آئن سٹائن کو اپنے تھولبی قوانین تکمیل دینے تک لے آیا۔

لیکن آئن سٹائن نے ریاضی کے ان آلات کو غیر ضرورتانہ طریقے سے استعمال کیا۔ اس کے بارے میں ہلبرٹ (Hilbert) کی رائے یہ ہے کہ گوٹن گن (Göttingen) کی گلیوں میں موجود ہر پچہ چار ابعادی (Four Dimensional) جیومیٹری کو آئن سٹائن سے بہتر سمجھتا ہے۔ تاہم اس کے باوجود اس نے عمومی اضافیت کے تھولبی قوانین بنا دیے، اس لیے معلوم کسی اور ریاضی دان کے حصے میں نہ آئی۔ یہ اس لئے ہوا کہ صرف ریاضی چھائی کئی نہیں تھا۔ اس کے لئے آئن سٹائن کی یکمکے روزگار طبیعیاتی بصیرت کی بھی ضرورت تھی۔

لاواحقہ یہ ہے کہ لبرٹ نے غلطی سے کام لیا ہے۔ آئن سٹائن ایک اچھا ریاضی دان تھا اگرچہ وہ ریاضی کی کوئی سربراہ اور درخصیت نہیں تھا۔ جیسا کہ وہ طبیعیاتی بصیرت کے لحاظ سے جتنی قوت اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ $E=mc^2$ کے استدلال اب اس طریقے سے پیش نہیں کئے جاتے، جس طرح آئن سٹائن ان کو پیش کرتا تھا۔ لوگوں نے ہنریکس لابل نے ہیں اور اس کو شش میں کہ طبیعیات کے قوانین کو ہنریکس طریقے سے سمجھا جائے۔ ۱۹۱۵ء سے کچھ زیادہ سے زیادہ ریاضیاتی ہوتا چلا جا رہا ہے اور آئن سٹائن کی غالب شخصیت اس مقام سے نیچے ہی نیچے آئی چلی جا رہی ہے، جہاں وہ اس وقت حتمی تھا۔ اب یہ مشعل دو سروں نے سنبھال لی ہے۔

جس زمانے کے بارے میں یہ بات کی جا رہی ہے۔ یہ وہی زمانہ ہے جو آئن سٹائن نے زیادہ تر زور و جوش میں گزارا تھا۔ اسی زمانے میں ڈوگک سے اس کی ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ اسی زمانے میں ڈوگک بھی بدل رہا تھا و حتمی لاشعور کی دریافت کا زمانہ بھی یہی ہے۔ کیا کوئی ہم وقتیت آئن سٹائن اور ڈوگک کے مابین بھی تلاش کی جاسکتی؟ ایک ایسا سوال ہے کہ میرا بھی چاہتا ہے کہ کوئی اس کا جواب دے، مجھے تو ان کے مابین ایک معنوی متوازنیت نظر آتی ہے۔ حقیقت کی ایک لہری اس وقت دونوں کے اندر تیزی سے اٹھ رہی تھی۔ اس کے بعد کا زمانہ جیسا کہ تمہوں نے کہا ہے۔ آئن سٹائن کے زوال کا زمانہ تھا۔ مگر یہ بات ڈوگک کے بارے میں نہیں کی جاسکتی۔ ڈوگک نے اس زمانے کے بعد ہی اپنے بڑے بڑے تصورات اور نظریات بنائے تھے۔ ایک سوال بہرحال اہم ہے کہ ڈوگک پر طبیعیات کے ہمعصر دور نے کیا اثرات مرتب کئے تھے۔ آئن سٹائن اور ڈوگک کے بارے میں کچھ بات ہو چکی ہے۔ کچھ حوالہ فرٹ ہوف کیہرا کا بھی آیا ہے۔ ولف گینگ پاؤلی (۱۸۵۸-۱۹۰۰ء) کے بارے میں بھی بات ہوئی ہے، وہ ایک امریکی ماہر طبیعیات تھا مگر اس کی پیدائش آسٹریا میں ہوئی تھی۔ ۱۹۲۵ء میں اس نے ایک نظریہ تشکیل دیا تھا۔ جسے پاؤلی کے اخراجی اصول (Pauli Exclusion Principle) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس دریافت پر اس کو ۱۹۳۵ء میں نوبل انعام بھی ملا تھا۔ ۱۹۳۱ء میں اس نے یہ مفروضہ بنایا تھا کہ بیٹا (Beta) کی زوال پڑی (Decay) کے عمل میں اس کی کچھ توانائی ہے کیت (Masses) پارٹیکلز لے لیتے ہیں۔ ان پارٹیکلز کو فرمی (Fermi) نے نیوٹری

نوس (Neutrinos) کا نام دیا تھا۔ اس کا دو سرا اہم نظریہ پولی کا اخراجی اصول کہلاتا ہے۔ اس اصول کے تحت کوئی سے بھی دو فرمی آئن (Fermions) ایک حالت میں نہیں رہ سکتے۔ اس اصول کا اطلاق عام طور پر ایٹمی الیکٹرونز (Electrons) پر ہوتا ہے۔ جو ایک جیسے کوانٹم عدد کے سٹ (Set) نہیں بنا سکتے۔

اس اصول کی مماثلت ڈونگ کے نظریہ ہم وقتیت سے بھلی گئی ہے۔ پولی اور ڈونگ کے خیالات میں اس قدر مماثلت تھی کہ دونوں نے مل کر ایک کتب ”فلس کی توجیہ اور نوعیت“ کے عنوان سے لکھی تھی۔ اس ساری بحث میں جو بات سب سے زیادہ اہمیت کی حامل نظر آتی ہے وہ ہے طبیعت کے عمومی اور قبول شدہ نظریہ کا ٹوٹ پھوٹ جانا ہے تاکہ چھ ڈیڑھ بیوم (David Hume) (۱۷۷۶-۱۷۹۷ء) نے اسباب و معلول کے نظریے پر ضرب کاری لگائی تھی، اس نے کہا تھا کہ علت اور معلول ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں، مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ علت (Cause) معلول (Effect) کی وجہ ہے، اس کے پس منظر میں ضم انسانی کا محدود ہونا بھی ہو سکتا ہے۔

یہ ایک ایسی بات تھی جس نے سب کو چونکا دیا، پھر جو بھی ردائی فلسفی آیا اس نے بیوم کے اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی، مگر کسی سے ایسا جواب بن نہ پڑا جس سے مسئلہ جیسے کے لئے حل ہو سکے۔

خود آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کے اندر ایسے مضمرات تھے، جو ایسا ہی کوئی نتیجہ پیدا کر سکتے تھے، مگر آئن سٹائن اس معاملے میں بے حد روایت پرند تھا۔ اگرچہ اس کو نوبل انعام کو انٹیم طبیعیات کے حوالے سے ملا تھا مگر وہ کوانٹم سے حاصل ہونے والے کچھ نتائج سے اتفاق کرنے کے لئے تیار نہ تھا اور اس معاملے میں وہ بچوں کی طرح ضد کرتا تھا۔ یہ رویہ صرف اسی تک محدود نہیں، مغرب کے اکثر دانشور اس طرح کے اندھے دھبے (Blind Spots) پالتے رہتے ہیں۔ طبیعت کو قائم رکھنے کے لئے آئن سٹائن نے پورا زور لگا دیا تھا مگر بیس برس کی تک وہ دو میں اسے کچھ حاصل نہ ہوا، بلکہ اس کی عمر عزیز کے کئی برس اور وہ بھی آخری برس، اس تعصب کی نذر ہو گئے۔

کارل ورنر ہائیزن برگ (Karl. Werner Heisenberg) (۱۹۰۱-۷۶ء) ایک جرمن سائنس دان تھا۔ اس نے شوورڈنگر (Schrodinger) کے ساتھ مل کر کوانٹم میکانکس

کی تعمیر اضطراری تھی۔ ہائیزن برگ کی اہمیت کے اسباب تو بہت سے ہیں، مگر اس وقت ہم صرف اس کے اصول لا یتقن (Uncertainty Principle) پر بات کریں، جس نے نہ صرف طبیعیات بلکہ فلسفے پر بھی گہرے اثرات مرتب کئے تھے۔ اس کو ۱۹۳۲ء میں اس دریافت پر نوبل انعام دیا گیا تھا مگر ہائیزن برگ ان بڑے بڑے چند سائنس دانوں میں سے ایک تھا جو دوسری جنگ عظیم کے دوران نازیوں کے ساتھ رہے تھے، بلکہ وہ اس ادارے کا سربراہ تھا جسے ایٹم بم بنانا تھا مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے یہ کام اس وقت میکس پلانک انسٹی ٹیوٹ (Max Plank Institute) برلن میں ہو رہا تھا۔

جہاں تک ہائیزن برگ کے اصول لا یتقن کا تعلق ہے اس کے بارے میں کہا جاتا

ہے :

”اگر ایک ہی وقت میں پارٹیکل (Particle) کے مقام (Position) اور مقدار حرکت (Momentum) کی پیمائش کیا ہو، تو پھر خواہ پیمائش کیسی ہی صحیح کیوں نہ کی جائے حاصل شدہ نتیجے میں مقدار (Value) کے بارے میں ہمیشہ ایک بے یقینی رہے گی۔ اس بے یقینی سے نکلنے والا اصول دیا ہی ہو گا جیسے پلانک کا غیر متبدل (Constant)۔ ایسی ہی بے یقینی ایک ہی وقت میں موجودہ قوتوں اور ذرات کی پیمائش کے سلسلے میں بھی ہو گی۔ یہ بے یقینی اس لئے پیدا ہوتی ہے کیونکہ دیکھنے کا نظام اس کے اندر اس طرح مداخلت کرتا ہے کہ اس کا اندازہ پہلے سے نہیں کیا جاسکتا۔ بے یقینی یا لا یتقن کی اہمیت ایٹمی یا ذریعہ (Sub Atomic) سطح پر ہوتی ہے اس سطح پر طبیعت کا قانون شہادت کا شمار ہو جاتا ہے۔“

ڈونک کے ہم وقتیت کے نظریے پر غور کرتے ہوئے، مجھے بار بار یہ خیال آیا تھا کہ اس نے ہائیزن برگ کے اصول لا یتقن سے کچھ نہ کچھ استفادہ ضرور کیا ہو گا کیونکہ اس کے زمانے میں طبیعت کو توڑنے کے لئے یہی سب سے بڑی بنیاد تھی اور طبیعت پر ایسا کاری حملہ تھا کہ تمام کلاسیکی سائنس دان اس سے ہلچلا اٹھے تھے۔ ان سائنس دانوں میں خود آئن سٹائن بھی شامل تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر لا یتقن کا یہ اصول درست ثابت ہو جاتا ہے، تو سائنس کی کوئی بنیاد ہی نہ رہے گی اور ری بھی تو اس قدر مضبوط نہیں ہو گی، کہ سائنس دان کو ہمیشہ ہی

درست تسلیم کر لیا جائے۔ یہ گویا اقتدار چھن جانے کی گھنٹی تھی۔ اس کے بعد سائنس احتمال ہو گئی ہے، زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ کسی واقع کے ہونے کا غالب احتمال ہے یا نہیں ہے۔ اس نظریے کو اگرچہ ہائیزن برگ نے اپنی اور زیر اپنی سطح تک محدود رکھا تھا مگر جب اس کا اطلاق جہاں تکیر (Macrosom) پر کیا گیا تو حیران کن نتائج برآمد ہوئے اور اب تو یہ اصول بھی چیزوں پر وارد کیا جانے لگا ہے۔

جہاں تک ڈوئگ کا تعلق ہے میں نے اس کے اجتماعی کام (Collected Works) کے انڈکس میں کہیں بھی ہائیزن برگ کا نام نہیں دیکھا اور نہ ہی اصول لا حقیقہ کا کہیں ذکر ملا ہے۔ حالانکہ یہ اصول ہم وقتیت کو ثابت کرنے کے لئے سب سے بڑی دلیل ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، اس کی وجہ سے پارٹیکل کے مقام اور معیار حرکت کا مطالعہ ایک وقت میں ممکن ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس کے باعث پارٹیکل کے طور پر کردار ادا کرنے یا موج (Wave) کے طور پر نظر آنے کی کو ایک وقت میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، تو ایسی اور زبان کے متعلق تو اشارہ پہلے ہی سے موجود تھا۔ ڈوئگ نے شاید اس سے یہ مطلب لیا ہو کہ چونکہ ان کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا اس لئے ان کے اندر ہم وقتیت کا ہونا حتمی بات ہے حالانکہ یہی ثابت بات تھی جب ان دو عوامل کو جو اس بری طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، کہ ان کو الگ ہی نہیں کیا جاسکتا تو وجہ خواہ مشاہدہ کرنے والے کی بے جا مداخلت ہی کیوں نہ ہو، تو پھر اس سے بہتر ہم وقتیت کیا ہو سکتی ہے! اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو دنیا بھر میں کچھ اور موجود ہو یا نہ ہو ہم وقتیت ضرور موجود ہے۔ میرے لئے یہ بات احتمالی حیرت انگیز تھی کہ ڈوئگ اپنے استدلال میں اتنے بڑے عنصر کو فراموش کر گیا۔ ہم سب کے بلائٹ سپاٹ ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ڈوئگ کا بلائٹ سپاٹ (Blind Spot) ہو، اور پھر ہم پر یہ پابندی تو نہیں ہے کہ ہم ڈوئگ کے خیالات کو درست ثابت کرنے کے لئے کوئی نئی دلیل تلاش نہ کر سکیں۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ہائیزن برگ کے اس اصول کی وجہ سے جدید سائنس اور قدیم مٹی سزم (Musticism) قریب آئے ہیں اور ڈوئگ نے بھی ہم وقتیت کے ذریعے یہی کارنامہ سرانجام دینا چاہا تھا مگر اس کے معانی صرف نفس تک محدود نہیں رکھے جاسکتے تھے اس کا دائرہ کار کم از کم اتنا بڑا ہونا چاہئے تھا جتنا کہ خود عقلی علوم کا دائرہ کار ہے۔

آپ اس پہلو پر بھی غور کریں کہ ہم وقتیت کے لئے طیت کا غائب ہو چہ ڈونگ نے شرط بنا دیا تھا اور یہی کام ہارین برگ نے بھی سرانجام دیا تھا پارٹیکل کے مقام اور معیار حرکت میں کسی طرح کا قطعی رشتہ دریافت کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی پارٹیکل اور موج (Wave) ایک دوسرے کے لئے طیت و مطلق کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

واقی طور پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم وقتیت اور اصول لائینن ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں اور ان میں دیباہی تعلق ہے جوین اور ڈانگ میں پایا جاتا ہے۔

اُذن طشتری سے اُذن کھولے تک

یہ تو ممکن نہیں کہ اذن طشتری کا ذکر آئے اور ڈونگ کا ذکر نہ آئے، حالانکہ یہ بات تئیں سے نہیں کہی جاسکتی کہ اذن طشتری سے پیدا ہونے والے تمام حوااں کا مطالعہ ڈونگ نے اہتمام کے ساتھ کیا تھا۔ مگر اہ ضرور ہے کہ ڈونگ نے اس بظاہر بیرونی منظر کا رخ انسانی باطن کی طرف موڑ دیا تھا چونکہ میڈیا کے نقطہ نظر سے اذن طشتری پہلے نظر آتی تھی اور باطن کی طرف اس کا رخ بعد میں موڑا گیا تھا یا یہ بعد میں دریافت کیا گیا تھا کہ انسانی باطن کا کچھ تعلق کچھ واسطہ اس جملہ سے کی طرح گزر جانے والے آسانی منظر سے بھی ہے۔ میں نے اس مضمون کا عنوان ”اذن طشتری سے اذن کھولے تک“ ہی لئے رکھا تھا۔ حالانکہ انسان کی تصوراتی سکریں پر اذن کھولا صدیوں پہلے نمودار ہوا تھا۔ شاید اس کو ڈونگ کی زبان میں خلست مثل یا آرکی ٹائپ بھی کہا جاسکتا ہو۔

میں کوشش کروں گا کہ اس موضوع پر مسروضی بحث کی جاسکے، مگر ایسا کرنا سو فیصد ممکن نہیں ہے۔ انسان ہر چیز کو بھٹلا سکتا ہے، مگر وہ اپنے تجربے کی نلی نہیں کر سکتا۔ بعض روایتی سائنس دان جب اذن طشتریوں کے وجود سے انکار کرتے ہیں، تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ انسانی تجربے سے انکار ہے۔ نفسیات کے طالب علم کی حیثیت سے میں کسی توہم میں گھرے ہوئے مریض کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ توہمات ہیں، ”وہا ہے جس ہم ان کو بھول جلا اور اپنی نادر زندگی کا آغاز کرو، مرض اور اس کی صحت یابی کے درمیان ایک پہنچ ہوتا ہے، جو معالج کو قبول کرنا چاہتا ہے۔ پھر معالج اور مریض نفس کے اندر ایک نا آشنا سفر روانہ ہوتے ہیں اور کچھ معلوم نہیں ہو تا کہ آگے کیا واقعہ پیش آئے گا ممکن ہے آگے کوئی ایسا بل یا نہپ

(Trap) ہو جس کے اندر محتاج اور مریض دونوں ہی گرفتار ہو جائیں۔

دوسری طرف یہ کہنا بھی ممکن نہیں ہے کہ اڈن طشتری موجود ہی نہیں ہے اور وہ دیکھی ہی نہیں جاسکتی اور اس کا گزر ہمارے کنکلیں کی طرف ہو ہی نہیں سکتا۔ یا یہ کہ ہمارے علاوہ کوئی ذہین مخلوق کہیں موجود ہی نہیں ہے۔ کارل ساگان (Karl Sagan) پال ڈویج (Paul Davies) اور آنزک ایسی موف (Isaac Asimov) کی طرح ہمیں یہ تو کہنا ہی پڑتا ہے کہ ہمارے علاوہ ذہین زندگی کے ہونے کے امکانات موجود ہیں۔ بلکہ سرفریڈ ہائیکل (Fred Hoyle) کی طرح ہم پوری کائنات کو بھی ذہانت سے معمور سمجھ سکتے ہیں، اور کائنات میں بقول فریڈ ہائیکل یہ پیغام بھیجا گیا ہے کہ اگر کوئی ذہانت کہیں موجود ہے تو وہ ہم سے رابطہ کرے۔ یہ الگ بات ہے کہ خود فریڈ ہائیکل کا خیال ہے ایسا کوئی رابطہ ستر ہزار برس تک ہونے کا فی الحال کوئی امکان نہیں، مگر ستر ہزار برس کائنات کی تاریخ میں (انسانی زندگی کے حوالے سے) چند سیکنڈ سے زیادہ کا عرصہ نہیں ہے۔

میں اڈن طشتری کے اس مضمون کو کولن ویلسن (Collin Wilson) کے حوالے سے بیان کروں گا، مجھے لگتا ہے کہ اس سلسلے میں اس کی تقریریں بہت زیادہ قابل توجہ ہیں۔ مجھے اجازت دیجئے کہ اس مضمون کی حد تک میں پہلے فراہم شدہ مواد کو بیان کروں اور آخر میں، میں ڈونگ کے سلسلے میں چند باتیں گوفی گزار کروں، یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ڈونگ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے کا آغاز کیا تھا۔

اڈن طشتریاں بلاشبہ اس دور کا عظیم اسرار تھیں، جو دوسری جنگ عظیم کے بعد آغاز ہوئے ان کی تشریح کرنے کے لئے جو نظریات تشکیل دیئے گئے تھے، ایک طرف تو وہ یہ کہتے تھے کہ یہ کسی اور سیارے یا جہت سے آنے والی کوئی اعلیٰ تر مخلوق ہے، جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ کوئی مافوق الفطرت واقعہ ہے جو وقوع پذیر ہو رہا ہے، کچھ لوگ اسے بصورت پریت سے متعلق کوئی شے خیال کرتے تھے اور لوگ جو واقعی دانشور تھے ان میں سے سب سے زیادہ مقبول ہونے والا نظریہ ڈونگ کا تھا، جس نے یہ تجویز کیا تھا کہ یو ایف او (U.F.O) (Unidentified Flying Objects) یعنی وہ اڑنے والی اشیاء جو پہچانی نہ جاسکیں۔ انسان کے لاشعور کی عکاس تھیں، یہ گویا بڑے نرم اور علمی انداز میں یہ کہنا تھا کہ یہ اصل میں

موجود نہیں ہیں، یا یہ گویا کسی دیوانے کا کلابی رنگ کا باغی تھاگر ڈونگ کے مقلدین اس امر کو نظر انداز کر رہے تھے، یا جانتے ہی نہیں تھے کہ بعد میں ڈونگ نے ان مظاہر کے بارے میں کیا کہا تھا۔ اس نے اپنی موت سے بہت پہلے اپنی بھینچی (Milee) کو بتایا تھا کہ وہ اس بات پر ایمان لے آیا ہے کہ یو۔ ایف۔ او حقیقت میں موجود ہے۔

اس کہانی کا آغاز ۲۳ جون ۱۹۴۷ء سے ہوتا ہے جب جدید دنیا میں وہ پہلی بار دیکھے گئے تھے، ایک کاروباری شخص جس کا نام کینتھ آرٹلڈ (Kenneth Arnold) تھا اپنا ذاتی جہاز مونٹ رینئر (Mount Rainier) کے قریب واقع ریاست میں اڑا رہا تھا اور اس کے جہاز کے پیچھے پس منظر کے طور پر ایک پہاڑی تھی۔ اس نے دیکھا کہ نو چانددار طشتریں بہت تیزی سے اڑ رہی ہیں، اس کے اندازے کے مطابق ان کی رفتار ایک ہزار میل فی گھنٹہ ہوگی، یہ رفتار اس رفتار سے بہت زیادہ تھی جس پر اس زمانے میں کوئی بھی جہاز اڑ سکتا تھا، آرٹلڈ کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایک خاص ترتیب (Formation) میں اڑ رہی تھیں جیسے ہی جیسے کہ فس (Geese) اڑتے ہیں، بعد میں اس نے یہ کہا تھا کہ وہ ان طشتریوں کی طرح تھیں جن کو پانی کی سطح پر چھوڑا دیا گیا ہو۔ چنانچہ اڑنے والی ان چیزوں کا نام اڈن طشتریاں پڑ گیا۔

آرٹلڈ کی کہانی امریکہ کے اخباروں میں دور دور تک شائع ہوئی۔ آرٹلڈ کی شہرت بہت اچھی تھی، لہذا اس کی اس کہانی کو خاصی سنجیدگی سے لیا گیا، وہ اس وقت ایک ایسے جہاز کے طے کی تلاش میں پرواز کر رہا تھا جو چلا ہو چکا تھا۔ اس دوران اس نے یہ منظر دیکھ لیا تھا، لہذا اسے اس قسم کی کہانی گھڑنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں تھی۔ چار دن کے بعد دو جہاز اڑانے والوں اور دو ذہین افسروں نے ایک حیز روشنی کو ٹھکری میں میکسول ایئر فورس میں (Maxwell Air Force Base) پر ایک ناقابلِ یقین قماش کرتے ہوئے دیکھا اسی روز یہ واقعہ الاباما (Alabama) اور نوویڈا (Nevada) میں بھی پیش آیا، ایک اور پائلٹ (Pilot) نے ایسے معروض دیکھے، جن کو وہ پہچان نہ سکتا تھا (U.F.O) پریس میں یہ باتیں آتی شروع ہو گئیں، تو پریس نے بھی ان کو فوقیت دینی شروع کر دی اور دھڑا دھڑا اڈن طشتریوں کی خبریں شائع ہونے لگیں اور سال ختم ہونے تک ان نظاروں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی، اور پھر کچھ ہی دنوں میں یہ تعداد ہزاروں ہو گئی۔

اگلے ہی برس یعنی ۱۸۳۸ء کی جنوری میں ایک یو ایف او، گوڈمین فورس میں کنٹوکی (Kentucky) کے اوپر اڑتا ہوا دیکھا گیا، تین ایف او مستاکو (Mustago) طیارے تربیت کی مشق سے ہٹا کر اس کی کنوج میں بھیجے گئے، ان میں سے ایک طیارہ جسے کپٹن تھومس منٹل (Captain Thomas Mantell) اڑا رہا تھا، ملہ ہی پاتی دونوں طیاروں سے آگے نکل گیا۔ ریڈیو ٹاور سے رابطہ کرتے ہوئے اس نے کہا ”میں اپنے اوپر اور ذرا سا آگے کوئی شے دیکھ رہا ہوں۔ میں ابھی اور اوپر اٹھ رہا ہوں۔“ ٹاور سے پوچھا گیا۔ ”وہ کیا چیز ہے؟“ جواب ملا ”یہ دھلت کی بنی ہوئی کوئی شے ہے، مگر بہت ہی بڑی ہے“ پھر اس نے کہا ”وہ شے میرے اوپر آگئی ہے اور میں اس کے قریب ہوتا جا رہا ہوں، میری بلندی اس وقت میں ہزار فٹ ہے۔“ مگر یہ منٹل کے آخری الفاظ تھے، جو اس نے ادا کئے تھے۔ اسی دن کچھ دیر کے بعد اس کے جہاز کا لہر ایئر میں سے ۹۰ میل کے فاصلے پر بکھرا ہوا تھا۔

یہ پہل بچا دینے والی کمائی تھی۔ ایک ہوا باز کو اڑن طشتری نے ہلاک کر دیا تھا۔ ایئر فورس نے یہ اعلان کیا تھا کہ جس شے کو منٹل نے اڑن طشتری سمجھا تھا۔ اصل میں زہو (Venus) سیارہ تھا۔ اس کمائی کو گویا دیا گیا تھا کہ کسی عجیب بات ہے جب آرٹلڈ نے پہلی بار یو ایف او دیکھے تو ایئر فورس نے یہ کہا تھا کہ یہ آرٹلڈ کا فریب نظر ہے۔

اس بات سے افکار کرنا ممکن نہیں تھا کہ اخباروں میں شائع ہونے والی خبروں کی وجہ سے ایک ہسٹیریا (Hysteria) کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور بہت سے لوگوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے اڑن طشتریاں دیکھی ہیں، حالانکہ انہوں نے صرف موسمی غبارے دیکھے تھے، یا پھر کسی ہوائی جہاز کی پچھلی روشنی دیکھ لی تھی۔ مگر کیا ایسا ممکن ہے کہ ہزاروں لوگ، بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ لاکھوں لوگ، سب کے سب غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہوں۔ ۱۹۶۶ء تک سٹیپ پول (Gallop Poll) نے یہ انکشاف کیا تھا کہ اب تک پچاس لاکھ امریکی باشندے اڑن طشتریاں دیکھ چکے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ تو ایسے تھے، جنہوں نے انہیں بے حد قریب سے دیکھا تھا۔ ابھی آرٹلڈ کی روایت کو زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ ایک جہاز ایس ایس لینڈوری کیسل (SS Landoverly Castle) پر جو مہلکا سے کیپ جازن کی طرف سفر کر رہا تھا۔ ایک خاتون سزائے ایم کنگ (A.M.King) نے جو نیوی کی رہنے والی تھیں، عرشے پر ایک اور خاتون کے ہمراہ ایک ستارے کو چیزی سے جہاز کی طرف آتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر ایک سرائی

روشنی (Search Light) چلائی گئی تھی، جس نے جہاز کے ساتھ پچاس گز تک روشنی کو پھیلا دیا تھا۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ ایک سٹیل کی شے ہے، جس کی شکل سکر کی طرح کی ہے اور اسے پچھلے کنارے کی طرف سے ٹکٹ دیا گیا ہے، اور وہ جہاز سے تقریباً چار گنا پڑی ہے اور اس سمت میں سفر کر رہی ہے۔ پھر جہاز جا رہا ہے، وہ جلد ہی بہت تیز رفتاری سے غائب ہو گئی اور اس طرف سے شعلے نکلے ہوئے دیکھے گئے، جس طرح کنارے کو برابر کر دیا گیا تھا۔

تاہم اس قسم کی بہت سی رپورٹوں کے باوجود کہ ہزاروں ہاد آسمان پر اجنبی اشیاء دیکھی گئی ہیں، ایئر فورس اس بات پر اصرار کرتی رہی کہ یو۔ایف۔او کا آسمان پر نظر آنا شروع ہوا کوئی ہے، غلطی ہے یا محض بھوکا اس ہے، ایک سرکاری تحقیق جسے پراجیکٹ سائن (Project Sign) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ستمبر ۱۹۴۲ء میں شروع ہوئی تھی اور بعد میں اس کا نام پراجیکٹ بلیو بک (Project Blue Book) رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے شعبوں میں ایک ماہر تعلیمات جے ایلن ہائی ٹیک (J. Allen Hynek) تھا جس نے آغاز تکلیف سے کیا تھا مگر جلد ہی اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ یو۔ایف۔او کا دیکھا جانا ایک حقیقت ہے، مگر اس کے باوجود ایئر فورس اپنے موقف پر ڈٹی رہی۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے کے وسط تک یہ اعتقاد کہ وہ خالق کو چھپا رہی ہے، اس قدر وسیع بنانے پر پھیل گیا کہ ایئر فورس کو یہ حکم دینا پڑا کہ ایک اور سائنسی پینل (Panel) تشکیل دیا جائے۔ ایڈورڈ یو کونڈون (Edward U. Kondeon) جو ایک مشہور ماہر طبیعیات تھا اس پینل کا سربراہ مقرر کر دیا گیا۔ یہ سارا معاملہ کولوراڈو (Colorado) یونیورسٹی کی گمرانی میں ہو رہا تھا۔ مگر جب اس نے ۱۹۶۹ء میں اپنی رپورٹ شائع کی تو یہ بات بالکل واضح تھی کہ کولوراڈو یونیورسٹی کے سائنس دان اسی نتیجے پر پہنچے ہیں، جس پر ایئر فورس کے تحقیق کار پہنچ چکے تھے۔ یہ رپورٹ ۱۹۶۵ء صفحات پر مشتمل تھی۔ اس پر اخباروں نے سرفی لگائی تھی۔ آڈن طعنتیں موجود نہیں۔ ایک سرکاری بیان۔

ایک بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ بہت سی روایتیں اس قدر زیادہ بے حداز قیاس تھیں کہ ان پر جمیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تحقیق کا سارا میدان ان لوگوں سے بھر گیا تھا جو دیوانگی کے عالم میں بڑے بڑے دعوے کر کے غرض ہوتے تھے، ایک کتب جس کا نام آڈن طعنتیں اتر چکی ہیں، (Flying Saucers Have Landed) اور پولس نسل کے امریکی باشندے جارج آڈامسکی (George Adamsky) نے یہ دعوے کیا کہ ۱۹۵۲ء میں وہ اور بہت

سے طشتریوں کے دوجائے اپنی اپنی گاڑیوں میں کیلیفورنیا کے ریگستان تک جا پہنچے، اور ان کو راستہ بتانے والی شے آؤامسکی کی پیش آگاہیاں (Hunches) تھیں۔ اس نے ایک بہت بڑی سگاری کھل کی کوئی شے آسمانوں میں دیکھی۔ آؤامسکی اس وقت اپنے کمرے کے ساتھ اکیلا ہی گھوم رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کوئی آؤامسکی کے قافلے پر اڑن طشتری اتر گئی ہے۔ وہ بھاگ کر اس جگہ پر پہنچا اور اس نے دیکھا کہ اڑن طشتری موجود ہے۔ ایک چھوٹا سا آدمی جس کے سرے بال شانوں پر لہرا رہے تھے۔ وہاں موجود تھا دونوں نے اشاروں کی زبان میں ایک دوسرے سے بات کی۔ انجینی حلقوں نے بتایا کہ وہ وحش یعنی زہرو (Veners) سیارے کا رہنے والا ہے۔ پھر وہ اپنے خلائی جہاز میں بیٹھا اور اڑ گیا۔ اس کے دوستوں نے یہ سارا واقعہ ایک قافلے سے دیکھا تھا بعد میں انہوں نے اس سلسلے میں اپنے دستخطوں کے ساتھ ایک بیان جاری کیا۔ اپنی دوسری کتاب مینیس شپ کے اندر (Inside Spaceship) میں اس نے یہ بتایا کہ کس طرح وہ ایک اڑن طشتری کے سفر پر روانہ ہوا تھا۔ اس اڑن طشتری کا نام سگاریٹ شپ تھا۔ وہ اپنے زہرو کے دوست کے ساتھ تھا جس کی ہمراہی میں ایک منیخ کا آدمی اور ایک نرمل کا ہاشدہ تھے۔ اس موقع پر وہ بیس میں گئے تھے، آؤامسکی چاند پر گیا تھا جہاں اس نے ملتا ہوا سبزہ دیکھا تھا وہاں درخت بھی تھے اور وہاں اس کو کچھ چھپائے بھی نظر آئے تھے۔ اس کو زہرو کی تصویریں بھی دکھائی گئی تھیں اور اس کے لئے ٹیلیوژن سکرین استعمال کی گئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہاں شریں دریا ہیں اور جھیلیں ہیں۔ آؤامسکی ۱۹۶۵ء میں مر گیا تھا اور اس کے چار برس کے بعد پہلا انسان چاند پر اترتا تھا اور اس کے تین برس کے بعد ایک خلائی تقییش کے سلسلے میں میری نرملائی (Mariner-II) زہرو کے پاس سے گزرا تھا اور یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہاں کی فضا گندہک کے تیزاب سے معمور ہے اور سطح اس قدر گرم ہے کہ وہاں زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے آؤامسکی کو کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ خلا کے اندر یہ چھوٹی چھوٹی تقییشیں اس سفر کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہیں، جو اس نے زہرو کے رہنے والوں کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ لہذا اس نے اپنی زندگی کا آخری سال ان سامعین کو ساری دنیا میں خطاب کرتے ہوئے گزارا جو یو ایف او کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

آؤامسکی کا ایک دوست ڈاکٹر جارج ہنٹ ولیم سن (Dr. George Hunt Williamson) آؤامسکی کی پہلی ملاقات کا چشم دید گواہ تھا ولیم سن

من اہم شخصیت کی حیثیت حاصل کر گیا، اپنی کتاب ”عطشیاں بولتی ہیں“ (Saucer Speak) میں وہ یہ بتاتا ہے کہ کس طرح اس نے پہلی بار خود کار تحریر (Automatic Writing) کے ذریعے اٹلنٹس کے مقیموں سے رابطہ پیدا کیا اور پھر بعد میں ایک ریڈیو آپریٹر (Operator) بنے وہ مسٹر آر کے پام سے پکارتا ہے، کس طرح بغیر کس دیکھے کے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کی غلطی حلق کا تعلق منخ (Mars) سیارے سے تھا۔ جس کو وہ لوگ ماسار (Masar) کہتے تھے، اور وہ یہ بیان کرتے تھے کہ زمین اپنے آپ کو خود چلا کر دینے کے عظیم خطرے سے دوچار ہے۔ خیر و شر کی قوتیں اب بری طرح برسرِ پیکار ہیں، تمہاری بقا کے لئے ضروری ہے کہ تم لوگ منظم ہو جاؤ۔ بیس کے اندر موجود ذہانت چھپے ۵۵۰۰۰ برس سے اس کا مشاہدہ کر رہی ہے، اور اب وہ اس بات پر آمادہ ہوئی ہے کہ وہ زندگی کے بارے میں حیران خفاقی کو ظاہر کر دے تاکہ زمین کو بچایا جاسکے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بتانے پر بھی آمادہ ہیں کہ نظام کائنات میں خدا اور خالق کا کردار کیا ہے؟ ایک اور کتاب میں جس کا نام Secret Places Of The Lion (اسد کے خفیہ مقامات) میں ولیم سن نے، ان میں سے بعض رازوں کا انکشاف کیا ہے۔ اس کا دعوے یہ ہے کہ اس نے پرو (Peru) کی عظیم پہاڑیوں کے درمیان ایک گمشدہ شہر کے عظیم کتب خانے سے بہت کچھ پایا ہے، اس عظیم کتب خانے میں پرانے وقتوں کا ایک عظیم استوا اب بھی بچا ہوا ہے اور کام کرتا ہے (اس عظیم استاد کی عمر ہزاروں برس ہے، وہ اس زمانے سے زندہ ہے، جب اس زمین پر دیو بیکل گھوما کرتے تھے۔) اس کتب خانے میں، (جس کے مخلوطوں کا ترجمہ قدیم زبان سے ہیراگیوں (Monks) نے کیا ہے۔) یہ بتاتے ہیں کہ ستاروں کی مخلوق کوئی ۱۸ ملین برس پہلے (انسان کے دنیا میں ظاہر ہونے سے بہت پہلے) اس زمین پر اتری تھی اور اس کے بعد سے اب تک وہ انسان کو ٹو پڈ بر ہونے میں مدد دے رہے ہیں۔ یہ اسٹل (Reords) مقبروں اور خفیہ کمروں میں رکھی گئی ہیں اور ان کا ایک غلطی جہاز اس وقت عظیم اہرام مصر (Great Pyramid) کے تہ خانوں میں موجود ہے۔ یہ تہ خانے کوئی ۲۳۰۰۰ سال پہلے بنائے گئے تھے (ان کی عمر محض ساڑھے چار ہزار سال نہیں ہے، جیسا کہ مصوٰات (Egytologists) سمجھتے ہیں۔ عداؤں کے رہنے والے یہ لوگ عظیم رہنماؤں کے طور پر مسلسل جنم لیتے رہے ہیں۔ وہ پوری انسانیت کے بے بدل رہنما ہیں۔ چنانچہ یی (Yihl) جو تیسرے امن ہو تپ (Amenhotep) کی پوری حقی شیا کی جگہ،

نفرٹی لی (Nefertiti) کو جو ملکہ گوئی ویتز (Guinevere) بنی (یعنی بادشاہ آر تھری کی بیوی) اور
 ہر جان آف آرک (Joan Of Arc) جبکہ مصر کا شہنشاہ سیتی (Seti) مسیح (Isaah) پھر
 ارسطو پٹا اور پھر کتاب مقدس کا یوحنا (John) اور پھر لیونارڈو ڈا وینچی
 (Leonardo Da Vinci)۔ اسد کے خفیہ مقامات اصل میں کرۂ ارض کی تاریخ ہے اور
 اسے بطور ایک تاریخی تفریح، بلاشبہ ایک اعلیٰ مقام کا درجہ ملنا چاہئے۔ مگر اس بات کی معافی و عفو
 سن کو مل جاتی چاہئے کہ اس نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جس طرح آڈا مسکی اپنا پہلو
 بچا کر صاف نکل گیا تھا، ایسا ہی خوش قسمت وہ بھی ہوگا۔

اژن عشقروں کے قصے کہانیوں کا ذکر کرتے ہوئے کولن ولسن نے ”جادوگروں کی
 صبح“ (Morning Of The Magicians) کا ذکر بہت تھپک انگیز چرائے میں کیا ہے۔
 یہ کتاب لوئیس پاولز (Louis Pauels) اور جیکس بریجز (Jacks Bergler) نے لکھی
 تھی اور فرانسیسی زبان میں ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی اور شائع ہوتے ہی اس نے حلقہ چاڑھا تھا۔ یہ
 کتاب دو ناموں سے انگریزی میں ترجمہ ہوئی ہے، دو سرا نام Dawn Of Magic نام نے
 اس کتاب کو ایک سنجیدہ کتاب کے طور پر پڑھا تھا اور اب ڈونگ پر کتاب لکھتے ہوئے میں نے
 خالصہ اسرار کے بعد محترم اشفاق احمد سے یہ کتاب حاصل کی تھی۔ اس کتاب کے بارے میں یہ
 سمجھا جاتا ہے کہ اس نے قرون وسطیٰ کے خدائوں کو غیر متعصب انداز میں بیان کیا تھا اور کچھ
 ایسے خدائوں کی نشاندہی کی تھی، جس کو موجودہ مغربی دانشور جان بوجھ کر چھپا رہے ہیں۔ اب
 کولن ولسن کے حوالے سے یہ کتاب ایک غیر ذمہ دارانہ تالیف بیان کی گئی ہے۔ میں اس کے
 بارے میں جتنی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر اتنی بات ہے ضرور کہ اس میں درج شدہ خدائوں
 نفاذ اور غیر سنجیدہ نہیں ہیں۔ بعض باتیں متنازعہ ہو سکتی ہیں اور ممکن ہے نفاذ بھی ہوں۔

ڈونگ کی کتاب میں یہ باب شامل کرنا بعض قارئین کی نظر میں غلط بات ہو سکتی ہے،
 مگر اس باب کے حوالے سے میں وہ پس منظر بیان کرنا چاہتا ہوں، جس میں عقلی علوم کو جدید
 عہد میں سمجھا اور پرکھا جاتا ہے۔ عقلی علوم کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سراسر دھوکا ہے، یا وہ
 محض سچائی ہے۔ درست نہ ہو گا یہ ایک ایسی زمین ہے جس پر پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑے
 گا۔ ایسا کوئی معیار فراہم نہیں کیا جاسکتا ہے جس کی مدد سے ہر بات کو پرکھا جاسکے۔ مگر ڈونگ

کے حوالے سے اہم بات یہ نہیں ہے کہ یہ حقائق درست ہیں یا غلط ہیں بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ انسانی نفس ان سے کس طرح متاثر ہوتا ہے اور کس طرح ان کے ذریعے اپنا انعکاس کرتا ہے۔ اس کہ ارض پر انسان نے لاکھوں برس گزارے ہیں اور ان برسوں میں وہ جن تجربات سے گزرے ان کا ایک کس اجتماعی لا شعور میں موجود ہے۔ جب ڈونگ نے اجتماعی لا شعور کو دریافت کیا تو اس کا اگلا قدم عقلی علوم ہی ہو سکتے تھے۔ انسانی نفس کی حد تک جدید سائنس ایک بہت ہی نئی چیز ہے، جس کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے میں اس کو ابھی ایک طویل مدت درکار ہو۔ مگر جو رشتے انسان اپنے ارد گرد بنا چکا تھا وہ ایک لمحے کے اندر ختم نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے میں نے پچھلے باب میں پہلے عقلی علوم کو بیان کیا پھر ان کے سلسلے میں ڈونگ کی توجہ پر پیش کی۔

جدید سائنس کا رویہ ان کو انک کے سلسلے میں ہمدردانہ نہیں ہے، انہوں نے جو معیار بنایا ہے، ہر شے کو اسی کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں بھی بہت جلدی کرتے ہیں، لہذا جو کچھ وہ رد کرتے ہیں کچھ دنوں کے بعد ہساو وقت قبول کرنا پڑ جاتا ہے اور جو کچھ قبول کرتے ہیں اس کے رد کئے جانے کے امکانات سے بہر حال انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مجاہد گروں کی صبح کا تہجد دنیا کی کئی زبانوں میں ہوا تھا اس کے حوالے سے بہت سے اسرار زیر بحث آئے تھے، ان میں کیمیا گری، علم نجوم، کالا جادو، قدیم زمانے کے انسانی شاہکار (Artefacts) اور اہرام مصر کو زیر بحث لایا گیا تھا۔ مگر اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہماری زمین پر بہت سا ایسا علم موجود ہے، جو دوسری دنیاؤں سے آنے والے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ مثل کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ پیری ریس نقشے (Piri Rels Maps) جن کا تعلق ۱۶ ویں صدی کے ساتھ ہے، جس میں قطب جنوبی (Antarctica) کو دکھایا گیا ہے (اگرچہ اس کی دریافت تین سو برس بعد تک ہو سکی تھی)، اسی نقشے میں ایک پل بھی ہے جو ساہیو اور الاسکا کے درمیان بنا ہوا ہے۔ یہ پل ہزاروں برس پہلے معدوم ہو گیا تھا اور اس کی جگہ برنگ سٹریٹ (Bering Strait) نے لے لی تھی۔ اس کے بعد وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دو ہزار برس سے بھی پہلے اس زمین کا سروے (Survey) فضا سے کیا گیا تھا۔ ان باتوں کے علاوہ بھی یہ کتب قطبوں سے ہماری پڑی ہے۔ مثل کے طور پر اس میں پیری ریس (Piri Rels) کا ذکر ہے ایک ترک قزاق تھا (اس کی گردن ۱۵۳۵ء میں اڑا دی گئی تھی) اس کو انیسویں صدی کا امریکن ٹیوی کا اسرطافہر کیا گیا ہے، مگر ان سب باتوں کو باوجود یہ حقیقت

ہے کہ اس کتب نے تسلسلہ بچا دیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس نے ان یوفاولوجسٹس (Ufologists) کے لئے مواد فراہم کر دیا ہے، جن کو یقین ہے کہ اژن طیشیاں کئی صدیوں سے ظاہر ہوتی چلی آ رہی ہیں، اور ان کا خیال ہے اس کا ذکر تو انجیل میں بھی موجود ہے۔ (جیسے پیغمبر حزقیل (Ezekiel) کا آتشیں رتھ (Fiery Chariot)۔

لیکن قدیم زمانے کے خلا نوردوں (Astronaut) کی کہانی ۱۹۶۷ء میں آخر کار اپنے کمال کو پہنچی اور اسے بے شمار سامعین میسر آ گئے۔ یہ سب کچھ ایک کتاب کی وجہ سے ہوا جسے آنکھ کی یادداشت 'Memories Of The Future' کہا جاتا ہے، انگریزی میں اس کا ترجمہ Charlots Of The Gods کے نام سے ہوا ہے۔ ایک انگریزی اخبار نے قسط وار شائع کیا اور اس کا عنوان "کیا خدا ایک خلا نورد تھا" رکھا، اس کتاب کے مؤلف ایرک وان ڈینیکن (Erich Von Deniken) نے بہت کچھ پورٹو ریکو سے لکھا کیا۔ مگر یہ بتانے کی ضرورت نہ سمجھی کہ یہ مستعار ہے۔ اس میں جن لوگوں سے استفادہ کیا گیا تھا ان میں ولیم سن، بریجنز اور پاؤلز وغیرہ شامل تھے مگر اس نے خود اپنی شکایت پٹائی اور اسے انفرادی طرہ اعتبار (Panache) ظاہر کیا۔ اس کا سارا استدلال بنیادی طور پر اس ادعا پر انحصار کرتا تھا کہ بہت سی قدیم یادگاریں (Monuments)۔ اہرام مصر، میسوپوٹامیائی لینڈ ٹے چور (Easter Island Statues) سٹونہینج (Stonehenge) اور (Megazlithes Of Carnac)۔ خلا سے آنے والے لوگوں کی عدد سے بنائے گئے تھے۔ کیونکہ ان کو بنانے کے لئے جو ٹیکنالوجی استعمال ہوتی ہے، وہ ان لوگوں سے بہت بلا تھی، جن سے یہ منسوب کئے جاتے ہیں۔ یہ جھوٹ کا ایک پلندہ ہے۔ مثال کے طور پر وہ اہرام مصر کے وزن کو پانچ سے ضرب دیتا ہے اور پھر ایسی کہانیاں بیان کرتا ہے، جو ہمیشہ کے رزمیہ (Epic Of Gilgamesh) کے اندر اس کے خوالے کے باوجود موجود نہیں ہیں۔ اس کے تمام بڑے دلائل ناقص ثابت ہو چکے ہیں۔ وہ اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ ایسٹر جزیرے کے مجسمے اتنے بڑے ہیں کہ مقامی لوگ ان کو نصب نہیں کر سکتے تھے۔ مگر ایک مم کے دوران قصور ہیرڈال (Thor Heyerdahl) نے ایسٹر جزیرے کے جدید باشندوں کو اکسایا کہ وہ ایک ایسا ہی نیا مجسمہ بنائیں اور اس کو نصب کریں۔ یہ کلم انہوں نے چند ہفتوں میں کر دکھایا۔ ڈینیکن نے اس بات پر بھی اصرار کیا تھا کہ اہرام مصر بھی خلا نوردوں کے بنائے

ہیں، کیونکہ مصریوں کے پاس اسی قسم کی کوئی شے نہیں تھی، لیکن جو تصاویر اہرام کے اندر موجود ہیں ان میں اس کے استعمال کو بھی دکھایا گیا ہے۔ جس شے کے بارے میں ڈینی کن کا دعویٰ تھا کہ وہ کسی ایسے انسان کی تصویر ہے جو بیس شپ میں لوہے کی طرف اٹھ رہا ہے، یہ تصویر گوئے ملا (Quate Mala) کے پینٹنگ (Palenque) مقبرے کے ایک تھوڑے پرانی ہوئی ہے، مگر اس کے حلق یہ کہتے ہیں یہ لاپاز سب کی ایک عمومی مذہبی تصویر ہے۔ جو اس کی بنیادی علامتوں سے بھری ہوئی ہے۔ پھر وہ یہ بیان کرتا ہے کہ چرو (Peru) کی وادی میں چنے ہوئے پراسرار نازکا (Nazca) خطوط کسی ایسی تشکیل (Structure) کی مثال ہیں، جس کا مفہوم صرف اس وقت واضح ہوتا ہے، جب اسے بلندی سے دیکھا جائے اور پھر وہ کہتا ہے کہ یہ خلائی جہازوں کے احتمالی بڑے مشرق تھے، اس نے ایک تصویر بٹائی اور ایک کو کھڑے بھی دکھایا تھا لیکن یہ خطوط انگوروں سے بھرے ہوئے ریگستان کی سطح پر پھیلے ہوئے ہیں اور اگر کوئی جہاز واقعی وہاں اترے تو اس کی قربت کی وجہ سے یہ نگر اڑ جائیں گے۔ جس شے کو جہازوں کے ٹھہرنے کا مقام بتایا گیا تھا وہ کسی پرندے کی ٹانگ کے گھٹنے کی ہڈی کی تصویر تھی اور اتنی بڑی نہیں تھی کہ اس پر ایک سائیکل بھی کھڑی کی جاسکے۔ ڈینی کن نے اصرار کیا تھا کہ یہ کسی ایڈیٹر کی غلطی ہے، مگر اس کے باوجود یہ تصویر کتاب کے اگلے ایڈیشن کے اندر بھی موجود تھی۔

ریگستان کی سطح کے بارے میں ڈینی کن کا وہیہ احتمالی دلیلانہ تھا۔ ایسی ہی ایک مثال Gold Of The Gods میں بھی نظر آتی ہے۔ جہاں ڈینی کن ہڈیوں کے ڈھانچے کی فوٹو گراف دکھاتا ہے، جو پتھر کے اندر کھودی گئی ہے اور یہ سوال اٹھاتا ہے کہ انیسویں کی ابتداء سے پہلے قدیم بت تراش آخر ان ہڈیوں کے بارے میں کیسے جانتے تھے۔ وہ یہ بھول گیا کہ دنیا کا ہر قبرستان ان ہڈیوں سے بھرا ہوا ہے۔ پھر اسی کتاب میں ڈینی کن نے دعویٰ کیا کہ وہ ایک زیر زمین شہر کے اندر گیا تھا جہاں اس نے کتابوں کی ایک خفیہ لائبریری دیکھی تھی، یہ کتابیں دھلت کے اور ہلق کی مدد سے بنی ہوئی تھیں۔ اس کا ساتھی ایک مم جو جان مورکز (Juan Moricz) تھا۔ جب مورکز نے اس کتاب کی صحت سے مکمل طور پر انکار کر دیا تو پھر ڈینی کن نے جلدی جلدی میں یہ استدلال آگے بڑھایا کہ اس نے زیر زمین لائبریری کا قصہ خود گھڑا تھا مگر اس کے ساتھ ہی اس بات پر اصرار کیا کہ جرمنی میں مقبول نان فکشن (Non Fiction) مصنفین کو یہ اہانت ہوئی ہے کہ وہ بعض خاص اثرات پیدا کرنے کے

لئے ایسی باتیں بھی بیان کر دیں جو سفید جھوٹ ہوں، بشرطیکہ وہ صرف واقعاتی ہو اور ان سے حقیقت بخروج نہ ہوتی ہو۔ مگر ان غلطیوں کے باوجود جو اسے بار بار اصرانی پڑی تھیں۔ فنی کن مزید کتابیں لکھتا رہا اور اس کے ساتھ ہی وہ یہ دعوے بھی کرتا رہا کہ اس کی ہر کتاب خلاوردوں کے نظریے کو کسی بھی طرح کے شک و شبہ سے بالاتر کرتی چلی جا رہی ہے۔

یہ بات سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ یو فالو جسٹس کی کتابوں کے سیلاب نے سمیڈہ تھیتس کرنے والوں کے لئے تسخیر اور تھینک کا کون کون سا موقع پیدا نہیں کیا ہو گا۔ مگر اس کے باوجود کچھ استغنی ضرور موجود ہیں۔ بے ڈن ہائی ٹک (J. Allen Hynek) جیسا کہ ہم پہلے بھی مشاہدہ کر چکے ہیں، وہ پراجیکٹ نیلی کتاب (Project Blue Book) کا حصہ ہے اور جن شواہد کا اس نے آخر کار مطالعہ کیا اس سے اس پر یہ نکلا کہ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ کتنے دیوانے سلاہ لوح لوگ، اور سفید جھوٹ بولنے والے حقیقتوں کو مسخ کرنے کی کوشش کریں۔ حقائق ہر صورت یہ تو حلیت کر دیتے ہیں کہ اڈن طیشوں کا وجود ہے اور خلائی انسان بھی موجود ہیں۔ یہ ہائی ٹک ہی تھا جس نے ”تیسری قسم کے برہمی سامنے“ (Close Encounter Of The Third Kind) کی اصطلاح بنائی تھی، جس کا مطلب ایسا آتما سامتا تھا جو زمین پر اترتی ہوئی اڈن طیشی اور انسان جیسی مخلوق (Humanoids) کے ساتھ ہوا ہو، اس نے اپنے باب کا آغاز اسی سے کیا تھا اس کی کتابیں The U.F.O Experience اور A Scientific Enquiry ہیں اب ہم یو۔ ایف۔ او کے ایک ایسے پہلو کی طرف آتے ہیں جو سب سے زیادہ عجیب اور ناقابل یقین ہے۔ جی بات تو یہ ہے، اگر میرے بس میں ہو تا تو میں اس باب ہی کو نظر انداز کر دیتا مگر کیا کیا جائے، اس سے سائنس ارجاٹ بخروج ہونے کا خطرہ ہے۔ وہ اس سلسلے میں بہت سے واقعات بیان کرتا ہے اگرچہ وہ بہت مشتبہ لگتے ہیں مگر ان کی ایسی شواہدیں موجود ہیں کہ ان کو اس طرح رد نہیں کیا جاسکتا۔ میں ایک ہی اس طرح کا واقعہ بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔

۱۱ اگست ۱۹۵۵ء کو کن ٹوکی کے ایک مقام کیلی۔ ہوپ کنس ویلے (Kelly Hopkins Ville) میں کھیتوں کے درمیان ایک اڈن طیشی اترتی ہوئی دیکھی۔ ایک گھنٹے کے بعد سٹن (Sutton) خاندان کے لوگ کتوں کے بھونکنے کے باعث اپنے فارم ہاؤس میں کسی اجنبی کی موجودگی کے بارے میں آگاہ ہوئے اور انہوں نے ایک چھوٹا سا آدمی

دیکھا جس میں سے روشنی نکل رہی تھی اور اس کی آنکھیں بہت بڑی تھیں اور اس کے بازو اوپر اٹھے ہوئے تھے۔ سٹن خاندان کے دو لوگوں نے اس پر گولی چلائی، ایک گولی راتھل سے اور دوسری شلت گن سے چلائی گئی، اور ایسی آواز آئی گویا یہ گولیاں کسی ہائی یا ڈول (Bucket) سے نکل رہی ہوں، خلا نورد پیچھے کی طرف مڑا اور جلدی جلدی قدم اٹھانے لگا پھر کمزری پر ایک اور چہرہ ظاہر ہوا ایک بار پھر راتھل چلائی گئی اور پھر وہ یہ دیکھنے کے لئے بھاگے کہ آیا اس کو گولی لگی بھی ہے یا نہیں، پھر ان میں سے ایک بھت کے ایک ایسے حصے کے نیچے آکر ٹھہر گیا جو بہت نیچا تھا ایک پنجہ قسم کا ہاتھ اوپر سے آیا اور اس نے ایک کے بالوں کو پھولیا، جو مخلوق بھت پر تھی پھر اس پر کچھ فائر کئے گئے، جو اس کو سیدھے لگے، مگر اس کے باوجود وہ مخلوق نیچے اتری اور جلدی جلدی بھاگنے لگی اس کے بعد تین کھینے تک خاندان کے گیارہ رکن وہیں بند رہے کیونکہ دروازے کو باہر سے کنڈی لگا دی گئی تھی اور انہوں نے خلا نوردوں کو کنڈیوں میں سے دیکھا۔ پھر آخر کار وہ کسی طرح بند دروازوں سے باہر نکلے، دو کاروں میں بیٹھے اور کاروں سمیت قریبی قلعے میں پہنچ گئے مگر پولیس خلا نوردوں کا کوئی نشان تلاش نہ کر سکی، لیکن جو خفیہ وہ چلے گئے خلائی مخلوق پھر سے ظاہر ہو گئی۔ اگلے دن پولیس کے آرٹسٹ نے ان سے کہا کہ وہ بتائیں کہ انہوں نے کیا دیکھا تھا جو تصویر بن کر سامنے آئی، وہ ایک چھوٹی سی مخلوق تھی، جس کا سر گول تھا اور آنکھیں اڑن طشتری سے مشابہ تھیں اور ان کے بازو ان ٹانگوں سے دگنے لمبے تھے۔

اس کہانی کی وجہ سے سٹن خاندان کے افراد کو بہت ڈر لایا دھمکایا گیا مگر وہ سچیہ تحقیق کار جنہوں نے انہیں سوال کئے تھے، ان کو اس بات پر ذرا سا بھی شبہ نہیں تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، وہ بالکل درست ہے۔

شاید خلائی انسان سے آنے والے سائنس کا جو واقعہ سب سے زیادہ مشہور ہے، وہ بارنی (Barney) اور ہیلی ہل (Betty Hill) کا ہے۔ ستمبر ۱۹۶۱ء میں وہ کیلیفورنیا میں چھٹیاں گزار کر نیوہامپشائر (New Hampshire) کے دستے واپس آ رہے تھے، تو انہوں نے ایک اڑن طشتری کو زمین پر اترتے ہوئے دیکھا۔ وہ کھینے کے بعد انہوں نے خود کو اس مقام سے ۳۵ میل دور پایا اور اس اثنا میں ان کے ذہن سے یہ بات اتر چکی تھی کہ انہوں نے دستے میں کیا دیکھا تھا۔ پھر انہوں نے لسیان (Amnesia) کے ماہر سے مشورہ کیا، جس نے ان کو بتایا کہ

(Hypnotise) کر دیا۔ اس ڈاکٹر کا نام ڈاکٹر بنجمن سیمن (Dr. Benjamin Simon) تھا۔ پھر مل نے اپنے طور پر بتایا کہ ان کو اڈن عظمیٰ پر لے جایا گیا تھا اور ان کو لے جانے والے بہت سے لوگوں نے ایک خاص قسم کی وردی پن رسی تھی اور دیکھنے میں یہ لوگ انسانوں کی طرح لگتے تھے (بارنے کہتا ہے کہ ان کو دیکھ کر اسے آئرلینڈ کے سرخ ہاتھوں اور سفید چہرے والے لوگ یاد آتے ہیں) پھر ان کو بہت سے طبی تجربوں سے گزارا گیا تھا جلد اور ہاتھوں سے کھرچ کر کچھ اندر بھی گیا تھا۔ بنی مل کہتی ہے کہ اس نے اپنی بچ میں سوئی گھسی ہوئی محسوس کی تھی پھر ان کو چٹانز کیا گیا اور کہا گیا کہ تم سب کچھ بھول جاؤ اور جو واقعات ہوئے ہیں ان سب کو بیکس فراموش کر دو۔ پھر اس نے ان پر تمام تجربات کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہے تھے بالکل درست تھا۔ کیونکہ ان کے لئے یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا کہ وہ چٹانز کی حالت میں جھوٹ بولیں اور یہ بات بھی اہم تھی کہ شعوری سطح پر تو وہ اس واقعے کو فراموش کر رہی تھیں۔ جو کچھ ان کو یاد دلایا گیا تھا وہ شعوری حالت میں وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔

مگر ایک ایسا واقعہ بھی ہے جس کو ہم حتیٰ رابطہ کمائی کہہ سکتے ہیں۔ یہ واقعہ ایک ۲۳ سالہ برازیلی کسان کے ساتھ پیش آیا جس کا نام انٹونیو ولاس بوس (Antonio Villas Boas) تھا۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو ولاس بوس، یہ دعوے کرتا ہے کہ وہ کھیت کے اندر مل چلا رہا تھا کہ بیضوی شکل کا ایک بو-ایف-۱ اور اس کے ٹریکٹر کے آگے آکر اتر گیا۔ اس نے بھاگ جانے کی کوشش کی، مگر ایک انسان نما مخلوق جس نے سلیٹی رنگ کا ایسا لباس پہنا ہوا تھا جو ان کے جسموں کے ساتھ چمٹا ہوا تھا اور ان کے سروں پر ہلمٹ (Helmet) تھے۔ انہوں نے اسے زبردستی پکڑا اور اڈن عظمیٰ کے اندر لے گئے۔ وہ جب باتیں کرتے تو یوں لگتا کہ جیسے وہ تیز اور ہارک آواز میں چلا رہے ہیں یا بھونک رہے ہیں۔ ولاس بوس کے تمام کپڑے اندر دیئے گئے پھر اس کو مضایا گیا اور اس کے خون کا نمونہ حاصل کیا گیا۔ اس کے بعد ایک نہایت خوبصورت ساڑھے چار فٹ قد کی عورت کمرے کے اندر داخل ہوئی۔ اس نے جلد ہی ولاس بوس کو اکسلیا کہ وہ اس کے ساتھ جنسی اختلاط کرے۔ وہ کہتا ہے کہ اختلاط کے دوران بار بار غرائی تھی جس سے اس فعل میں خلل پڑتا تھا اور وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ گویا وہ کسی جانور کے ساتھ جنسی فعل کر رہا ہے۔

ولاس یوس کی کہانی ایسی ہے کہ فوری طور پر سفید جھوٹ قرار دینے کو جی چاہتا ہے مگر صرف ایک وجہ سے ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر اولادونی فون نے (Dr. Olavo T. Pontes) نے جب اس کا معائنہ کیا تھا اور یہ معائنہ آہستہ آہستہ ہونے کے فوراً بعد کیا گیا تھا تو اس نے دریافت کیا تھا کہ ولاس یوس تباہ کاری (Radiation) کی خاصی مقدار میں سے گزر چکا ہے اور اس کی ٹھوڑی کے کنارے پر جہاں سے اس کا دھوے تھا کہ سرخ جھوٹی گئی اور خون نکلا گیا ہے۔ واضح نشانات موجود تھے جو اس کے بیان کی تصدیق کرتے تھے۔ ولاس یوس کی کہانی خاصی تفصیل کے ساتھ اور متاثر کرنے والی دستاویزات کے ساتھ چارلس بون (Charles Bowen) کی کتاب انسان نما (Humanoid) میں موجود ہے۔

ہائی ٹیک کی طرح ایک جرنلسٹ جون کیل (John Keel) اس وقت تک اڈن طیشوں کے بارے میں شکوک و شبہات ہی کا شکار رہا حتیٰ کہ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس معاملے پر پوری سنجیدگی سے غور کرے گا اور تصدیق کرے گا بجائے اس کے کہ پہلے سے طے شدہ فیصلے کی بنیاد پر اسے رد کر دیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۵۴ء میں اس نے ان اڈن طیشوں کی ایک ڈوکومنٹری (Documentry) تیار کی جو آسٹن پر نظر آتی تھیں اور اس کے نتیجے میں وہ اس موقف پر پہنچا کہ اڈن طیشیاں اتنی زیادہ تعداد میں دیکھی گئی ہیں کہ ان کو غلطی یا جھوٹ کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا۔ پھر ۱۹۵۴ء میں اس نے مصر میں پہلا یو۔ایف۔او دیکھا، وہ دھات کی پلیٹ سی تھی جس کے گرد ایک پسہ تھا جو گھوم رہا تھا اور یہ منظر اس نے سوالن ڈیم پر دن کی روشنی میں دیکھا تھا مگر اس کے باوجود یہ فیصلہ اس نے ۱۹۶۶ء میں کیا تھا کہ وہ اس موضوع پر زیادہ سنجیدگی سے غور کرے گا اور جو کچھ اسے حاصل ہوگا، اسے ایک پریس کٹنگ بیورو (Press Cutting Bureau) میں دیتا رہے گا۔ فوری طور پر جس شے نے اسے متاثر کیا وہ ان لوگوں کی تعداد تھی جنہوں نے آسٹینی اشیاء کو دیکھا تھا۔ اکثر اوقات وہ دن بھر ۱۰۰ کھانگو جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتا تھا (اس زمانے میں پریس کی کلپنگ (Clipping) چھ پنس میں پڑتی تھی لیکن میں برس کے بعد اخبارات اس قدر زیادہ ہو چکے ہیں کہ یہ کسی عام اخبار نویس کے بس کا کام نہیں رہ گیا) اس کے ساتھ یہ بھی پوری طرح واضح ہو گیا کہ جو کچھ وہ جمع کر رہا تھا وہ اصل اشیاء کا ایک بہت ہی معمولی حصہ تھا اور ہزاروں روایتیں جو اخباروں میں شائع ہو رہی تھیں ریکارڈ کا حصہ نہیں بنتی تھیں۔ (ایسے مضامین کے سلسلے میں مشکل یہ ہے کہ وہ اصل

راست تبدیل کیا تھا۔ (ہست سی یو۔ ایف۔ او رپ رٹوں میں یہ ذکر آتا ہے کہ اس نے اثراتی ہوئی شے نے مقدار حرکت کے قانون (The Law Of Momentum) کی خلاف ورزی کی تھی اور انتہائی تیزی کے ساتھ وہ زاویہ قائمہ (Right Angle) پر مڑی تھی اور پھر وہ پانچوں میں غائب ہو گئی تھی۔

کیل کی دلچسپی اس بات میں بھی تھی کہ غلاموں کے بارے میں رپورٹ اور ان لوگوں کے بارے میں بیان جو یہ دعوے کرتے ہیں کہ انہیں یہ مافوق الفطرت تجربہ ہوا ہے موازنہ کیا جائے۔ وہ فرشتہ جس نے جوزف سمتھ (Joseph Smith) کو ہدایات دی تھیں۔ یہ صاحب مود سونز (Mormons) فرقے کے سربراہ ہیں کہ وہ جائیں اور مد فون سونے کی تختیاں برآمد کریں۔ ایک مماثلت رکھتے ہیں ان قصوں سے جو آداسکی نے غلاموں کو بیان کرنے کے لئے بنائے تھے اور ایسے بہت سے دوسرے لوگ بھی ہیں۔ پہلی بجک عظیم کے دوران فاطمہ (Fatima) پر نگل کے مقام پر تین بچے ایک چراگاہ میں کھیل رہے تھے کہ انہوں نے روشنی کا ایک ہار سا چمکا ہوا دیکھا اور اس میں سے ایک عورت کی آواز آئی (ان تینوں میں سے دو نے یہ آواز سنی۔ اس شے کو بھی نے دیکھا تھا اس سے یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ یہ آواز ان کے ذہنوں کے اندر تھی، معروضی دنیا میں نہیں تھی۔ ایک جھوم نے اس جگہ جمع ہونا شروع کر دیا وہ ہر مینے وہاں آتے تھے جہاں لیڈی روزری (Rosary) تین بچوں کے سامنے ظاہر ہوئی تھی۔ صرف بچے ہی اس کو دیکھ سکتے تھے یا اس کی آواز سن سکتے تھے۔ پھر اس خاتون نے کہا کہ میں دنیا کو قائل کرنے کے لئے ایک مجبور کروں گی۔ گھرے ہاؤل جو ہر سمت چھائے ہوئے تھے کورمیان میں سے پھٹ گئے اور ایک بہت بڑی چاندی کی ڈسک ظاہر ہوئی اور وہ جھوم کے سروں پر پیچے کی طرف آئی۔ اس وقت وہاں ستر ہزار لوگوں کا مجمع موجود تھا۔ وہ تیزی سے گھومی، پھر اس نے ہلکورے کھائے اور اس کے بعد کیل کے یو۔ ایف۔ او کی طرح ہی اس نے دیکھے تھے، اس نے اپنے تمام رنگ بلیٹ (Spectrum) کے مطابق تبدیل کئے۔ سب نے اسے دس منٹ تک دیکھا اور اس کے بعد وہ شے پھر سے گھرے ہاؤلوں کے اندر غائب ہو گئی۔ یہ واقعہ ۱۳ اکتوبر ۱۸۹۷ء کا ہے۔ اس اژن فٹسٹری کو چراگاہ کے باہر بھی بہت سے لوگوں نے دیکھا۔ اس کی موجودگی کی وجہ سے حرارت اس قدر زیادہ تھی کہ جھوم کے کیلے کپڑے خشک ہو گئے۔ کیل نے دوسروں مجبوروں کے علاوہ اس مجبورے کا بھی ذکر کیا ہے۔ (ایسا ہی ایک مجبور

جرمنی میں ہیڈ Hede کے مقام پر بھی ہوا تھا) اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ عجیب و غریب بات ہے کہ ان کے بے حد مہمگسٹ یو۔ ایف۔ او کے بارے میں موصول شدہ اطلاعات سے ہے۔

یو۔ ایف۔ او کے ان معاملات کے ساتھ ضرور کوئی بد قسمتی متعلق ہوگی۔ یعنی شاہدوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ سرکاری اہلکاروں نے انہیں ڈر لیا دھمکایا اور کہا ہے کہ اس معاملے میں مکمل خاموشی اختیار کی جائے۔ یہ اہلکار عموماً سیاہ لباس میں ہوتے تھے۔ اگرچہ کبھی کبھی وہ فوجی یونیفارم میں بھی دیکھے گئے ہیں۔ مگر حکومت کے کسی جھگے نے تو ان کے بارے میں سنا بھی نہیں تھا، برج پورٹ (Bridge Port) کے البرٹ کے بینڈر (Albert K Bender) جن کا تعلق کونک ٹی کٹ (Connecticut) ریاست سے تھا، ۱۹۵۳ء میں اس نے اچانک اپنا بین الاقوامی فلائنگ سوسہ یورو بند کر دیا اور یہ اعلان کیا کہ کالے رنگ اور چمکتی ہوئی آنکھوں والے تین آدمیوں نے اسے مجبور کیا ہے کہ وہ اپنی تحقیقات کا سلسلہ بند کر دے۔ یو۔ ایف۔ او کے ساتھ ذوق و شوق رکھنے والے کئی شائقین نے حکومت کو اس کا اسے دار قرار دیا۔ مگر اس برس کے بعد جب بینڈر نے اپنا احوال شائع کیا تھا تو یہ کہلا کہ کوئی اجنبی مخلوق اس کام میں شامل تھی۔ یہ تینوں آدمی اس کے گھری میں لمبی صورت میں ظاہر ہوئے تھے اور پھر ویسے ہی غائب بھی ہو گئے تھے اور ایک بار وہ اس کو قطب جنوبی کے یو۔ ایف۔ او میں پر لے بھی گئے تھے، یہ ہیں جیکس ولی (Jacques Vallee) میں ہے۔ ایک اور سائنس دان جو یو۔ ایف۔ او کے معاملات میں دلچسپی لینے لگا تھا اس نے یہ نوٹ کیا تھا کہ اس کہانی اور قرون وسطیٰ کی پریوں اور جتوں کی کہانیوں میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔

جب کیل نے مغربی ورجینیا (West Virginia) میں یہ تفتیش شروع کی کہ کس طرح وہ بڑے بڑے پروں والا جو تیز رفتار گاڑیوں کے مقابلے میں بھاگ سکتا ہے کون تھا؟ تو اس کا آہنا سامنا ایسے عناصر سے ہوا تھا جو اسے مزید تفتیش کرنے سے روک رہے تھے۔ ایک فوڈر افرنے ایک اکیلی گلی میں اس کی تصویر اندری تھی اور پھر وہ بھاگ گیا تھا۔ پھر اس کی ایک دوست گرے بارکر (Gray Barker) نے یہ بتایا تھا کہ اسے ان کی ملاقات کے بارے میں دو دن پہلے سے اطلاع دے دی گئی تھی، جبکہ یہ بات کیل سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ رابطہ کرنے والے اس کو فون کرتے تھے اور کہتے تھے کوئی تم سے ملنا چاہتا ہے اور وہ اس وقت ہمارے ساتھ ہے۔ اس سے بات کرو پھر جو شخص فون پر بات کرتا تھا اس کی آواز عجیب و غریب تھی

(اور اسے بعض اوقات یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ کسی ایسے شخص سے گفتگو کر رہا ہے جو ٹرانس (Trance) میں ہے۔ کیل کو یہ ہدایت دی گئی کہ ایسے جوں پر خط لکھے، جو بعد میں تفتیش کرنے پر موجود پائے گئے، تاہم اسے اپنے خطوط کے جواب بلا تاخیر مل جاتے تھے اور جواب میٹ بلاک لیٹرز (Block Letters) میں ہوتا تھا، ایک بار ایسا ہوا وہ ایک ایسے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا جس کا انتخاب اس نے یونی کر لیا تھا، پہلے سے اس کی کوئی پلاننگ نہ تھی، مگر جو نئی وہ ہوٹل میں پہنچہ ڈسک پر اس کے نام کا ایک پیغام پڑا ہوا تھا وہ مونتھ مین جیشین گونیڈ (Mothma n Prophecies) میں لکھا ہے :

"مجھے یوں لگتا تھا کہ جیسے کوئی مجھے کہنا چاہتا تھا کہ جو حرکت بھی تم کرتے ہو، ہم اس کے بارے میں بھی کچھ جانتے ہیں، تمہاری ہر فون کال کے بارے میں ہمیں معلوم ہے اور میری ذاک پر بھی ان کا مکمل کنٹرول ہے، اور وہ اس میں پوری طرح کامیاب تھے۔ پھر ان نا اشناؤں نے بہت سی جیشین گونیاں بھی کی تھیں، اس میں مارٹن لوتھر کنگ (Martin Luther King) کے قتل کی پیش گوئی بھی تھی اور وابرٹ کینڈی پر ایک منظم حملے کا ذکر بھی کیا گیا تھا۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ پاپ کو نیچر کو چنے کی کوشش کی جائے گی، مگر اکثر ان کی تدبیریں ناکام ہوتی تھیں۔ کیل نے اس سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ ہمارا کرہ ارض ایسی قوتوں کا محاصرہ کے ذریعہ مطالعہ ہے، جن کا مکانی زمانی سلسلہ (Space Time Continuum) ہم سے مختلف تھا۔

ایک برطانوی یو۔ایف۔او کا ماہر برنسلی لے پورڈ ٹرنچ (Brinsley Le Poer Tranch) جو اصل میں کلن کلرٹی کا نواب (Earl Of Clancarty) اپنی تفتیش کے بعد کچھ اس قسم کے نتیجے پر پہنچا تھا۔ جو اس نے Operation Earth میں لکھا تھا اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے :

----- مجھے لگتا ہے کہ دو طرح کے ایک دوسرے سے بالکل متضاد وجود (Entities) ایسے ہیں، جو ہم میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ پہلے تو وہ ہیں، جو حقیقی آسمانی مخلوق ہیں اور وہ اول سے ہمارے ارد گرد موجود رہے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں، جو اس کرہ ارض کے آس

پاس کہیں رہتے ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض کا خیال یہ بھی ہے کہ وہ زمین کے باطن میں بھی جاگزیں ہیں، یہ بات بالکل واضح ہے کہ آسمانوں میں جنگ جاری ہے اور اس کے یہی دونوں فریق ہیں۔ یہ مت سمجھئے گا کہ یہ جنگ ان معنوں میں جاری ہے، جن معنوں میں انسانوں کے مابین لڑائی ہوتی ہے۔ یہ ایک ذاتی جدل ہے اور ہر فریق کی خواہش یہ ہے کہ انسانیت کے دونوں پہ اپنا عمل تسلط قائم کرے۔

جیکس والی جو ان سنجیدہ ترین اور ذہین ترین نگاروں میں سے ایک ہے، جنہوں نے اس موضوع کو اپنے لئے پسند کیا وہ بالآخر اسی نتیجے پر پہنچا اس سے پہلی کبھی گئی کتابیں، جن میں Challenge To Science: Anatomy Of A Phenomenon اور U.F.O Enigma شامل ہیں۔ اس نے ان میں مذکور، رچرٹوں کا مطالعہ ہونے ذوق و شوق اور احتیاط سے کیا، یہ بہت جامع مطالعہ تھا جس میں شکریات کے جدول بھی شامل تھے۔ پھر اس نے کہا کہ Passport To Mangolia (۱۹۷۰ء) میں ہمیں یو۔ایف۔او کے ہاشدوں کی جو تصویر نظر آئی ہے۔ وہ تصویر منگولیا کے قرون وسطی کے ہاشدوں سے ملتی جلتی ہے۔ یہ علاقہ بادلوں کی سرزمین سے بھی اونچا ہے، بہت سے ایسے دیسوں کے مقابلے میں، جن کی آبادی خاصی گنجان ہے۔ ۱۹۷۷ء میں وہ ایک عجیب و غریب نتیجے پر جا پہنچا کہ یو۔ایف۔او کا سارا مطالعہ اصل میں سائی ٹنگ معاملہ ہے، یہ خیالات اس نے اپنی کتاب The Invisible College میں ظاہر کئے۔ ”دکھائی نہ دینے والی درنگ“ اصل میں سائنس دانوں کا ایک گروہ ہے، جو یو۔ایف۔او کے مظاہر کا مطالعہ کر رہا ہے اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ عام سائنسی رویہ ان کے لئے غلط حریفانہ ہے، مگر وہ اس سے مرعوب نہیں ہوتا۔ والی خود تو کہیں بڑ کا ایک ماہر تھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یو۔ایف۔او ایک کنٹرول سسٹم ہے اور اس سے انسان پر خاص طرح کے اثرات مرتب کرنا مقصود ہے۔ پھر اس نے ۱۹۷۹ء میں Messenger Of Deception میں اس بات کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ ایک برس تک میں نے یو۔ایف۔او کے مظاہر اور سائی ٹنگ مظاہر کے مابین مماثلت تلاش کی ہے۔ میں اب یہ نہیں سمجھتا کہ اژن طشتری خلائی جہاز یا مشین ہے۔ خواہ اس کا اخراج (Propulsion) کیسا ہی پراسرار کیوں نہ ہو۔ پھر وہ اپنے کہیں بڑ کی طرف پلٹا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کا سب سے واضح نتیجہ یہ نکلا ہے کہ منظر

کسی مشروطی (Conditioning) عمل کا کردار ادا کرتا ہے۔ مشروطی عمل اپنے مطلوبہ نتیجے کو حاصل کرنے کے لئے بے معنویت اور الجھاؤ پیدا کرتا ہے اور کبھی اپنی میکانیت (Mechanism) کو ظاہر نہیں کرتا۔ پھر میں نے مماثلت کی یہی ساخت یو۔ ایف۔ او کی کتابوں میں دیکھنی شروع کر دی۔

بے معنویت اور الجھاؤ یقیناً یو۔ ایف۔ او کی کتابوں کے ایسے پہلو ہیں، جن سے پریشانی اور الجھن پیدا ہوتی ہے۔ والی نے نظریہ آنے والی درسگاہ کا پورا باب یو ری گیلر (Uri Geller) واقع کے لئے مخصوص کیا ہے۔ گیلر ایک اسرائیلی نفس دان (Psychic) تھا اور وہ بغیر ہاتھ لگائے دھات کی چیزوں کو موڑ سکتا تھا۔ اور ایک سائنس دان ایڈری جاپوہارچ (Andrija Puharich) کی دریافت تھا۔ گیلر کی قوتوں نے دنیا بھر میں اپنے لئے بے پناہ دلچسپی پیدا کر لی اور ایسا ہونا ناگزیر تھا کہ اس کے بارے میں نکسی جانے والی کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت نہ ہو، حقیقت یہ ہے کہ یوہارچ کی کتاب Uri: A Journal Of The Mystery Of Uri Geller (۱۹۷۷ء) کچھ اس انداز کی کتاب تھی کہ اس نے یوہارچ کی حیثیت بطور ایک منجیدہ تحقیق کار کے چاہ کر دی، یہ کتاب ایسی باتوں سے بھری ہوئی تھی جو حیران کن حد تک الجھی ہوئی تھیں۔ بعد از قیاس تھیں اور ایسی تھیں کہ ان کی کوئی تشریح پیش نہ کی جاسکتی تھی۔ ۱۹۵۲ء میں گیلر کو ملنے سے کئی برس پہلے یوہارچ ایک ہندو نفس دان کے ساتھ پڑھا تھا جس کا نام ونود (Vinod) تھا۔ جب ونود ٹرانس میں چلا جاتا تھا اور وہ کسی انگریز کے لیے میں بولنا شروع کر دیتا تھا۔ ٹرانس میں آئی یہ شخصیت اپنے آپ فوق انسان ذہانت کے نو کے گردہ کار کن ظاہر کرتی تھی۔ جو کئی ہزار برس سے انسانوں کا مطالبہ کرتا چلا آ رہا ہے، اور جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو ان کے ارتقاء میں مدد دے، تین سال کے بعد میکسیکو میں ستر کرتے ہوئے، یوہارچ ایک امریکی ڈاکٹر سے ملا تھا۔ جس نے ہمیں کی ذہانت کے طویل پیمائش اس تک پہنچائے اور حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ ونود سے ملے ہوئے پیمائش کے سلسلے کو آگے بڑھاتے تھے۔ جب یوہارچ ۱۹۷۷ء میں گیلر کو ملا تھا تو نو کا ہر ایک بار پھر کھلی میں آشال ہوا تھا۔ جبکہ گیلر ٹرانس میں تھا تو ایک آواز اس کے سر کے اوپر ہوا میں گونجی کہ گیلر کو ہمیں ذہانت نے پروگرام کیا ہے (Programmed)۔۔۔۔۔

اس وقت سے جب اس کی عمر صرف تین سال کی تھی، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت کو اپنے آپ کو مکمل جاننے کی طرف لے جانے سے روکا جائے۔ پہارچ پھریو۔ ایف۔ او کی کئی روٹیوں کو بیان کرتا ہے اور بے شمار ناقابل یقین واقعات کا ذکر کرتا ہے جس میں اشیاء ظاہر ہوتی ہیں اور چھپ جاتی ہیں اور نیپ کئے ہوئے پروگرام خود بخود اور پراسرار طریقے سے صاف ہو جاتے ہیں۔ کوئن ولسن کہتا ہے کہ پہارچ نے اس کو ذاتی طور پر یہ یقین دلایا تھا کہ کچھ واقعات ان سے بھی کہیں زیادہ عجیب و غریب تھے، مگر وہ اس نے اس لئے بیان نہیں کئے کہ لوگ کسی طرح ان پر یقین لانے کو تیار ہی نہیں ہوں گے۔

جب پہارچ نے گیلر سے علیحدگی اختیار کر لی، اس کے باوجود نو کا گروہ مختلف وسیلوں (Mediums) کے ذریعے اس پر اثر انداز ہوتا رہا۔ سٹوارٹ ہل اور ایڈ (Stuart Holoyd) نے یہ

Prelude To A Landing On Planet Earth میں بیان کی ہے۔ یہ ان واقعات سے بھی کہیں زیادہ حیران کن ہے، جو پہارچ بیان کرتا رہا ہے۔ نو کے گروہ نے آخر کار پہارچ کو اپنے ساتھیوں سمیت مشرق وسطے میں اور دور دراز ممالک پر ایسی مسافت پر بھیج دیا جن کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا، ان کا بڑا مقصد یہ تھا کہ امن کے لئے دعا کی جائے اور پھر نیپس کی ذہانتوں نے یہ اطلاع دی کہ انہوں نے اس کو مکمل جاننے سے بچا لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے 'معمولوں' (Mediums) کا ذکر کرتا اس اسرار کے لئے ایک کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید روحانیت پسندی (Spiritualism) انیسویں صدی کے وسط میں پیدا ہوئی اور اس نے اپنا انگار سولہ سترہ برس کی دوڑ کیوں کے ذریعے سے کرنا شروع کیا جن کا ہم فاکس (Fox) تھا پھر جلد ہی ہزاروں معمولوں نے پراسرار دھنک کو پیدا کرنا شروع کر دیا (اس دھنک میں ایک بار ہاں کے لئے آواز دوبار نفی کے لئے مقرر کیا گیا تھا) پھر انہوں نے دھول اور دوسری موسیقی کے آلات ہوا میں اڑانا شروع کر دیے اور یہ آلات خود بخود بجتے بھی لگے، اور ان سے روحانی آوازیں بھی نکلنے لگیں۔ بلکہ کچھ پر چھانیاں بھی ظاہر ہونے لگیں۔ خصوصاً اس وقت جب بے خودی (Trance) کی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ کوئی شخص جس نے ان مظاہر کا مطالعہ کمرانی میں کیا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کے سب فراڈیے تھے۔ یہ بات بھی دھیان میں رہنی چاہئے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کبھی کبھ لاشعور کی وجہ سے ہوتا ہے اور بہت سے لوگ

اس عمل میں شریک ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں کہی جاسکتی، کئی بار ایسا ہوا کہ دو حوں نے اپنی بات کو ٹکڑوں میں مکمل کیا اور ہر ٹکڑے کے لئے الگ الگ معمول کو استعمال کیا گیا۔ پھر جو پیغام مرتب ہوا اس میں لکھ جیسے کسی جگ ساہیل (Jigsaw Puzzle) کے ٹکڑے آپس میں جڑ گئے۔

مگر جو شے اس موضوع کے طلباء کے لئے بالکل واضح ہو گئی وہ یہ تھی کہ روحوں کو ان کی اپنی بتائی ہوئی قدر (Valuation) پر نہیں لیتا چاہئے۔ کیونکہ اکثر اوقات وہ دروغ کوئی کار ٹکاپ کرتی ہیں۔ ایماٹول سویڈن بورگ (Emanuel Sweded Borg) انٹارویس صدی کا ایک صاحب کشف (Visionary) (جس کا ذکر ڈونگ کے حوالے سے پہلے بھی آپکا ہے۔ ڈونگ اس سے بے حد متاثر ہوا اور کہا جاتا ہے کہ ڈونگ کی روحانیت کی نشوونما میں اس کی تحریروں نے بہت بڑا کردار ادا کیا تھا) تھا خیروار کیا تھا کہ بنیادی طور پر روح کی دو اقسام ہیں۔ ایک کا تعلق عالم بالا سے ہے اور دوسری کا تعلق عالم زیریں سے۔۔۔۔۔ ایک سائی کیسٹرٹ (Psychiatrist) ولسن وان ڈوسن (Willson Van Dusen) جس نے خفقات (Hallucination) کے بڑا دروں مریضوں کا مطالعہ کیا تھا اور اس کا تعلق کیلے فورنیا کے مینڈو کیو نیٹ ہسپتال سے تھا اس کا کہنا ہے کہ مریض محسوس کرتا ہے کہ اس کا تعلق کسی اور دنیا سے یا پھر کسی اور مخلوق سے اور زیادہ تر کا خیال ہوتا ہے کہ مخلوق زندہ ہے اور اب بھی موجود ہے۔ سب کو اس بات پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہیں خفقات کا مریض سمجھ لیا گیا ہے پھر اس نے یہ بھی کہا کہ خفقات کو سویڈن بورگ کے دو ذموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی عددگار دو حین (مریضوں کے ہاتھوں جسے کا تعلق اس ذمرے سے ہوتا ہے) اور واضح طور پر غیر عددگار دو حین، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مریض کے لئے پریشانی، صعوبتیں اور دکھ پیدا کریں۔

یہ بات طے ہے کہ یہ کسی بھی ٹارل یا عوی صاحب ہوش انسان کے لئے بہت بڑا قدم ہے کہ وہ اس بات کو قبول کرے کہ بغیر جسم کی روحیں شوجو ہیں (Discarnates)۔ تاہم اس کے باوجود اگر کوئی صبر کے ساتھ اور کھلے دل کے ساتھ شہادتوں کا مطالعہ کرے، تو وہ بلاشبہ اسی نتیجے پر پہنچے گا۔ کوئی بھی ایسا شخص جس نے کبھی خود کار تحریر (Automatic Writing) کے لئے کوشش کی ہے یا او لی جا بورڈ (Omlja Board)

اور ٹیبل ٹرننگ (Table Turning) کا مطالعہ کیا ہے۔ شاید اسی نتیجے پر پہنچا ہے کہ کچھ نہ کچھ ایسی ذہانتیں ضرور موجود ہیں، جو انسان کے وسیلے سے اپنا اظہار کرنا چاہتی ہیں، لیکن اگر اس بات کو ٹھیک ٹھیک متحین کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہ کون ہیں تو پھر معاملہ بہت سمجیر ہو جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ بعض کو ہم سمجیدگی سے لے سکتے ہیں، باتوں کو نہیں۔ کچھ تو ایسی ہیں، جن کا کردار قرون وسطیٰ کے جن بھوتوں سے ملتا جلتا ہوا ہوتا ہے۔ جو بس بھوت ہوتے اور قہے گھڑتے چلے جاتے ہیں اور وہ یہ سب کچھ کسی لحاظی انگلیخت پر کرتے ہیں۔ کچھ ذہانتیں ایسی بھی ہوتی ہیں، جن کو پول نرٹی ایسٹ (Poltergeist) کہا جاتا ہے۔ وہ اس قابل ہوتی ہے کہ اپنے ہونے کو یوں بھی ثابت کر سکتی ہیں کہ کسی شے کو کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اڑاتا ہوا دکھا دیں یا پھر بڑے بڑے دھماکے کریں اور توڑ پھوڑ سے بھی باز نہ آئیں۔ پول نرٹی ایسٹ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ کسی تیزی سے اڑتی ہوئی شے کو اپنا رخ تبدیل کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور یہ سبھی کچھ اچانک وقوع پذیر ہوتا ہے اور یہ وقوع پذیر ہی نہ تو قوانین حرکت کی صریح خلاف ہوتی ہے اور یہی خصوصاً عام طور پر اڑن عظمتوں کی بھی بیان کی جاتی ہے۔

بیکس واپی اس بات کو خاص طور پر بیان کرنا پسند کرتا ہے کہ کئی بار یہ دیکھا گیا ہے کہ اڑن عظمتوں یا اڑنے والے دوسرے معروض اس طرح اپنا کردار ادا کرتے ہیں کہ گویا وہ اس تصور (Notion) کو رد کر رہے ہیں کہ وہ کسی اعلیٰ تہذیب کے بنائے ہوئے مصنوعہ (Artifact) ہیں۔ کچھ تو ایسے ہیں جو بالکل فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ کچھ زمین کے اندر ٹپید ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کچھ غباروں کی طرح ایک دم بہت زیادہ پھول جاتے ہیں اور پھر اچانک غائب ہو جاتے ہیں۔ کچھ خلاورد ایسے ہوتے ہیں، جو دوسروں کے خیالات کو پڑھ لیتے ہیں اور مستقبل میں ہونے والے واقعات پہلے سے بیان کر دیتے ہیں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو پہاڑ کے، نو کے گرد، کی طرح اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ وہ انسان کو کسی جہان کن واقع کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ جیسے یو۔ ایف۔ او کا زمین پر اتر جانا لیکن ایسا مادی طور پر ہو نہیں پاتا۔

یہ بہت ہی احمقانہ بات ہوگی اگر ہم یہ اعتقاد رکھیں کہ اڑن عظمتوں یا اڑنے والے

دوسرے معروف قرون وسطی کے جن بھوت ہیں یا پھر انیسویں صدی کی لیکن ادواج، جو ہم سے رابطے کی خواہش مند ہیں۔ والی کا ایمان یہ ہے کہ یہ مظاہر ہماری تربیت (Heuristic) کے لئے ہیں۔ یعنی یہ ہمیں کچھ سیکھانا چاہتے ہیں۔ جدید سائنس اور فلسفے نے ہمیں کائنات کے بارے میں مادی نظریات کی تعلیم دی ہے کہ ہر زندہ شے ایک ایسا حادثہ ہے، جس کے وقوع پذیر ہونے کے امکانات ایک ارب میں ایک تھے اور انسان کی حقیقت محض یہ ہے کہ وہ دماغ ہے اور ایک جسم ہے۔ ڈونگ نے اپنی کتاب ”اُزن طشتریں“ انسان پر نظر آنے والی اشیاء کی ایک Thing Seen In The Skies:) متحدہ۔

جدید (Flying Saucers A Modern Myth) میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ممکن ہے اڑنے والے معروف جدید انسان کی وہ شدید خواہشات ہوں، جو وہ مذہب کے سلطان کے لئے رکھتا ہے، اور یوں لگتا ہے کہ والی ڈونگ کے اس نظریے کے مضمرات کو اصولی طور پر قبول کرتا ہے۔ ڈونگ کی طرح اس کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ ایسے سانحات ہیں کہ جتنا نظر آتے ہیں اس سے بہت زیادہ ہیں۔ والی اپنی کتاب Messenger Of Deception میں یہ بتاتا ہے کہ اس کی دلچسپی ایک ایسے مذہبی فرقے کے ساتھ ہے ”جو آرڈر آف مکی ڈے ڈک (Order Of Melchizedec) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جس کا ایمان یہ ہے کہ اس نے اپنے مذہبی نظریات غیر زمینی (Extra Terrestrial) ذہانتوں سے حاصل کئے تھے۔ اس نے بائبل میں مذکورہ نئی مکی ڈے ڈک کے بارے میں، تمام اطلاعات جمع کرنی شروع کر دی تھیں۔ فروری ۱۹۷۶ء میں اس نے ایک خاتون ٹیکسی ڈرائیور سے جب رسید مانگی، تو اس نے جو رسید اس کو دی اس پر مکی ڈے ڈک کے نام کے دستخط موجود تھے۔ پھر اس نے مکی ڈے ڈک نام کو لاس اینجلس کی ٹیلیفون ڈائریکٹری میں ڈھونڈنا شروع کیا، وہاں اس نام سے ایک ہی فون نمبر موجود تھا۔

اس سے والی دنیا کی حقیقت کے بارے میں ایک دلچسپ اندازہ لگاتا ہے۔ وہ یہ اشارہ کرتا ہے کہ ہم اپنے مکانی، زانی تسلسل کے اسیر ہیں، اور کسی بھی لائبریری میں ہمارے علم کی عظیم حروفِ حق کے اعتبار سے ہے مگر جدید زمانے کے کمپوٹر سائنس دانوں نے ایک اور نظام نکال لیا ہے، وہ اپنے وصول شدہ ریکارڈ کو ہر طرف بھیل دیتے ہیں۔ اور اس کی بنیاد بعض کلیدی الفاظ کو بنا دیتے ہیں۔ پھر اس نے یہ نتیجہ نکالا اور مکی ڈے ڈک سے اس نے یہ اندازہ

لگایا کہ ممکن ہے دنیا میں ایک ایسا مواد ہو جو بے ترتیبی (Random) کی بنیاد پر بنایا گیا ہو اور اسے لاجبری کی طرح مرتب ہی نہ کیا گیا ہو۔ کچھ نثر کی کسی لاجبری میں اگر کوئی طالب علم مائیکرووے (Microwave) یا سرور کے بارے میں استفسار کرے، تو اسے ایسے درجنوں مضامین مل جائیں گے، جن کے بارے میں اسے یہ گمان بھی نہ ہو گا کہ وہ وہاں موجود ہیں۔ وہی نے جب نکلے ڈک کے بارے میں معلوم کیا تو کسی نفس دان کچھ نثر لکھا۔ ”اچھا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

اپنی کتاب The Flying Saucer Vision (۱۹۶۷ء) میں انگریز مصنف جون میچل (John Michell) بھی آغاز ڈونگ ہی سے کرتا ہے۔ میچل ڈونگ کے اس تصور کو حلیم کر لیتا ہے کہ یو۔ایف۔او کا تعلق کسی نہ کسی طرح اس خلاء سے ہے جو مذہب کے نہ ہونے سے پیدا ہوا ہے اور یہ خلاء خود جدید انسان کے اندر موجود ہے۔ ڈونگ نے اپنی کتاب جدید انسان روح کی تلاش میں (Modern Man In Search Of A Soul) میں اس نظریے کی بنیاد رکھ دی تھی، حالانکہ اس وقت اژن طیشیوں کے بارے میں بہت مواد موجود نہیں تھا اور نہ ہی اس کتاب میں یو۔ایف۔او کا ذکر آتا ہے، مگر اس میں یہ ضرور کہا گیا ہے کہ جدید انسان کو کسی طرح کے مذہبی نظام کی بے حد ضرورت ہے تاکہ وہ مذہب کے نہ ہونے سے پیدا ہونے والے خلاء کو کسی نہ کسی طریقے سے پُر کر سکے۔

میچل اپنی کتاب میں یو۔ایف۔او کا تعلق کسی نہ کسی طرح دیو تائوں سے متعلق کمائیوں سے جوڑتا ہے۔ یہ دیو تائوں طیشیوں میں زمین پر اترتے ہیں اور اس کے نتائج بھی دان دینی کن سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ اگرچہ اس کا استدلال کہیں زیادہ بہتر اور متاثر کرنے والا ہے۔ مگر میچل نے یوفا لوجی (Ufology) کے مضمون میں اپنی طرف سے کچھ ایسا اضافہ بھی کیا ہے، جو اسی کا حصہ ہے، اپنی تحقیق کے دوران اس نے ایلفرڈ واٹ کنز (Alfred Watkins) کی کتاب The Old Straight Track (۱۹۲۵ء) کا حوالہ دیا ہے جس میں واٹ کنز یہ کہتا ہے کہ مفصل علاقے میں (Countryside) میں زمین کو سیدھی لکیروں سے تقسیم کیا گیا ہے، جو اصل میں تاریخ سے پہلے زمانے کے راستے تھے، یہ وہ راستے تھے جو مختلف مقامات کو مقدس عبادت گاہوں اور دوسرے اہم مقامات کو آپس میں ملاتے تھے۔ واٹ کنز ان کو لے

لائنز (Ley Lines) کا نام دیا ہے۔ پگل اس پر یہ استدلال کرتا ہے کہ یہ وہی راستے ہیں جس کو انڈیوں کے راستے (Dragon Paths) یا Lung Mei کہتے ہیں۔ چینیوں کی سائنس فنک شوئی (Feng Shui) اصل میں جیومیٹری اور ایک مذہبی نظام ہے، جو انسان اور قدرت کے مابین ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔ یہ زمین کو ایک زندہ مخلوق خیال کرتا ہے۔ لنگ مائی زمین کی سطح پر قوت کے خطوط ہیں اور اس کو برابروں سے روکتے ہیں۔ پگل کو غلط فہمی ہوئی تھی، یہ سیدھے خطوط نہیں ہیں۔ ویت کنز کی طرح چینی باشندے بھی سیدھے خط کو فنک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان کی اصل غولی بھی ہے کہ وہ ٹیڑھی میڑھی ہوں، لیکن پگل، واٹ کنز کے بلور ایک اور پوزیشن اختیار کرتا ہے، وہ ان کو زمین کی کسی قوت کا مظہر سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ قدیم انسان ان خطوط کو مقدس مقامات سے متعلق تواریخ کا اجماع سمجھتا تھا، جہاں یہ خطوط ایک دوسرے کو کاٹتے تھے، وہ زیادہ اہمیت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ پگل کہتا ہے کہ اژن طعشریاں انہیں مقامات سے نظر آتی ہیں، خاص طور پر ان جگہوں پر جہاں پر یہ خطوط ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں۔ جیسے واٹ شائر میں وارنٹر کا مقام جہاں سے بہت زیادہ بار اژن طعشریاں دیکھی گئی ہیں۔ ایک اور کتاب Undiscovered Country مصنف سٹیفن جنکینز (Stephen Jenkins) جو ان معلومات کا پیچیدہ تحقیق کار ہے، کہتا ہے کہ جہاں ایسے خطوط ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں، وہیں مافوق الفطرت واقعات رونما ہوتے ہیں۔ ان میں جن بصورت کا نظر آ جاتا یا پر لڑی ایسٹ کے واقعات کا ہونا بھی شامل ہے۔ اس میں غیرمادی مخلوق کے جہنم بھی دیکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس معاملے میں بھی ہمیں یو۔ ایف۔ او اور مافوق الفطرت کے مابین ایک تعلق نظر آتا ہے۔

اسی ضمن میں دو اور تحقیق کاروں کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔ ٹی سی لیٹھ برج (T.C. Lethe Bridge) اور ایف ڈی ایچ ہولی ڈے (F.W. Holliday)۔ لیٹھ برج کیسج کا رہنما شدہ سربراہ جاسو (Don) تھا جو، طلسمی چھتری سے پانی تلاش کرنے (Dowsing) اور پنڈولم (Pendulum) کے ذریعے زمین کے نیچے مختلف دھاتوں کو تلاش کرنے کے عمل میں دلچسپی لینے لگا تھا (اس کے بارے میں خاصی تفصیل کولن ولسن کی کتاب Mystries میں موجود ہے)۔ ۱۹۷۱ء کے قریب جب وہ مر رہا تھا تو اس نے اژن طعشریوں میں بھی دلچسپی لی شروع کر دی تھی اور اپنی ایک کتاب میں جس کا نام Legend Of The Son Of God (۱۹۷۲ء)

ہے، اس نے کہا تھا کہ ممکن ہے اژدہا پتھروں کا تعلق قدیم ایتادہ پتھروں (Standing Stones) سے ہو، ممکن ہے یہ پتھر پرانے زمانے میں ان اژدہا پتھروں کو رستہ دکھانے کے لئے لگائے گئے ہوں۔ لیستہ برج کو زمینی خطوط (Ley Lines) کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا مگر حیرت انگیز بات ہے کہ اس نے جو نتائج نکالے تھے، ان کی بے حد مماثلت چل کے نکالے ہوئے نتیجوں کے ساتھ تھی۔

ایف ڈیجیو ہائیڈے قدرت پسند (Naturalist) تھا اور ایک زیرک صحافی بھی تھا اس نے لوچ نرس کے دیو ویکل (Lochnes Monster) کے اسرار پر ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں یہ تجربہ کیا تھا کہ وہ ایک بہت بڑا حلزون (Slug) یا کیڑا (Worm) ہو۔ یہ لفظ اس نے قرون وسطیٰ کے حوالے سے لکھا تھا جس کا مطلب اڑدیا ہوتا ہے، مگر پھر کئی برس تک اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نے یہ کہا تھا کہ سوچ نرس دیو ویکل اور دوسرے بڑے بڑے مونستر (Monster) ویسے ہی قریب ہی ہوں، جیسی کہ یونانیوں کے ماہروں کے لئے اژدہا پتھری ہے۔ پھر وہ اس بات پر مکمل ایمان لے آیا تھا کہ اژدہا پتھروں اور جمیل کے دیو ویکلوں کا تعلق ایسی چیز (Phantom Menagerie) سے ہے، اس نے اپنے اس نقطہ نظر کو The Dragon And The Disc میں واضح کیا تھا اور پھر اس کے مرنے کے بعد شائع ہونے والی کتاب The Goblin Universe میں، وہی کی طرح وہ بھی یہ سمجھنے لگا تھا کہ یو۔ایف۔او کے معنی کا حل نفسی سطح پر تلاش کیا جانا چاہئے۔ یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ بعد میں برج شدہ کوائف اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ہم اپنی جلد بازی میں یہ کہہ دیں کہ یہ خلائی جہاز کسی اور کتابوں سے نہیں آتے۔ ایسے معاملات کے سلسلے میں ذہن کو کھلا رکھنا ہی دانش مندی کی دلیل ہے۔

اب تک جو مواد میں نے اس مضمون میں دیا ہے اس کا بنیادی حوالہ کولن ولسن ہے کولن ولسن نے اپنی کئی کتابوں میں یو۔ایف۔او کے مسئلے کو چھیڑا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جن لوگوں نے غیر متعصب ہو کر اس مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں ولسن کا نام بھی آتا ہے، ویسے بھی، جیسا کہ آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ مضمون اتنا بڑا اور اتنا الجھا ہوا ہے کہ اس پر لکھنے کے لئے تحقیق کار کو ایک عمر لگ سکتی ہے۔ فی الحالہ یہ میرا موضوع بھی نہیں ہے۔

ڈونگ کے بارے میں لکھتے ہوئے اس کا ذکر کچھ اس انداز سے آتا رہا ہے کہ میری خواہش تھی کہ میں اپنے قارئین کو اس کا ایک مختصر سا خاکہ دکھا دوں، ابھی کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ یہ موضوع بالآخر کس نوعیت کا ثابت ہو گا۔ مگر اس کے سلسلے میں ایک بات تو طے ہے کہ اژن طشتیاں بقول سائنس دانوں کے اگر وجود نہ بھی رکھتی ہوں، تو بھی انسان کے نفس کے اندر ان کی کار فرمائی موجود ہے۔ لہذا ان اژن طشتیوں کا سراغ صرف آسمانوں پر ہی نہیں، نفس کے اندر بھی لگایا جاسکتا ہے اور اس سلسلے میں بے حد اہم نام ڈونگ کا ہے۔ ڈونگ پر کوئی ایسی جامع کتاب لکھنا ممکن نہیں ہے، جو اس مسئلے پر روشنی نہ ڈالتی ہو، اس مضمون کے اندر بھی اگرچہ بعض اشارے کئے گئے ہیں، مگر بہتر ہو گا ہم ڈونگ کی نفسیات کا مطالعہ اس حوالے سے بھی کریں۔

ڈونگ نفسیات دانوں کے اس کردہ کا سرخیل ہے جو اپنے کام کی بنیاد آرکی ٹائپ، بہت زیادہ اہمیت والی رمزیت (Symbolism)، مرکزی تصورات (Motif) یا ان اشکال پر رکھتے ہیں، جو سب کے لئے تقریباً ایک جیسے معانی کی حامل ہوتے ہیں۔ یہ سبمل، ڈونگ کے قول کے مطابق، ایسے ہوتے ہیں کہ وہ لاشعور کی گہرائیوں سے ایک ہی وقت میں برآمد ہوں اور کسی بھی انسانی تخلیق میں، طاقتور جذبات اور قوت متحیلہ کو جنگنے کے بعد، بروئے کار آجائیں۔ ان کی تفہیم حاصل کرنے کے لئے، یا یہ جاننے کے لئے کہ ان کی نوعیت اور مضمرات کیا ہیں۔ ڈونگ نے انسانی اعمال کے اندر سے بے شمار حوازی تلاش کئے ہیں۔ مگر یہ انسانی اعمال کا وہ حصہ ہے جو غیر عقلی ہے اور جس کا تعلق مذہب اور اساطیر سے ہے، وہ قدیم ہے، پرانی رسومات اور نظام عقلی مثلاً کیمیاگری اور علم نجوم اس میں شامل ہیں، مگر اس کے باوجود یہ ثابت کرنے کے لئے کہ یہ آرکی ٹائپ ابھی تک جدید انسان کے نفس کے اندر زندہ و تہذہ ہیں، وہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ خواہوں میں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ آرٹ میں فوک لور (Folk Lore) میں اور بیسویں صدی کی عقلی اساطیر میں بار بار ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

مثال کے طور پر وہ کہتا ہے کہ ایک اسی سادہ دماغی معالج کی بنی نے خوابوں کا ایک سلسلہ دیکھا اس میں اپنی طرف متوجہ کرنے والی ایک خاص مثلیت موجود تھی۔ ڈونگ کا خیال ہے کہ اس کا تعلق بہت ہی قدیم زمانے سے تھا۔ ان خوابوں میں اس نے سینگوں والے دیو ویکل ساپ دیکھے تھے، جن کا تعلق اس نے سولہویں صدی کے کیمیاگری کے اس ادب سے جوڑا تھا۔

جس میں اس طرح کے سانچوں کا ذکر آتا رہتا ہے۔ پھر اس خواب میں لڑکی نے خدا کو چار سمتوں سے آتے ہوئے دیکھا تھا۔ ممکن ہے یہ دنیا کے چاروں کھونٹ ہوں، مگر لڑکی اس بات کو واضح نہ کہہ پائی تھی۔ اس کے بعد ڈونگ چار سمتی خدائی کا ذکر کرتا ہے۔ یہ تصویر تثلیث (Trinity) سے پہلے موجود تھا، مگر پھر عیسویں صدی میں اس کو فراموش کر دیا گیا۔ پھر ڈونگ نے کہا کہ یہ معنی سی لڑکی ہماری توجہ رحمت کی کئی لائبریریوں کی طرف مبذول کروا رہی ہے مگر یہ وہ آدمی جنہیں ہیں جو اجتماعی لاشعور کے حوالے سے ساری انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہیں۔

ڈونگ کا عقیدہ ہے کہ انہی آرکی ٹائپ میں ایک قشطل قرص (Disc) کا بھی تھا۔ یہی جدید زمانے کا یو۔ ایف۔ او ہے۔ سب سے پہلے تو وہ اس سوال کو اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہے کہ جو کچھ ہمیں آسمانوں پر نظر آتا ہے وہ خود بھی ہے یا نہیں ہے کہ ایسے لوگ یقیناً ہیں جن کا ایمان ہے کہ وہ یو۔ ایف۔ او دیکھ چکے ہیں کہ یہ ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ ہم مونس (Mons) کے فرشتوں میں ایمان رکھتے ہیں۔ بہت سے فوجیوں نے یہ بتایا تھا کہ انہوں نے یہ شبیس اس وقت دیکھی تھیں، جب شدید لڑائی ہو رہی تھی اور جس کے بعد برطانوی فوج کو ۱۹۴۳ء میں مونس میں پیچھے ہٹنا پڑا تھا اب اس بحث میں کیا پڑنا کہ وہ فرشتے اصلی تھے یا فوجیوں کے ذہن کے اندر موجود تھے، جو کچھ بھی تھا وہ ان فوجیوں کے لئے حقیقی ہی تھے۔ خواہ اس کی وجہ کوئی بہت ہی قوی جذباتی حالت ہو جو جنگ کے خوف کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ ڈونگ پہلے ایک نہایت اہم بات کا انکشاف کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایسی زبردست جذباتی گرفت میں بہت سے لوگ اجتماعی منظر بھی دیکھ سکتے ہیں اور ان دیکھے ہوئے یہ منظر ان انعکاس (Projection) کے لئے ایک کلیدی لفظ ہیں، اگر وہ واقعی ہی ان کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوں۔

مختصر بات یہ ہے کہ جدید انسان، لگتا ہے کہ کسی روح کی تلاش میں ہے، اور اس عنوان سے، اس کی ایک نہایت ہی اہم کتاب بھی ہے، جو جدید زندگی کا ایک انتہائی اہم رخ پیش کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے انسان، جس تلاش میں پڑا ہوا ہے۔ جس دباؤ، خوف اور مایوسی کے عالم سے وہ گزر رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف رویتیں پیدا ہوتی ہیں، بلکہ اجتماعی انعکاس افواہیں، گردی خوف اور عجیب و غریب مظاہر میں یقین لے آنا بھی پیدا کرتا ہے۔ ڈونگ نے اس سارے عمل کو اپنی ایک کتاب کے ذریعے بیان کیا ہے، جس کا ذکر پہلے بھی آپکا

Flying Saucers : A modern Myth Of Things Seen

In The Sky.

ڈونگ یہ سمجھتا ہے کہ اژن طشتریاں ایسے ہی انکاسی متحد ہیں، بلاشبہ وہ انسان کے اجتماعی نفس کے اندر پیدا ہونے والے اور دور تک اثر انداز ہونے والے بچان کی قیوب ہیں۔ یہ بات بھی دلچسپی سے غفل نہیں ہے کہ انسانی تاریخ کے دوران ہونے والی بڑی بڑی تبدیلیاں یا بڑے بڑے معرکے اسی طرح رونما ہوئے ہیں۔ مذہب میں آرٹ میں اور ادب میں بہت فعل اور مؤثر آرکی ٹائپ حرکات دیکھے جاسکتے ہیں۔ ڈونگ یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ اژن طشتریاں یا اژن قرص، جدید زمانے میں سب سے زیادہ طاقتور آرکی ٹائپ کا اظہار ہیں، اس کو ڈونگ نے منزل (Mandala) کا نام دیا ہے۔

منزل ایک شکرکرت لفظ ہے۔ ہندو آرٹ اور دھرم، اس کے مختلف قسم کی علامتوں سے بھرا پڑا ہے۔ منزل کی کار فرمائی ہر جگہ موجود ہے۔ بچوں کے آرٹ سے لے کر استاد چھروں تک، عیسائیوں کی شادی کی انگوٹھی سے لے کر دانٹے کے انفرنو (Inferno) تک۔ منزل بنیادی طور پر ایک سادہ سادہ ہے۔ اگرچہ اس کی بے شمار شکلیں ہیں اور اس میں کئی طرح کے اضافے بھی ہو سکتے ہیں مثلاً اس کے اندر مرکزہ (Nucleus) ہو سکتا ہے۔ اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یا اس کے اندر مزید دائرے ہو سکتے ہیں۔ اس کا مطلب وہ اجتماعیت یا کلیت بھی ہو سکتا ہے، جس کی ہمیں تلاش رہتی ہے۔

جدید دنیا کے حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایک بکھری بکھری دنیا میں رہتے ہیں۔ یہ ویسی ہی تقسیم ہے جیسی تقسیم اشتقاق دماغی (Schizophrenic) کے مریضوں میں پائی جاتی ہے۔ ان سے کسی طرح کا مواصلاتی رشتہ قائم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے مختلف حصے بھی۔ ایک دوسرے سے بے نیاز ہوتے ہیں، اور کبھی کبھی آپس میں ایک دوسرے کے حریف بھی۔ انسان کے تاریک پہلو، غیر عقلی اور غیر مذہب انگیز جن کا تعلق فطرت انسانی سے ہوتا ہے اور جس کو ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی کی عقل اور اعتقالات اپنی طرف سے مٹا چکے ہیں اور تہذیب ان سے آگے نکل چکی ہے، مگر وہ ذہن کے اس حصے پر بار بار حملہ آور ہوتی ہیں اور اسے بار بار فتح کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔

اندر سے ہم بھی تقسیم ہو چکے ہیں۔ ہمیں اپنی بلوی اقدار اور اعلیٰ معیار زندگی قائم کرنے کی یہ بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ انسانوں نے انسانی ذہن کے غیر عقلی حصے کو پوری طرح تس تس کر دیا ہے۔ اس حصے میں جذبات، جھلٹیں، عقیدہ، مذہبی رجحانات اور اس طرح کے کئی اور عوامل موجود ہیں۔ ڈونگ کے خیال میں عیسائی دنیا اب اس قاتل نہیں رہ گئی کہ وہ اس سرخوشی سے قوت حاصل کر سکے۔ ہمارے اساطیر غامض ہو چکے ہیں اور اب وہ کسی دستک کا جواب نہیں دے سکتے۔

اس سلسلے میں ڈونگ یہ کہتا ہے کہ وہ کوئی دور کی کوڑی نہیں لایا۔ جدید زمانے کے بارے میں اس کا یہ خیال کہ وہ پتھر ہے، کوئی دریافت نہیں ہے، یہ تو سامنے کی بات ہے۔ اصل چیز تو یہ ہے کہ جدید دنیا نے خود انسان پر کیا اثرات مرتب کئے ہیں۔ عقل کے ٹوٹ جانے سے کھچاؤ یا تشویش ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ انسانی نفس کے غیر عقلی علاقے بری طرح زوال پذیر ہیں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ یہ علاقے تقسیم بھی ہوتے ہیں اور اتھری کا شکار بھی ہوتے ہیں، لہذا ذہن کے یہ حصے جیتنے ہیں، ہمیں شیطانی طاقتوں، ہمیں دوسروں خصوصاً کے ساتھ مل کر ایک کر دو، ہمیں پھر سے صحت مندی بخشنو اور ہمارے بائیں توازن قائم کرو، اور یہی بیماری یکسانی (Wholeness) ہے۔ اس لاشعوری عقل کی وجہ سے خراب حال اور روحانی طور پر نہیں، بلکہ جدید انسان ہر طرف متزلزل ہو رہا ہے اور اسے آسمانوں پر بھی اس کی کار فرمائیاں نظر آتی ہیں۔

یو۔ ایف۔ او کی بعض رویتیں اور منزل خواب، ڈونگ کے خیال میں، جنسی علاقوں سے معمور ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ اس سلسلے میں فریڈ سے رجحانات کا بالکل قائل نہیں ہے، جب ایک بار وہ اڑنے والے معروض کی ساخت کا تعین کر رہا ہے تو پھر اس کے بارے میں زیادہ متشکک نہیں کرتا۔ کیونکہ ڈونگ کے لئے اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ وہ یو۔ ایف۔ او بھی ایک طرح کا منزل ہے، جو اس لئے ظاہر ہوا کہ فی زمانہ آرکی ٹائپ کا اعتماد اس طریقے سے ہو سکتا ہے۔ اس تکنیکی عہد میں کلیتہً کی اس بہتر کیا مشعل ہو سکتی ہے کہ اسے ایک پراسرار اڑنے والی مشین کی شکل میں دکھایا جائے یہ گویا ایک آسمانی ہارڈ ویئر (Hard Ware) ہے۔

جو شے ڈونگ کو اس سلسلے میں زیادہ جالب نظر محسوس ہوئی وہ یو۔ ایف۔ او کا

غیر قدرتی کردار اور ان کے اڑنے کا انداز تھا جو تمام جمع شدہ رپوں میں تقریباً ایک جیسا تھا۔ بلاشبہ اس کو ان کے مضمرات کے سلسلے میں کوئی تکلیک نہیں تھی کہ یہ سفر کرنے والا منزل انسانی تخلیق نہیں تھے جو ان کو دیکھنے کا دعوے کرتے تھے اور کبھی مشاہدہ کرنے والے یا خواب دیکھنے والے خود کو خطرے میں محسوس کرتے تھے، کیونکہ یو۔ ایف۔ او سے ایک بات تو بہر حال جاہت ہوتی تھی کہ کوئی غیر زمینی طاقت ایسی ہے، جو ہم سے بہت زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ احتمالی طاقتور اور ایسی آسمانی مخلوق ہے، جس کا رویہ دوستانہ ہے جو دیکھ رہے اور اس بات پر پریشان ہیں کہ انسان اپنے آپ کو چاہ کر رہا ہے اور اپنے ساتھ ساتھ زمین کو بھی۔

ڈونک نے اس بات کو بھی نوٹ کیا، جب لوگوں نے یہ دعوے کیا تھا کہ ان کا قریبی سامنا ہوا ہے، یہ ان کو اٹھایا گیا ہے تو وہ تباہی جیسی مخلوق ان سے مرمانی سے پیش آئی ہے، اس نے ان قصبے کمانوں کو زیادہ وقعت نہیں دی مگر بے شک یہ نتیجہ نکلا کہ اس سے یہ کھلا ہے کہ سالمیت (Wholeness) کی خرابی شدید تر ہو گئی ہے اور اس نے ایک مخصوص صورت اختیار کر لی ہے، یہ گویا کسی پچانے والے کی خرابی ہے، کوئی ایسا پچانے والا جو انسانوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہو، جو ہمیں پچانے کے لئے آسمان سے اترے اور ہمیں وہ سکون اور شگلیابی عطا کرے، جو ہم خود فراہم نہیں کر سکتے۔

اپنے تجربے کے اس حصے میں ڈونک نے اس نقطے کو واضح کیا ہے "جو چیزیں آسمان میں نظر آتی ہیں وہ ساری انسانی تاریخ میں موجود رہی ہیں پھر کیس جا کر انہوں نے بیسویں صدی میں خلائی جہازوں کی صورت اختیار کی ہے" بلاشبہ غیر قدرتی حرکت کرنے والے اور اڑنے والے کرات، گلوب (Globs) اور قرص (Discs) عجیب و غریب رویوں میں واضح طور پر نظر آتے ہیں، اور ماضی میں بھی ان دنوں میں، جب انسان اپنے آپ کو خطروں میں گھرا ہوا محسوس کرنا تھا، ایسے ہی منظر دیکھا کرتا تھا۔

بار بار ڈونک یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑا کہ کوئی شے واقعی موجود تھی یا موجود نہیں تھی اور نہ ہی اسے کچھ فرق پڑتا ہے کہ کوئی شے موجود ہے یا نہیں ہے۔ اگر موضوعی حقیقت کے طور پر یو۔ ایف۔ او موجود ہیں یا نہیں ہیں مگر وہ ان جذبات کا انکاس ضروری ہیں، جن کے بارے میں ہم پہلے ہی گفتگو کر چکے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم لاشعوری طور پر بہت سی رموزات پیدا کر لیتے ہیں اور ان کے جیسے آرکی چپ کی طاقت ہوتی

ہے۔ اس کا انعکاس ہم اپنے گرد پھیلی ہوئی چیزوں اور افراد پر بھی ہوتا ہے۔ (جیسے زیور رات، اسطر، فلم شکار اور سیاسی رہنما)۔

اب بات کے اختتام تک پہنچتے ہوئے ڈوگ اس امکان سے انکار نہیں کرتا ہو سکتا ہے کہ یہ۔ ایف۔ او کے لئے کوئی معروضی یا طبیعی بنیاد موجود ہو۔ ہو سکتا ہے ہم بے سوچے سمجھے کسی خواب یا واسعے کو رد کر دیں۔ اور ان کی جگہ ظالمیں کوئی اور ایسی اشیاء پیدا ہو جائیں جو اور بھی زیادہ دور ازکار ہوں اور وہ ان شعیسوں کو تیار کر دیں جنہوں نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کی دنیا کو بچالیں گے، لیکن یہ دھیان میں رہنا چاہئے کہ رادار (Radar) کی سکرین، اور کیمرے نے جواب دیکھتے ہیں اور نہ ہی وہ انہوں کا شمار کرتے ہیں۔ جب ڈوگ نے یہ کہا تھا تو اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ۔ ایف۔ او کی کچھ تصویریں کیمروں سے بھی انامی جا چکی ہیں۔ اس پر اس نے کہا تھا یا تو نفسی انعکاس کو رادار پر پیمیک کر اسے بازگشت بنایا گیا ہے یا پھر کسی حقیقی معروض نے اپنے آپ کو اسطری انعکاس میں تبدیل کر لیا ہے۔

یہ کہتے ہوئے اس نے شاید طریقہ لمحہ اختیار کیا ہو۔ اسے یقین تھا کہ نفسی انعکاس رادار کی سکرین پر نہیں دیکھا جاسکتا۔ مگر اس نقطے کی اہمیت اس سے کم نہیں ہوتی۔ بے شمار ایسی خواہش ہیں، جو میڈیا کے اندر عقلیت کی اس فضا کو قائم رکھنا چاہتی ہیں جو فضا اس وقت موجود ہے، وہ ہر ایسے موقع کی تلاش میں رہتی ہیں جس میں ڈوگ کو ذلیل کیا جائے۔ اسے دیکھنا اور نامہ ثابت کیا جائے۔ چنانچہ فرانیڈ نے بڑے نفرت انگیز لہجے میں کہا تھا۔ عقلی علوم کا کالا کچھڑ (Black Mud Of Occulism)۔ ڈوگ کے نقادوں نے اسے غلط سمجھا تھا اور ڈوگ کی اس تفتیش کو غلط معانی پہنائے تھے مگر اس نے کیا گری اور علم نجوم کے بارے میں کی تھی مگر اس میں تصور ڈوگ کا نہیں تھا شاید ان کی ان غلط توجہات کے پیچھے کچھ حرکت موجود تھی یا وہ انداز میں نہ رکھتے تھے کہ وہ اس کی بات کی تہ تک پہنچ سکیں یا یہ کہ اس نے اذن طشتریوں کے بارے میں اصل میں کیا کہا تھا۔

ڈوگ کا خیال ہے کہ اذن طشتریوں کے بارے میں جو بہت سا مواد موجود ہے اس کے سلسلے میں ہمیں کھلے دل و دماغ سے کام لینا چاہئے کیونکہ یہ مواد ہمیں انسان کے لاشعور کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں بہت مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ۔ ایف۔ او علاقہ میں حوالے پر بہت زیادہ زور دیا تھا اور اس کا تجربہ بھی کیا تھا۔

ڈونگ کو یہ بھی اعزاز تھا کہ یو۔ ایف۔ او کے بارے میں جو رپورٹوں کا اہبار شائع ہو رہا ہے اور جو مطالعات کئے جا رہے ہیں، ان میں درست حقائق کو تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ اعزاز کرنا بہت مشکل ہے کہ کوئی حقیقی معروض تھا بھی یا نہیں تھا عام طور پر دیکھنے والے اپنے دیکھے ہوئے کی غلط توجہ کے مرکب ہوتے تھے۔

اٹن طشتروں کے بارے میں اپنی کتاب کی اشاعت سے ایک برس بعد ڈونگ اکثر اس سلسلے میں اپنی بھتیجی (Niece) سے رابطہ کیا کرتا تھا جو سویٹوزرلینڈ میں آبادی تھی اور یو۔ ایف۔ او میں دلچسپی رکھتی تھی۔ فلائنگ سوسرز ریویو (Flying Saucers Review) کے گورڈن کریشن (Gordon Creighton) کا کہنا ہے کہ ڈونگ بہت حد تک اس پوزیشن سے ہٹ گیا تھا کہ یو۔ ایف۔ او محض ایک علامتی انعکاس ہے اور محض کبھی آرکی ٹائپ کا خاتوہ اظہار ہے۔ ہماری لاشعوری خواہش نے خواہ اسے کچھ بھی بتا دیا ہو اور اس کے اثرات ہمارے غس پر کوئی سے بھی مرتب ہوتے ہوں۔ ڈونگ روز بروز اس نتیجے پر پہنچ رہا تھا کہ ان مظاہر کے پیچھے کوئی نہ کوئی حقیقی شے ضرور موجود ہے۔

ڈونگ کو اگرچہ پیغمبر کہا جاتا ہے، مگر وہ کسی معنی میں بھی اپنے آپ کو ایسا سمجھتا نہیں تھا وہ خود کو نفسیات دان اور سائنسی مشاہد ہی خیال کرتا تھا مگر اس بات کے باوجود تاریخی طور پر ایسے شواہد موجود ہیں کہ بعض لوگ اپنی ہجرت کی وجہ سے ان حقائق تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، جہاں ان کے ہمعصر دھوکا کھا گئے یا بھٹک گئے۔ اس لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے تمام مواد کا مطالعہ ہی کیا ہو۔ ممکن ہے ڈونگ کے سلسلے میں بھی تاریخ اپنے آپ کو دہرائی ہو رہی ہو۔

فعال متخیلہ

(ACTIVE IMAGINATION)

بظاہر یہ لگتا ہے کہ ڈونگ ایک نظریاتی نفسیات دان ہے مگر حقیقی معنی میں، جن معانی میں نظریاتی طبیعات دان ہوتے ہیں، جن کو تخلیقی خیالات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے صرف پسل کلفز کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی کبھی وہ بھی نہیں ہوتی، ادب کے اندر بھی بہت کم استعارے ایسے ہیں، جن کے لئے پتہ مار کر پیشنا نہیں پڑتا ورنہ اگر کوئی مضمون کہنا، نظم یا انشائیہ لکھنا ہو تو کم از کم پسل کلفز کا اہتمام تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ مگر غزل اور رباعی ایسے استعارے غنی ہیں، جو چلتے پھرتے سوہی جاتی ہیں اور کبھی جاتی ہے۔ غزل لکھنے والے اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ انہیں غزل لکھنے والا نہ کہا جائے بلکہ وہ اپنے آپ غزل کہنا والا، کہلاتا پسند کرتے ہیں۔ اسی میں رواج اور جدیدیت کی بھی کوئی خاص تخصیص نہیں ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے جب اپنی وحدت بنائی (Quage Unification) کی تصوری پیش کی تھی وہ ایک خطرہ ہوئی جواز پر۔ بحران کمال کے اوپر سر کر رہے تھے اور اس کے لئے انہیں کلفز اور قلم کسی بھی شے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ ایٹم بم کے خیال کے موجد لیونارڈو (Leo Szilard) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے جب ایٹم بم بنانے کے امکان کو حتمی طور پر اپنی گرفت میں لیا تھا تو اس وقت وہ لندن کے ایک چوراہے پر گاڑی چلا رہا تھا اور لال حق کی وجہ سے ٹریفک رکا ہوا تھا جب حق گرہیں ہوئی تھی تو وہ اس مسئلے کو حل کر چکا تھا۔

ڈونگ نے تخلیقی عمل کے سلسلے میں بھی بہت کچھ لکھا ہے اور اس کے کئی مضامین میں اس کا واسطہ یا بلاواسطہ حوالے موجود ہیں۔ اس کا ادب اور نفسیات والا مضمون جو ”جدید انسان روح کی تلاش میں“ کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس سلسلے میں بار بار کوٹ کہا جاتا ہے۔ مگر منجودہ باب میں، میں اس کی عملی صورت کے بارے میں ڈونگ کے حوالے سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آزاد عوازم خیال (Free Association Of Thought) ڈونگ کی ایجاد نہیں ہے۔ شاید فرانسیسی بھی اس طریق کار کا موجود قرار نہیں دیا جاسکتا مگر جس شے کو تحلیل

نفسی (Psycho Analysis) کیا جاتا ہے، وہ اصل میں آزاد تلازم خیالی ہی کی بنیاد پر استوار ہے۔ مریض سے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا کوئی خواب سنائے، پھر اس خواب میں ظاہر ہونے والی علامات کے سلسلے میں اس سے پوچھا جاتا ہے کہ جو کچھ ان کے بارے میں اس کے ذہن میں آتا ہے بتاتا جائے۔ پھر اس کے بتائے ہوئے پر اگر ضرورت ہو تو مزید اسی انداز کی تحقیق کی جاتی ہے اور چند خواب یا بہت سے خوابوں کے سلسلے میں اس کے آزاد تلازم خیالی کے مطالعے کے بعد، اس کے ان مسائل تک پہنچا جاسکتا ہے، جن کی وجہ سے حقیقی نفسی کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ڈونگ نے اس سلسلے کو آسان بنانے اور عملی فعل دینے کے لئے مختلف لغتوں کے کار ڈیٹائے اور مریضوں سے اس کے بارے میں دو عمل معلوم کیا۔ پھر اس دو عمل کے اعتبار کے سلسلے میں یہ بھی دیکھا کہ مریض کتنا وقت لیتا ہے، جس وقت زیادہ ہو جاتا اور مریض اپنا دو عمل دینے میں وقت محسوس کرتا، تو یہ سمجھ لیا جاتا کہ اس کا تعلق مریض کے ان نفسیاتی مسائل سے ہے، جس میں وہ آج کل گمراہ ہوا ہے۔ ڈونگ کا یہ طریق کار آج بھی فروغ دہیں ہوا اور اس کی مدد سے معاملے میں کئی آسانی پیدا ہو گئی ہیں۔ یہ طریق کار خصوصاً اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب زیادہ گمراہی میں جانے کی ضرورت محسوس نہ کی جا رہی ہو۔

فعال متخیلہ (Active Imagination) یقیناً ڈونگ کے خیالات میں سے بہت پر جوش اور دلچسپ خیالی ہے مگر جو لوگ اس کے بارے میں جانتا چاہیں اور کسی حد تک تحقیق کرنے کے بھی خواہش مند ہوں اور وہ ڈونگ کے اجتماعی کام (Collected Works) کا مطالعہ کریں اور اس کا عمومی انڈیکس (Index) دیکھیں، تو انہیں اس نام سے چند درجن حوالے ملیں گے اور ان میں سے زیادہ تر ایسے ہوں گے جن میں اس کا بس ذکر ہی ہوگا۔ (بہتر ہوگا کہ اس سلسلے میں کولن ولسن سے رجوع کیا جائے) سب سے پہلا حوالہ۔ اور شاید مکمل ترین حوالہ جس کا تعلق طریق کار سے ہے وہ ڈونگ کے مضمون ارض فاضل (Transcendent Function) میں آتا ہے۔ یہ مضمون ۱۹۱۶ء میں لکھا گیا تھا اور یہی ڈونگ نے اس کا ذکر نام کے طور پر بھی نہیں کیا بلکہ یہ مضمون لکھ کر اس نے اپنی فائل ہی میں رکھ پھوڑا، پھر کسی نے اسے کہا کہ وہ طلباء کے ایک رسالے کے لئے کوئی مضمون عطا

کرتے۔ یہ ۸۵۷ء کی بات ہے۔ یہ ڈونگ کے انتہائی کام کی آٹھویں جلد میں شامل ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک وارنگ بھی ہے: یہ طریق کار خطرات سے خالی نہیں ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اسے اس وقت استعمال کریں جب آپ کسی ماہر نگران کے زیر نگرانی ہوں۔

تاہم اگر یہ طریق کار دیباہی پادشہ جیسا کہ ڈونگ دعویٰ کرتا ہے۔ تو پھر ڈونگ کے بتائے ہوئے اس خطرے کی زیادہ پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اگر واقعی فعال متغیر ہونے کا آہستگی ہے، تو پھر ڈونگ نے ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے، یہ وہ مسئلہ ہے جس نے ان بے شمار غیر مقامیوں (Out Siders) کو پریشان کر رکھا تھا جن کا تعلق انیسویں صدی کے ساتھ ہے اور اس سے انسان کے ارتقائی مستقبل کی بھی ایک کلید ہاتھ آگئی ہے۔ ۱۸۷۱ء کے ایک خط میں رامبو (Rimbaud) نے لکھا تھا شاعروں کی ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے کوئی رویت کوئی ویژن (Vision) پیدا کریں۔

”میں کہتا ہوں کہ انسان کو ویژن دلا ہونا چاہئے۔۔۔۔ انسان کو اپنے آپ صاحب کشف سمجھنا چاہئے۔۔۔۔ ایک شاعر کو ڈیڑھ بیٹے کے لئے ایک طویل مدت، شدید اور دانشورانہ حیاتی بے ترتیبی کی ضرورت ہوتی ہے۔“ پھر اپنی ایک کتب A Season in Hell (دونرگ میں ایک موسم) میں وہ دو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اس بے ترتیبی (Derangement) کو طاری کرنے میں کامیاب رہا۔ میں اپنے آپ کو سادہ سے قریب نظر (Hallucination) کا عادی بنا لیا۔ میں نے حقیقت میں ایک فیکٹری کی بجائے ایک مسجد دیکھی، جس میں فرشتے نوبت بجا رہے تھے، گاڑیاں آسمان کی سڑکوں پر چل رہی تھیں۔ جمیل کی تہ میں مجھے ایک ڈراما گم دم نظر آیا تھا۔ میں نے قوی دیکھ جانے اور دیکھے تھے اور کئی اسرار مجھ پر کھلے تھے۔

مگر جب اس کا اعتماد اس شکل میں کیا جائے تو یہ صاف نظر آ جاتا ہے کہ بنیادی طور پر یہ دنیا کے گلاب اور نکلا انگیز احساسات دیکھنے کی ایک پرانی روحانی خواہش ہے۔ یہ ویسی ہی خواہش ہے جس کا اعتراف ایڈگر پو (Edgar Allen Poe) کی کتب Tales Of Mystry And Imagination میں ہوتا ہے۔ یہ شے ہم دم روشنی والے اور دھند والے علاقے میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اس کی ایک جھلک ہوف مین

(Hoffmann) اور جین پال (Jean Paul) کی عجیب و غریب استیوں (Grotesqueries) میں دکھائی دیتی ہے یا پھر پو (Poe) شیرڈن (Sheridan) اور لی فانو (Le Fanu) کی لڑا دینے والی کہانیوں میں یا پھر ان کہانیوں میں جن میں دن کو بھی خواب دکھائے جاتے ہیں یا پھر اورے ہیڈس لے (Aubrey Beardsley) کی فسوت سے بھری ہوئی تشریل میں (یہ ہیڈس لے ہی تھا جس نے پہلی کتاب Yellow Book کے قارئین کو کھلے میدان میں چانو کی تشریل سے آگ بھجوا کر دیا تھا۔ یا پھر سرریل لسٹوں (Surrealists) اور ڈاڈائی لسٹوں (Dadaists) کو چوکا دینے والے حملوں میں۔ یہ تو یوں لگتا ہے جیسے کہ جیمس (Yeats) 'Four Rag And Bone Shop Of Heart' سے آؤدو مندانہ سوچ کی سیزمی لگا کر باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر ڈونگ نے واقعی انسان کو صاحب کشف بنانے کی کوشش کی جائے تو وہی تھنک ایبلو کر لی ہے اور وہ فرشتوں کو نوبتیں بجاتے ہوئے دیکھ سکتا ہے اور اسے جھیل کی تہ میں واقعی دیوان خانے نظر آتے ہیں، تو صرف اتنے ہی کام کی وجہ سے وہ اس صدی کی اہم ترین شخصیتوں میں شمار ہونے کا پورا پورا حقدار ہے۔

اپنی سوانح عمری میں ڈونگ نے پہلی بار اس بات کو واضح کیا کہ اس کو پہلی بار کب یہ احساس ہوا کہ عقیدہ کا یہ پہلو بھی موجود ہے، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب فرانیڈ سے الگ ہو جانے کی وجہ سے وہ ذاتی طور پر بالکل مفلوج ہو چکا تھا۔ لہذا اس نے اپنے آپ کو ڈھیلا پھوڑ دیا ان ذاتی مریضوں کی طرح جو اپنے اجنبط (Delusions) کو وقوع پذیر ہونے دیتے ہیں، یہ ڈونگ کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا دیکھا ہوا یہ خواب کہ یورپ خون میں نہا جائے گا اگلے ہی برس پورا ہو گیا اور اس کے ذہن میں یہ بات واضح ہو گئی کہ ضروری نہیں کہ دابہر (Illusion) ہمیشہ غلط ہی ہو (وہیے فرانیڈ کی بات اپنی کتاب "دہے کا مستقبل" (Future Of an Illusion) میں کہہ چکا تھا) L. Enfer میں باربوس (Barbusse) کا ایرو جو کہ آؤٹ سٹینڈر ہے سوچتا ہے "میں بہت گہرائی میں ہوں اور بہت کچھ دیکھتا ہوں" اور یہ وہ واقعہ تھا جو ڈونگ کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہا تھا۔

جب ذہن پر شدید دباؤ ہو تو اس کا قدرتی رد عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی مزاحمت کی بجائے پناہ کوشش کرتا ہے۔ ڈونگ کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی کیفیت نیشے (Nietzsche)

اور ہولڈرلین (Holderlin) سے ملتی جلتی ہے، اسے یہ خدشہ تھا کہ ان کی طرح کہیں وہ بھی دیوانہ نہ ہو جائے اور اسی وجہ سے وہ اس کیفیت کو کھل کھیلنے نہ دیتے تھے پھر دسمبر ۱۷۹۳ء کو جب وہ اپنے میز پر بے پناہ قنوطیت اور ہیجان کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا تو اس نے اچانک فیصلہ کیا کہ وہ اس اجباؤ کو کھل کھیلنے کی اجازت دے دے اور پھر دیکھے کہ ہوتا کیا ہے۔۔۔۔۔ اس کا جو نتیجہ نکلا وہ کھل کھل طور پر جلد کن نہیں تھا وہ حیران ہو گیا جب اس پر یہ نکلا کہ جو قوت اسے کھل کھیلنے کا مشورہ دے رہی تھی وہ اس کے ذہن کے اندر ایک اجنبی قوت تھی مگر یہ اجنبی حالات پر کھل قابو رکھنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ تب وہ یہ جاننے پر مجبور ہوا تھا کہ یہ ایک اندھا راستہ ہے، اور ہڈن (Hudson) کے الفاظ میں موضوعی (Subject) ذہن معروضی (Objective) ذہن سے خطاب کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ”دیکھو خدا کے لئے ہمارے درمیان یہ آہنی دیوار قائم رکھنے کی کوشش نہ کرو، کیونکہ تم اپنے خلاف مزاحمت کر کے، خود اپنی ہی قوت کو ضائع کر رہے ہو“ اس کا موازنہ اس صورت حال سے ہو سکتا تھا جس میں بیوی اپنے شوہر سے مخاطب ہو، جو گاڑی چلاتے چلاتے بڑی طرح بے حال ہو چکا ہے۔ ”گاڑی کی کچھلی نشست پر آکر لیٹ جاؤ اور تھوڑی سی ٹینڈ لے لو، اس دوران گاڑی میں چلتی ہوں“ ڈونگ سمجھتا رہا کہ اس نے گاڑی کا سٹیرنگ چھوڑ دیا تھا اور اس کے نتیجے میں اس نے ہانگتے میں ایک خواب دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ گویا ایک لاش کے ساتھ ایک غار میں تھا اور اس کا ذہن بے شمار تصویروں سے بھرا ہوا تھا۔

کولن ولسن نے اپنی کتاب An Access To Inner Worlds میں لکھا ہے کہ اسی طرح کی واردات میں سے براڈ ایٹسز (Brad Absetz) بھی گزرا تھا جو امریکی تھا مگر فن لینڈ میں مقیم تھا ان کے بچے کی موت کے بعد اس کی بیوی شدید اضمحل (Depression) کا شکار تھی۔ وہ گھنٹوں ہنسنے پڑی رہتی تھی اور سیاہ خواب دیکھتی رہتی تھی اور اپنے آپ کو کوستی رہتی تھی۔ براڈ ایٹسز اس کے پاس بیٹھا ہوا اس انتظار میں تھا کہ وہ کسی طرح اس کیفیت سے باہر آئے تاکہ وہ اس کی مدد کر سکے۔ وہ ہر طرح کی احتیاط برت رہا تھا اور منتظر تھا کہ اس کی طرف سے کوئی ذرا سا بھی مثبت اشارہ ملے تو وہ اس کی مدد کو پہنچے مگر اس کے ساتھ ہی وہ خود کو طبعی طور پر پڑ سکون محسوس کر رہا تھا۔ ایک دن جب وہ لیٹا ہوا تھا اس نے ایک کیفیت سی محسوس

کی، اس نے محسوس کیا کہ وہ اچانک بہت ہلکا پھلکا ہو گیا ہے اور پھر اس کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے چنگ سے اڑ کر ہوا میں تھرنے لگا ہے، اور یہ ڈونگ کے کھل کھیلنے کے مقابلے میں اس کا اپنا متبادل تھا۔ پھر میں ہوا کہ اس کے اندر کے دوسرے آدمی نے اپنا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ وہ کھانے کے میز کے قریب کھڑا تھا اور وہ دوپہر کا کھانا کھانے ہی والا تھا کہ اس کے بازو نے پھر کھانا شروع کر دیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا بازو کچھ کرنا چاہتا ہے۔ لہذا اس نے اجازت دے دی کہ وہ کھانے کے لئے جو کچھ لینا چاہتا ہے لے لے۔ چنانچہ اس نے وہ کچھ لیا جو عام طور پر وہ لیتا نہیں تھا۔ پھر یہ سلسلہ بہتوں تک چلا اور چند ہی دنوں میں اس کا وزن کم ہو گیا اور اس نے پہلے سے کہیں بہتر محسوس کرنا شروع کر دیا۔ ایک دن اس کی چھوٹی سی بیٹی نے اسے کہا کہ وہ رنگین کھڑا (Crayons) کے ساتھ اسے کوئی ڈرائنگ بنا دے۔ ایک بار پھر اس ہاتھ نے پھر کھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس نے اسے کھلی چھٹی دے دی۔ اس کے نتیجے میں بہت سی تصویریں اور خاکے بن کر تیار ہو گئے اور ان کے ذرائع حیران کن حد تک شعور کو پریشان کرنے والے (Psychedelic) تھے، ہر ایک دوسرے سے انتہائی مختلف تھا۔ پھر اس کا دوسرا سلف قابض ہو گیا اور اس نے شاعری لکھنی شروع کر دی اور وہ خود محض ایک قرآنی بن کر رہ گیا۔ پھر اس نے دعائے کے مجھے پڑے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے روزمرہ کے کام بھی انجام دیتا رہا۔ مثلاً وہ شد کی کھیاں پاتا رہا۔ اس نے ایک سالہ مگر رسم بھانے کے انداز میں اپنی توانائی کو پھر سے ابھار لیا۔ چنانچہ براڈ کی ذہنی پارلیمنٹ میں لاشعور کے نمائندے کو اس کی گنج جگہ میسر آگئی۔ جس کے نتیجے میں ایک ایسی زندگی بروئے کار آئی، جو کہیں زیادہ ہم آہنگ اور بے سکون تھی اور ڈونگ کی زبان میں اس نے بہت حد تک فردیت (Individuation) کی سطح کو حاصل کر لیا تھا۔

براڈ لاشعور کو یہ دیواریں گرانے سے قطعاً دیوانے پن کا کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن وہ بے حد دباؤ میں ضرور تھا۔ اس کے موضوعی ذہن نے اپنے ہی طریقے ایجاد کئے تھے اور اس نے اسے اندھے راستوں سے باہر نکلنے کی راہ دکھائی تھی۔ (وہ طریقہ یہ تھا کہ وہ بس بے سکون رہے۔۔۔۔۔ مگر اس کی آنکھیں کھلی ہوں اور وہ اپنے ارد گرد سے پوری آگاہی رکھتا ہو۔۔۔۔۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ ذہنی طریقے علاج کی سب سے سادہ اور بااثر صورت ہے۔)

۱۸۳ء میں ڈوئگ اس سے کہیں زیادہ بری حالت میں تھا۔ لہذا جب اس نے کھل کھینے کی اجازت دی، تو موسیقی دماغ کی تشیل بنانے والی قوت سیلاب کی طرح شعور کی طرف اٹھی، اس نے اس کے نتیجے کو فعال عقیدہ (Active Imagination) کا نام دیا مگر ہمیں یہ بات چلنی چاہئے کہ یہ عام معنوں میں عقیدہ نہیں ہے۔ جس میں تشیل یا کیفیات کو بیدار کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔ جو کچھ ڈوئگ کو حاصل ہوا تھا وہ ایغو اور لاشعور کے باہین ایک نیا توازن تھا۔ جس میں لاشعور کو برابر کا مضیق تسلیم کیا گیا تھا۔ اس سے یہ بات کھلتی ہے کہ ڈوئگ بار بار کہیں دو ٹون دیکھتا تھا، اسے بار بار مصلوب حضرت عیسیٰ اپنے پلنگ کے پاس نظر آتے تھے۔

ہم فوری طور پر اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ ڈوئگ اور راہبو کے فعال عقیدہ میں کیا فرق ہے۔ راہبو کہتا ہے کہ تکلیف اور دیوانہ پن کے آگے سر تسلیم خم کرو، اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایغو کے ہاتھ میں زہم آ جائے گی، اس نے کوشش کی تھی کہ وہ حیات کی عقلی بے ترتیبی شراب اور دوائیوں کے ذریعے حاصل کرے، لیکن چونکہ اس کا ایغو مضبوط تھا لہذا اس نے نہ فروت حاصل کی اور نہ ہی اس کی رسائی اندرونی دنیا تک ہو پائی (جب اس نے ٹیکسری کی جگہ مسجد دیکھی تھی، تو اسے اس کی آرزو مدعا نہ سوچ پر محمول کیا جاسکتا تھا۔) یہ دیوار اصل میں اس وقت ٹوٹی تھی، جب انسان بالکل ہی مایوسی کے عالم میں ہو، رہا چھوڑ دیا محسوس کرتا ہو اور یہ ایک طرح اختیار ڈال دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ایک جوش اور ذوق و شوق بھی متعلق ہے راماکرشنا (Ramakrishna) کو اس کا حصول اس وقت ہوا تھا جب اس نے کموار کے ساتھ خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی اور اچانک اس پر کالی ماما (Divine Mother) نے غلبہ حاصل کر لیا تھا۔

اس تشریح کے بعد ہم اس بات کا اندازہ کرنا شروع کر سکتے ہیں کہ اگرچہ ڈوئگ فعال عقیدہ کو فروت کے حصول کی کلید سمجھتا ہے، مگر اس نے اس کے بارے میں متفکر بہت کم کی ہے۔ اس کے بارے میں بہت کچھ کہنے کے لئے ہے بھی نہیں، اپنے مضمون Transcendent Function میں وہ لکھتا ہے :

"جذباتی تجاہل کی شدت کے اندر ہی اس کی قدر (Value) بھی ہے۔ وہ قوت جو اس

حالت کو دور کرنے کے لئے انسان کے پاس ہوتی چاہئے۔"

پھر وہ اضافہ کرتا ہے۔

"اس گرتی ہوئی عقلی حالت کو دہانے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔"

دوسرے لفظوں میں جب مریض شدید ذہنی دباؤ میں ہوتا ہے، تو یہ حالت فعال متیلد کو بروئے کار لانے کے لئے بہترین حالت ہے۔

اس سلسلے میں ڈونک کی ہدایت یہ ہیں:

چنانچہ اس قواطی پر قابو حاصل کرنے کے لئے کچھ غلط جگہ پر موجود ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جذباتی حالت کو اس کارروائی کے آغاز کی بنیاد بنایا جائے۔ خود کو اس کیفیت کے بارے میں اس قدر باشعور بنایا جائے جتنا باشعور بننا ممکن ہے اور بغیر کسی مزاحمت کے اس کے اندر ڈوبنے کی کوشش کی جائے اور کانڈ پر اپنا تمام فنتاسیا (Phantasies) نگھ لیا جائے اور وہ تلازمے بھی جو ان کے ساتھ ذہن میں آتے ہیں پھر فنتاسیا کو ہر ممکن طریقے سے مکمل کیلئے کا موافقہ دیا جائے، لیکن اس طرح بھی نہیں کہ وہ اپنے اپنے معروض کے بخود ہی سے نکل جائے۔۔۔۔۔ یہ عمل گویا ایک طرح کا تسلسلی رد عمل (Chain Reaction) ہونا چاہئے۔ یہ آزاد تلازمہ (Free Association) جیسا کہ فرائیڈ اسے نام دیتا ہے اپنے معروض سے نکل کر دوسری چیزیں گولوں میں پڑ جائے۔

وہ تعارف ہی کے دوران ایسے خطرات سے آگاہ کر دیتا ہے، اس نے ۱۹۵۸ء میں اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا تھا۔

"(طریق کار کے سلسلے میں) ایک کم درجے کا خطرہ یہ ہے کہ ممکن ہے یہ کسی نتیجے کی طرف رہنمائی نہ کرے کیونکہ یہ آسانی سے فرائیڈ کے معروف آزاد تلازمے کا تصور ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر مریض اپنی ہی بانجھ الجھنوں (Complexes) کے پکر میں پھنس جاتا ہے۔۔۔۔۔"

ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ براڈ ایسٹروئسز پر چڑا ہوا اپنے ہی آزاد تلازمہ خیال میں تھا وہ

بھی اس سیلاب کو پار نہ کر سکتا۔ جو بات سب سے زیادہ اہم ہے یہ ہے کہ مکمل سکون اور آرام کی حالت کے ساتھ ساتھ پوری خبرداری اور جاگنا بھی شامل ہو۔

خوابِ عبرت جسے کہتے ہیں بڑی چیز ہے وہ
شرط یہ اس نیند میں آنکھوں کو کھلا رکھنا ہے

ٹوٹک کے خیال میں یہ پورا عمل ایک طرح کی قوت افزائی ہے اور اثرات کی شفا فی ہے (یعنی شدید جذبات کی حالت) جس میں معلول (Effect) اور اس کا موجد شعور کی سطح کے قریب لے آیا جاتا ہے۔ بعض معاملات بقول ٹوٹک ممکن ہے، مریض واقعی کوئی آواز بھی سنے اور یہ آواز سمی واپس (Auditory Hallucination) ہو۔ یہ ایک ایسی حالت ہے جو تقسیم شدہ دماغ کے نفسیات دانوں کی دلچسپی کا موضوع ہے، گویا ٹوٹک دماغ کے دائیں نصف اور بائیں نصف کی بات کر رہا ہے۔

جن قارئین کو یہ توقع تھی کہ انہیں متیلہ کو فعال کرنے کا کوئی عمل اور تہہ برف نسخہ بتایا دیا جائے گا اب تک کی گفتگو سے کچھ نہ کچھ مایوس ہوئے ہوں گے، آئیے کوشش کریں کہ اس معاملے کو مزید شفاف بنایا جاسکے۔

ٹوٹک کی پہلی واردات کا انچوڑ یہ ہے یہ گویا ایک طرح کا جاگنا خواب ہے۔ کسی چپے ہوئے جاوے کی حقیقت کو تسلیم کرنا ہے۔ وہ دویہ جس کے تحت تمام بند توڑ دیئے گئے تھے، خاصہ خوفزدہ کرنے والا عمل ہے۔ جیسے انسان اپنے آپ کو کسی بلندی سے خودی گرا دے اور یہ توقع کرے کہ کوئی وہاں ایسا موجود ہو گا جو اسے تمام لے گا اور نقصان نہ پہنچے دے گا (یہ وہ کھیل ہے، جو ہم میں سے اکثر بچپن میں کھیلا کرتے تھے) اگر ایک بار یہ اندازہ ہو جائے کہ کوئی ایسا موجود ہے جو ہمیں تمام لے گا تو پھر خوف غالب ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ تحفظ اور تعین کا ایک احساس لے لیتا ہے۔

لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ فعال متیلہ کے لئے نقطہ آغاز یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ ہمارے پیچھے کوئی ایسا کھڑا ہے، جو ہمیں گرنے نہیں دے گا۔ ایک بہت سی مزے کی کتاب میں، جس کا نام The Secret Science At Work ہے، میکس فریڈم لونگ (Max Freedom Long) اپنے طریقے کی تشریح کرتا ہے۔ یہ طریقہ اصل میں ہوائی کے ہوناس (Hunas Of Hawaii) کا ہے اور اس کے ذریعے وہ اپنے اندھے جاوے (Blind Ally) سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ (جسے وہ پست سلف Low Self کا نام دیتا ہے)

لوئک کے گردہ نے دوسرے سلف (Other Self) کو جارج (George) کے نام سے پکارنا شروع کیا اور اس نے یہ دریافت کیا کہ وہ ایک مکالمے میں مشغول ہو سکتا ہے اور وہ سوالوں کا جواب پنڈولم Pendulum کی مدد سے دے سکتا ہے۔

ایک بار جب دوسرے سلف کی حقیقی موجودگی تسلیم کر لی جاتی ہے، تو اس کے بعد کرنا یہ ہوتا ہے کہ اسے اپنا اظہار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ ۱۹۴۷ء میں ایک خط کے ذریعے ڈوئگ نے اس ٹھیک کو اس طرح بیان کیا تھا :

بنیادی بات یہ ہے کہ آپ کس امیج (Image) سے آغاز کریں۔ مثل کے طور پر یہ دیکھیں کہ آپ کا خواب زور رنگ کے بلے سے مصور ہے۔ پھر اس پر غور کرتے چلے جائیں اور احتیاط سے یہ مشاہدہ کریں کہ تصویر کس طرح اپنے آپ کو کھولتی ہے یا تبدیل ہوتی ہے۔ یہ کوشش نہ کریں کہ وہ کسی خاص شکل میں اپنے آپ کو تبدیل کر دے۔ صرف یہ مشاہدہ کریں کہ وہ اضطراری طور پر خود کو کس شے میں تبدیل کرتی ہے۔ ایسی کوئی بھی ذہنی تصویر جس پر آپ اس ذریعے سے غور کریں گے، بعد میں کسی اضطراری حالات کی وجہ سے تبدیل ہو جائے گی۔ یہ علامتہ تصویر کو کچھ کچھ بدلتا چلا جائے گا۔۔۔۔۔ خود کو اس شکل یا امیج تک محدود رکھنے کی کوشش کریں، جو آپ نے بنایا ہے اور انتظار کریں کہ وہ اپنے آپ کو خودی تبدیل کرے، جو تبدیلیاں رونما ہوں ان کو نوٹ کرتے چلے جائیں، اور پھر خود بھی تصویر کے اندر داخل ہو جائیں اور اگر یہ شکل ممکنہ کرنے والی ہو، تو وہ کچھ کہہ دیں جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں اور پھر انتظار کریں کہ وہ شکل آپ کو جواب میں کیا کہتی ہے۔

ڈوئگ اپنے اجتماعی کام کی انفرادی جلد میں ٹروی سٹاک لیچر (Travel Stock Lecture) ۱۹۳۵ء میں اپنے ایک مریض کی مثال پیش کرتا ہے کہ اس نے بالآخر کس طرح زکام کی حالت میں فعال عقیدہ تک رسائی حاصل کی۔ وہ ایک نوجوان آرٹسٹ تھا اور عملی طور پر اس کی سمجھ میں یہ آئی تھی کہ ڈوئگ کا فعال عقیدہ سے معلوم کیا ہے۔ "اس شخص کا ذہن اپنے طور پر مشغول کار رہتا تھا اور دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا آرٹسٹ ایلیو ڈرائیور سیٹ سے اتارنا ہی نہیں تھا۔ مگر ہر بار جب یہ آرٹسٹ

ڈونک کو ملنے آتا تھا تو اسے ایک چھوٹے سے شیبن پر انتظار کرنا پڑتا تھا، وہاں ایک پوسٹر لگا ہوا تھا جس پر برٹش آلپس (Bernese Alps) کے سورین (Murren) کی تشریح کی گئی تھی۔ اس میں ایک آبشار تھی، ایک سرسبز چراگاہ تھی اور ایک پہاڑی تھی جس میں کانیں موجود تھیں۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس پوسٹر پر اپنی فنتاسیا کو آزمائے گا، اس نے آٹاؤں اس طرح کیا کہ گویا وہ چراگاہ کے اندر موجود ہے اور پھر وہ پہاڑی کے اوپر چڑھ رہا ہے۔ شاید وہ اس خاص دن کچھ زیادہ ہی اچھے موڈ میں تھا یا ممکن ہے اس کی فنتکارانہ عقیدہ پروردگی کا آگئی ہو اور اس کی راہ میں حائل ہونا چھوڑ دیا ہو (یا پھر اس نے یہ دیکھا ہو کہ دائرہ دلچسپی یہ کس رہا ہے۔ "اچھا تو تم یہ چاہتے تھے۔ تم نے یہ کہا کیوں نہیں؟") ایک چائے خواب کا آغاز ہوا، اس نے خود کو پہاڑی کے دوسری طرف پگڑی پر چلتے ہوئے پایا اور پھر وہ ایک ہتھی ہوئی ندی کی پٹائی ہوئی تنگ کھائی (Ravine) سے ہوتا ہوا ایک چھوٹے سے گر جاگھر میں داخل ہوا پھر اس نے آلٹر (Alter) پر کنواری کا چہرہ دیکھا اور کوئی شے جس کے کان نوکیلے تھے قربان گاہ کے پیچھے نظر آئی اور غائب ہو گئی۔ اس نے سوچا۔ "یہ سب کچھ اس ہے" اور تمام کی تمام فنتاسیا غائب ہو گئی۔

پھر اس کے ذہن میں ایک اہم خیال آیا۔ شاید یہ فنتاسیا نہیں تھی۔ شاید یہ سبھی کچھ حقیقی طور پر موجود ہے۔ پھر اسی کو گلو کے عالم میں اس نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر اس نے اس منظر کو اپنے ذہن کی سکریں پر موجود پایا، وہ ایک بار پھر گر جاگھر میں داخل ہوا اور ایک بار پھر وہی نوکیلے کانوں والی شے قربان گاہ میں ظاہر ہوئی اور پھر غائب ہو گئی۔ یہ سارا منظر اسے یہ یقین دلانے کے لئے کافی تھا کہ جو کچھ اس نے دیکھا وہ محض فنتاسیا نہیں تھا بلکہ معروضی حقیقت کی کوئی جھلک تھی جو اس کے سر کے اندر موجود تھی اور یوں اس نے اپنے باطنی دنیا تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ اس کے بارے میں ڈونک کہتا ہے کہ یہ فصل عقیدہ کو بروئے کار لانے کی ایک کامیاب کوشش تھی۔

یہاں میں اپنی ایک واردات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ یہ واقعہ ۱۹ مارچ ۱۹۸۳ء سے شروع ہوتا ہے، جب مجھے ہارٹ اٹک ہوا تھا اور میری کلینیکل موت واقع ہوئی تھی پھر مجھے معنوی طریقے سے زندہ کیا گیا تھا اور میں بہتوں زندگی اور موت کی کشمکش میں جکڑ رہا تھا۔ میری حالت اس قدر خراب تھی کہ میرے ڈاکٹر مینوں تک میری صحت یابی کے سلسلے میں باج سی کا اظہار

رہے تھے مگر اس سارے عرصے میں میری ذہنی حالت بالکل ٹھیک تھی اور میں نہ تو اپنے آپ کو مریض محسوس کرتا تھا اور نہ ہی زندگی کے سلسلے میں مایوس ہوا تھا۔ کوئی اذیت دینے میں نے ہیٹھل کارڈیج و سکولر انسٹی ٹیوٹ کراچی میں گزارے تھے۔ میرے مطالعے ڈاکٹر سید اسلم اگرچہ بہت ہی سوجھ بوجھ رکھنے والے ڈاکٹر تھے۔ مگر وہ بھی مجھے اس بات کی اجازت نہ دے سکتے تھے کہ میں زیادہ گفتگو کروں۔ اور میرے ذہن میں خیالات کا ایک پیکان تھہ جو تھمنے میں نہیں آتا تھا۔ میں نے ذہنی طور پر کئی مضامین بلکہ کتابوں کے مسودے بنائے تھے جو بعد میں جزوی طور پر لکھے گئے اور شائع ہوئے۔ میں پرائیویٹ وارڈ میں تھا جہاں کمرے جلدی جلدی تبدیل ہوتے رہے تھے۔ ایک کمرے میں جو اب بھی میرے ذہن میں قفل ہے، میں نے ایک کیفیٹر دیکھا جس میں مسجد نبوی کی تصویر تھی اور تصویر اس زاویے سے لی گئی تھی کہ اس میں مسجد کے ساتھ ملحق بازار کا کچھ حصہ نظر آتا تھا۔ میں گفتگو اس تصویر کو دیکھتا رہتا تھا کبھی پورے شعور کے ساتھ اور کبھی سوتے جاگتے کی کیفیت میں۔ ڈونگ کے بارے میں میں اس وقت بھی کافی کچھ جانتا تھا اور مجھے فعال تقلید کے بارے میں بھی کچھ علم تھا مگر اس زمانے میں میری شدید دلچسپی آرٹھر کوسل میں تھی، مگر مجھے پڑھنے کی اجازت نہیں تھا۔ میں تجلی دے کا شکار تھا اور مجھ پر اس کے شدید دورے پڑے تھے اور میری سانس بری طرح اکڑ جاتی تھی۔ جو لوگ مجھے ملنے آتے تھے ان کے چہرے اس قدر اوس اور مایوسی سے بھرے ہوتے تھے کہ میں اندر سے لرز جاتا تھا۔ کچھ دوست ایسے بھی تھے، جو اپنے آنسوؤں کو چھپانے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ میرے دفتری معاملات بھی الجھے ہوئے تھے اور بہتر مرگ پر بھی مجھے معلوم نہیں تھا کہ مجھے اگلے ماہ کی تحفہ ملے گی یا نہیں۔ سلیم احمد اور یوسف کامران کی موت بری طرح میرے سر پر سوار تھی، مگر اس کے باوجود مجھے یقین تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح زندہ رہ جاؤں گا مگر اس کی کوئی مخلقی وجہ نہیں تھی۔

اس ذہنی حالت میں ایک دن میں تصویر کو دیکھ رہا تھا تو مجھے لگا کہ میں مسجد نبوی کے باہر اس گلی میں کھڑا ہوں، پھر میں نے چلنا شروع کر دیا میں دیر تک دینے کی گلیوں میں چلا رہا۔ وہاں مجھے لوگ تو نظر نہ آئے کبھی کبھی کوئی پرچہ نہیں یا کوئی سیلا نظر آ جاتا تھا مگر یہ احساس مجھے کبھی نہیں ہوا کہ میں اکیلا ہوں۔ یہ تصویر میں نے بار بار دیکھی تھی اگرچہ میں اس کمرے سے کسی اور کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا جس میں وہ تصویر لگی ہوئی تھی۔ پھر میں نے اپنے امر تر

والے کمر اور سادات سے پہلے والے امرتسر میں گھومنا شروع کر دیا تھا مگر یہ عجیب بات ہے کہ یہ تصویریں آوازوں کے بغیر تھیں۔ آوازوں والی تصویریں یا ایچ کا سلسلہ الگ ہے۔ اس کے بارے میں پھر بھی بات کروں گا۔ مسجد نبوی کی رویت میری آنکھوں کو آنسوؤں سے بھرتی تھی اور میں یہ تصور زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکتا تھا۔

پھر جب میں تھوڑا بہت صحت یاب ہوا تھا تو ۱۹۹۱ء میں مجھے امریکہ جانے کا موقع ملا۔ واپسی پر لندن سے ہوتے ہوئے میں جدہ آیا اور مکے میں دو عمرے ادا کئے، پھر جب میں بس کے ذریعے مکے سے مدینے کی طرف سفر کر رہا تھا تو عجیب بے خودی کے عالم میں تھا۔ میرے ذہن میں مدینے کی گلیاں تھیں جو جکی تھیں اور گھر جو پرانی وضع کے تھے، گھوم رہے تھے۔ البتہ مسجد کی تعمیران کے مقابلے میں جدید تر تھی، مگر مجھے اس تصویر میں کوئی تضاد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے ہوائی جہاز کی بجائے بس سے سفر کرنا مناسب سمجھا تھا۔ تاکہ میں راستے کے مناظر سے آشنائی حاصل کر سکوں۔ جب مجھے مسجد نبوی کے مینار پہلی بار نظر آئے تھے تو میں ہلک ہلک کر رونے لگا تھا بس میں بیٹھے ہوئے لوگ میری طرف متوجہ ہوئے تھے مگر کسی نے کچھ کہا نہیں تھا۔ شاید ایسے واقعات وہاں ہوتے رہتے تھے۔

جب میں نے مدینے کو دیکھا تو وہ میرے خوابوں کے مطابق نہیں تھا۔ چارے شرکاء مسجد میں شامل کر لیا گیا تھا اور کوئی کوٹاکھہ راہیا نہیں تھا جہاں سے یہ اندازہ ہو سکے کہ مدینہ شہر حضور کے زمانے میں یا اس کے صدیوں بعد تک کس طرح کا ہوا کرتا تھا۔ کاش حسین کے غلاموں کے ذہن میں یہ بات ہوتی کہ مدینہ کی قدامت کے کیا سحانی ہو سکتے ہیں۔ سب سے پرانا علاقہ جو میں سعودی عرب میں دیکھ چلا تھا وہ جدے کے اندر تھا اور وہ بھی زیادہ پرانا نہیں تھا۔ کاش ہم روم کے شرکی طرح کچھ مدینے کے قدیم آثار بھی قائم رکھ سکتے۔ ہرمال میرا فضل متیلہ والا مدینہ میرے ذہن میں محفوظ ہے اور آنکھوں دیکھے مدینے کی تصویر دھندلائی جا رہی ہے۔

آئیے ایک بار پھر ہم کولن ولسن کی طرف لوٹتے ہیں۔ جو کچھ اب تک کہا جا چکا ہے اس کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک خاص موقع پر کوئی نقطہ یا مقام ایسا آتا ہے، جس میں سب کچھ تبدیل ہو جاتا ہے اور یہی وہ موقع ہوتا ہے جب انسان اپنا ک محسوس کرتا ہے کہ

یہ محض ذہنی یا فنی فکریا نہیں ہے بلکہ ہوں گتا ہے جیسے یہ کوئی معروضی حقیقت ہے، مگر ہے انسان کے دماغ کے اندر۔ خواب میں ہم کم ہی حقیقت کا سامنا کرتے ہیں، اگرچہ کچھ لوگ محل طور پر حقیقی دکھائی دیتے ہیں۔

بنیادی طریق کچھ ہوں ہونا چاہئے۔ بے حس و حرکت لیٹ جائیں جیسا کہ بڑا دانشور نے کیا تھا اور اپنے آپ کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیں، مگر اس کے باوجود اپنی حیثیت کو بیدار رکھیں۔ خود کو کوئی پست سنے کے لئے تیار رکھیں یعنی ہمہ تن گوش ہو جائیں اور انتظار کریں کہ خارج گویا ہو، یعنی یہ فرض کریں کہ کوئی موجود ہے اور وہ کچھ کہنا چاہتا ہے اور پھر اسے کہیں اسے جو کہنا کہہ دے۔ اگر وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے، صرف ابھی ہی ہے تو اس پر غور کریں۔ جس طرح آپ کسی آرٹ گیلری میں کسی مصوری کے شاہکار پر غور کرتے ہیں اور پھر اسے کہیں کہ اسے جو کچھ کہنا یا کرنا ہے کرتا چلا جائے۔

بولین جینز (Julian Jaynes) اپنی کتاب

Origin Of Conclousness In The

Breakdown Of Bicameral Mind. وضاحت پیش کرتا ہے جینز کا خیال ہے ہمارے چار ہزار برس پرانے اہواجداد خود شعوری کی صلاحیت سے محروم تھے اور وہ ہماری طرح کے نہیں تھے۔ وہ اپنے آپ سے سوال کر کے آنکھ کی دلوں حصین نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ ان کے ذہن کا رخ باہر کی طرف تھا۔ ان کے لئے تمام فیصلے کچھ آوازیں کیا کرتی تھیں جو ان کے ذہن کے اندر ہوتی تھیں اور وہ غلطی سے ان آوازوں کو دیوتاؤں کی یا خدا کی آواز سمجھتے تھے یہ گویا دماغ کا دوسرا حصہ تھا دوسرا سلف تھا۔ بعد میں جنگوں اور بحرانوں (Crises) نے انسان کو مجبور کیا کہ وہ خود آگاہی اچھا کریں تاکہ اسے سچی دماغ کی ضرورت ہی پتی نہ رہے۔

ہم اس بنیاد پر اس نظریے پر اعتراض کر سکتے ہیں کہ جدید انسان اب قسم (Bicameral) ہے (یعنی دو ذہن رکھتا ہے) تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ قدیم انسان یک رخا (Unicameral) تھا اور وہ فطرت کے ساتھ بے سکون اور جبلتی طریقے سے ہم آہنگ تھا۔ جیسے مثال کے طور پر گائے ہوتی ہے، مگر اس اعتراض سے نظریے کی بنیاد پر کوئی ضرب نہیں پڑتی یہ نظریہ اس سائنسی خیال سے ابھرتا ہے کہ ہم اپنے دماغ کے اندر ایک دوسرا سلف بھی رکھتے

ہیں اور ہزاروں لوگ اس دوسرے سلف کی موجودگی کا احساس سعی یا بصری دماغوں کے ذریعے سے کرتے ہیں اور اس چیز کو ڈوبنگ انکاس (Projection) کا نام دیتا ہے۔

ایک خاتون نفسیات دان جس کا تعلق ڈوبنگ کے کتب خیال سے ہے، اپنی کتاب (Encounter With The Soul: Active Imagination) خاتون کا نام باربرا ہانا (Barbara Hannah) اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ قدیم انسان کا خدا سے سامنا (مثلاً Old Testament) میں فعال عقیدہ کی مثالیں ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ منقسم دماغ کی کار فرمائی ہے۔ وہ سعی طریق کار کی دو احتمالی فاکس کر دینے والی مثالیں پیش کرتی ہے۔ ان مثالوں میں سے ایک کا تعلق ۲۲۰۰ قبل مسیح اور دوسری کا ۱۴۰۰ عیسوی سے ہے اور ہوں ایک جدید دستاویز ایک مریضہ ایٹا مار جولہ (Anna Mar Julia) کے وسالت سے وجود میں آئی ہے کہ وہ کس طرح فعال عقیدہ کو بروئے کار لانے سے شغلیاب ہوئی۔ اس مثال سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ فعال عقیدہ سے کیا فرما لیتا تھا۔

ایٹا مار جولہ ایک وکیل کی بیٹی تھی اور ڈوبنگ کا خیال تھا کہ اس کے نیورس (Neurosis) کا ماخذ جنسی ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنے باپ کو جلتی لگاتے ہوئے (Masturbating) دیکھا تھا اور وہ اس وقت بہت چھوٹی سی تھی۔ بعد میں اس کے باپ نے بیٹی میں خصوصی دلچسپی لینے کا اعتراف کیا تھا۔ وہ شریلی تھی، گھبرائی گھبرائی رہتی تھی اور بری طرح احساسی کتری (Feeling Of Inferiority) کا شکار تھی اور اس کے لئے ماں کی موت بری طرح مستحضر کر دینے والا تجربہ تھا وہ ایک اعلیٰ درجے کی سازندہ تھی اور کنسرٹ میں پیانو بجانے والی بنتا چاہتی تھی۔ وہ ایکس برس کی عمر میں امتحان کی تیاری میں مشغول تھی کہ وہ بری طرح تھکاوٹ کا شکار ہوئی اور وہ روحانی طور پر بھی بہت زوال پذیر محسوس کر رہی تھی۔ ایک آواز نے اسے کہا کہ وہ اپنے ارادوں (Ambition) کی قربانی دے اور ٹاکسی کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہو جائے (یہ ایک بہترین نصیحت تھی جو اس کا موضوعی دماغ اس کو دے سکتا تھا) اس کا اس بات پر آمادہ ہو جانا کہ وہ ٹھنکے ٹھسٹ کو قبول کر لے گی مذہبی طور پر بے حد نشاط انگیز ثابت ہوا۔ اس مقام پر آواز نے اسے بتایا کہ وہ خود تو مشغور نہیں ہو سکتی مگر اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ کسی بھینس (Genius) کی ماں بن جائے۔ اسے یہ تلاش کرنی چاہئے کہ اس کے ارد گرد ایسا کون ہے جو اس بھینس کا باپ بننے کے قابل ہو اور وہ خود

اس کے سامنے بغیر کسی مادی خواہش کے پیش کرے اگر یوں وہ حمل ٹھہرانے میں کامیاب ہو جائے یعنی اس فعل میں لذت کا شائبہ تک نہ ہو، تو اس کے بعد جو لڑکا پیدا ہو گا وہ چھٹیس ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی صحیح آدمی کو تلاش نہ کر سکی اور جب وہ چالیس والے عشرے میں داخل ہوئی تو اس کے اندر یہ احساس بہت شدت سے پیدا ہوا کہ اس کی گاڑی نکل چکی ہے اور اس وجہ سے وہ شدید نفسیاتی مسائل کا شکار ہو گئی۔ جب وہ ڈونگ کی مریض بنی تو اس وقت اس کی عمر اکیس برس تھی۔

ماہر تحلیل نفسی۔۔۔ ڈونگ کی بیوی نے یہ تجویز کیا کہ پہلی رات اپنی مس (Anismus) کا دھوکا تھی۔ لہذا مریض کو کوشش کرنی چاہئے کہ فعل عقیدہ کے ذریعے مثبت نفسی آدمی چنپ تک رسائی حاصل کرے یہ آدمی چنپ عظیم ماں (Great Mother) کا ہے۔ یہ بات واضح تھی کہ مریض کے اندر یہ رجحان پہلے ہی سے موجود تھا کہ وہ دوڑن دیکھ سکتی تھی اور اس کے نفسیاتی دباؤ کی وجہ سے اس کے اندر وہ نفسی توانائی موجود تھی جو فعل عقیدہ کے لئے ضروری ہوتی ہے لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا عظیم ماں کے ساتھ مکالمات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس میں مریض نے عظیم ماں کو ایک الگ شخصیت کے طور پر دیکھا جیسے کہ ڈونگ کو۔ نل ہون (Philemon) کا تجربہ ہوا تھا۔ اس کا ادنیٰ نتیجہ یہ نکلا کہ بار بار مٹانے اپنی بزرگی کی عمر خاموشی اور سکون کے ساتھ گزاری۔

ڈونگ کے کتب فکر کا ایک اور ماہر تحلیل نفسیات جسے مارون پیپلگ مین (J. Marvin Splegleman) نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ۲۴ برس کی عمر میں فعل عقیدہ کی تکنیک سمجھے گا اس کے پاس ایک غار کی فٹنڈیا تھی جہاں اس کا سامنا ایک ماں، بیٹی اور بوڑھے دادا آدمی سے ہوا تھا۔ ایک دن ایک سورا (Knight) ظاہر ہوا اور ماں اور بیٹی کرلے کر چلے گئے۔ سورا نے کہا یہ تھا کہ وہ کچھ قہقہے بیان کرنا چاہتا ہے اور اس اقلیم میں اس کے ساتھ دوسرے بھی کئی لوگ ہیں، اور وہ بھی اپنے قہقہے کہنا چاہتے ہیں۔ پیپلگ مین نے پھر کئی برس ایسے گزارے ہیں جن میں وہ سوراؤں کی کہانیاں لکھتا رہا، ایک فرن ایک جنسی اختلاط میں ڈوبی ہوئی عورت (A Nymphomanlac) ایک بوڑھا چانکا مین (Chinaman) اور بہت سے دوسرے، یہ کہانیاں چار جلدوں میں شائع ہوئیں۔ یہ صاف بات تھی کہ پیپلگ مین نے وہی تکنیک استعمال کی جو براؤنلنڈر نے کی تھی۔ دوسرے سلف کو اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے

شریعے میں کو خیر یاد کر دے اور کھل کر اپنا اظہار کرے، اور دونوں کے نتائج ایک دوسرے سے پوری طرح مماثل تھے۔

ہیگل میں اپنے اس سلسلے کی چوتھی جلد میں (جس کا نام The Knight تھا) ایک ایسی بات لکھتا ہے جو مرکزی اہمیت کی حامل ہے کہ فعال عقل کی کامیاب مشق (Practice) باقاعدہ طور پر واقعات کی ہم وقتیت (Synchronistic Events) کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ جس میں انسان کا تعلق دنیا کے ساتھ عمیق طور پر اور متصوفاً طریقے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ہوتا گیا ہے۔ ہیگل میں بیان کرتا ہے کہ اندر کا عمل دنیا کے ساتھ انسان کے تعلق کو بالکل تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ بارش برسانے والے کی اہم کہانی سناتا ہے۔ یہ کہانی سب سے پہلے رچرڈ ویلم (Richard Wilhelm) نے ڈونک کو سنائی تھی۔ ویلم یمن کے کسی دور دراز گاؤں میں تھا جو ٹنگ سلی کا قلعہ تھا۔ ایک دور کے گاؤں سے ایک بارش برسانے والا بھیجا گیا تھا۔ اس نے گاؤں کے باہر کے حصے میں قیام پذیر ہونے کے لئے جبکہ باگی تھی اور پھر وہ تین دن کے لئے غائب ہو گیا تھا۔ پھر چھاؤں میں برساتا تھا اس کے بعد برف پڑی تھی۔ سال کے اس حصے میں پہلے بھی ایسا ہونا دیکھا ہی نہیں گیا تھا۔

ویلم نے بوڑھے کو پوچھا تھا کہ تم نے یہ کارندہ کیسے سراہا ہوا۔ تو بوڑھے نے جواب دیا میں نے کوئی کارندہ انہما نہیں دیا۔ آپ یہ تو جانتے ہیں کہ میں ایسے علاقے سے آیا ہوں جہاں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ وہاں بارش اس وقت ہوتی ہے، جب ہونی چاہئے اور اس وقت ہوتی ہے جب اس کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ جو لوگ ہیں وہ بھی ٹھیک ٹھاک ہیں ایک نظام کے اندر ہیں مگر اس گاؤں کے بھی لوگ ٹکڑا (Taco) سے باہر ہیں۔ اپنے آپ میں نہیں ہیں۔ جب میں یہاں پہنچا تو اس بات نے فوراً مجھ پر اثر اندازی شروع کر دی، چنانچہ میں نے کہا کہ میری رہائش گاؤں کے کنارے پر ہوگی تاکہ میں اکیلا وہ سکوں اور جب میں پھر سے ٹکڑا میں آگیا تو بارش ہو گئی۔

اس وضاحت سے ڈونک کے نظریے ہم وقتیت پر نئی روشنی پڑتی ہے اور اس سے جلد کے بھی نئے معانی ظہور ہوتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ چینلوں کے موقف کے مطابق وہیں غفلت کے ساتھ احتمالی قریبی تعلق میں ہے، لہذا ہم وقتیت قدرتی عمل میں فعال مداخلت نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس کی ہم آہنگی کی پیداوار ہے۔ (لہذا جب ہم نفسیاتی طور پر صحت مند ہوں تو ہم

دقیقت کو ہر بار وقوع پذیر ہونا لازمی ہے۔ ہمارے طوف اور تشویش قدرتی ہم آہنگی کے رستے میں حائل ہوتی ہیں اور جب یہ ہوتا ہے تو حالات بگڑ جاتے ہیں۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلا ہے کہ اس صورت حال کی موجودگی میں فعل متعطل کے معانی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ قوت متعطل ہماری حیات کی دانشورانہ ذوال پذیر نہیں ہے۔ جو ایٹمی کارفرمائی سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک باطنی ہم آہنگی ہے، جو پوشیدہ رستوں کو تسلیم کرنے سے وجود میں آتی ہے اور یہ ایک ایسا عمل ہے جو دو سطحوں میں باہمی مفاہمت کا سبب بنتا ہے۔

مگر یہاں بھی ایک وارننگ کی ضرورت ہے۔ ایک کمال کا امریکی طبیب ہارڈ ملر (Howard Miller) یہ لکھتا ہے کہ انسانوں کے اندر کئی طرح کی فعل متعطل پہلے سے موجود ہے۔ میں اپنی آنکھیں بند کر کے گرمیوں کے دنوں میں ساحل سمندر یا پہاڑوں پر پڑی ہوئی برف کو دیکھ سکتا ہوں اور اپنے پاؤں کے نیچے ریٹم بھی رست یا پھولوں جیسی ہوائی کو محسوس کر سکتا ہوں اور پھر ایک سیکنڈ کے اندر چلتی ہوئی ہوا کی چاپ یا ہتے ہوئے سمندر کے مدجزہ کی آواز سن سکتا ہوں۔ اپنے چہرے کو چھوتی ہوئی ٹھنڈی اور نرم آلود ہوا کو محسوس کر سکتا ہوں اور سردیوں کے دنوں میں جب ہر طرف برف پڑی ہوئی ہے یا ٹھنڈی ہوا چل رہی ہوتی ہے سورج کی گرمی محسوس کر سکتا ہوں۔ آپ نے وہ کمانی تو سنی ہوگی جب ایک ٹھنڈی ہوئی رات میں بہت دور چلتے ہوئے ایک چراغ نے اس شخص کو زندہ رکھا تھا جس کے جسم پر کپڑے کا ایک دھاگا بھی نہیں تھا، مگر مرنا خیال یہ ہے کہ اس سارے عمل کا کنٹرول خود ایٹمو کے ہاتھ میں ہے۔ میں فیصلہ کرتا ہوں کہ منظر کو تبدیل ہونا ہے اور میری متعطل سارے کا سارا منظر تبدیل کر کے دکھ دیتی ہے۔

عملی طور پر طر یہ کہہ رہا ہے داہندہ دماغ آرکسٹرا ہے اور بایاں دماغ سازندہ ہے مثل کے طور پر اگر میں اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دوں اور شاعری پڑھوں یا موسیقی سنوں، تو میں اپنے آپ پر بہت سی کیفیات طاری کر سکتا ہوں اور بالآخر ایسی حالت میں پہنچ سکتا ہوں کہ میں اپنے موڈ کو ایک لمحے کے اندر تبدیل کر سکوں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں طر کی Paradise Lost پڑھتے پڑھتے فوری طور پر حقیقی واقعات کی طرف لوٹوں اور ایک ایسے لمحے کا تصور کروں، جہاں لوگ دھمیں چارہ ہوں اور اس کے بعد پھر سے مسجد سے آتی ہوئی اذان سنوں اور مسجد کے صحن میں لگے ہوئے درخت پر ٹیٹھی ہوئی چڑیوں کی آوازیں سنوں۔ یہ ممکن ہے کہ دلیاں اور

بایں دماغ اس کیفیت میں آ جائیں کہ ایک آرکسٹرا بن جائے اور دوسرا اس کا کنڈکٹر (Conductor) ہو جائے اور یہ آرکسٹرا بھی ایسا ہو جو زندگی کی باتکیاں بیان کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہو مگر یہ بھی کچھ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب میں یہ سمجھوں کہ میں ہی اس آرکسٹرا کا کنڈکٹر ہوں۔ مجھے آرکسٹرا کے درمیان کھڑا ہونا پڑے گا اور اپنی چھڑی (Baton) کو جنبش دینی ہوگی اور ساتھ ہی کہنا ہوگا کہ خواتین و حضرات آج ہم آپ کو ہیر کی ایک دھن سنا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ خطرہ یہ ہے کہ فعال متیلہ کہیں اپنی چھڑی آرکسٹرا کے حوالے نہ کر دے اور اگر ایسا ہو جائے تو یہ ایک بے معنویت کی صورت حال ہوگی۔ فعال متیلہ ایلو کے ساتھ مفاہمت کی ایک حالت ہے جس میں ایلو کو ہر حال رہنا پڑتا ہے۔

مغرب کا انسان ایک ایسا کنڈکٹر ہے جسے معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ ایک پارے آرکسٹرا کا رہنما ہے بس اسے ایک دھندلا دھندلا سا احساس ہے کہ فعال متیلہ بھی کوئی شے ہے اور یہ ایک ایسی تکنیک ہے جس سے آرکسٹرا سے آگلی حاصل کی جاسکتی ہے اور اس کو ڈونگ کی زبان میں فردیت (Individuation) کہتے ہیں۔ یہ واضح طور پر محسوس آغاز ہی ہے۔ اگلا قدم یہ ہے کہ ان بکھرے بکھرے سائندوں کو ساتھ لگا کر کوئی عظیم آرکسٹرا بنائے اور بہت سی نہ بھلائی جاسکتے والی دھنیں تشکیل دے۔ غالباً ڈونگ بھی کچھ کہنا چاہتا تھا جب اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کیا تھا۔ ”شعور اعلیٰ ترین حالت یا مفاہمت کندہ (Arbiter) ہے۔“

اس کتاب کو ختم کرتے ہوئے مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ میں نے اسے کسی مایوسی یا قنوطیت پر ختم نہیں کیا۔ پچھلی کئی کتابوں میں کوشش کے باوجود میں رجحانیت کو بدے کھر نہیں لاسکا تھا۔ اس کی وجہ میں سمجھتا ہوں کہ میرا مزاج نہیں، کیونکہ اگر میرے اپنے مزاج کے اندر قنوطیت اس قدر رہتی یہی ہوتی تو میں اسے Enjoy کرتا مگر ہوا یہ ہے کہ ہر کتاب لکھنے کے بعد میں یہ سوچتا رہا ہوں کہ کیا یہ قنوطیت ہمیشہ کا کام کر سکتی ہے، بعض اوقات بچوں کے سامنے چیزوں کا تاریک رخ اس لئے بھی دکھایا جاتا ہے کہ روشن پہلو کو تلاش کرنے کی خواہش ان کے دلوں کے اندر بیدار ہو۔

ڈونگ ہمیشہ میرے لئے روشنی کا ایک مینار رہا جب میں کالج کے زمانے میں بری طرح تشکیک کا شکار ہوا تھا تو مجھے اس دلدل سے نکالنے والے ڈونگ اور اقبال تھے پھر زندگی

کے ہر سوڑ پر میرا ان سے ساتھ رہا مگر میں نے ان دونوں کو اپنے لئے ملاؤ نہیں بنایا۔ ان کے راستے پر چلنے کو اپنی تقدیر نہیں سمجھا بلکہ کوشش کی ہے کہ میں اپنی راہ خود حتمین کردوں۔ اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ اپنی راہ انسان کبھی خود حتمین نہیں کرتا۔ بہت سے عوامل ہمیشہ اسے ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانے میں مدد ہوتے ہیں یا اس کا راستہ روکتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ پچھلے چند برس میں دنیا اس قدر بدل گئی ہے کہ اس کا اعزاز پہلے سے کرنا ممکن نہیں تھا۔ ڈوگ اس دوران فرسودہ تو نہیں ہوا مگر اس کو دیکھنے کے ذریعے بہت حد تک تبدیل ہوتے جا رہے ہیں۔ فنی علوم کے بارے میں عام رویہ حیرت انگیز حد تک بدلا ہے اور اب بہت سے سائنس دان اس میدان میں سرگرم عمل ہیں۔ لہذا ڈوگ کے وہ پہلو سامنے آ رہے ہیں جن پر اس کی زندگی میں زیادہ توجہ نہیں کی گئی تھی۔ ویسے بھی ڈوگ کی نفسیات اس قدر پستور ہو رہی ہے کہ وہ مستقبل قریب میں شاید اور بھی زیادہ بدلی بدلی دکھائی دے۔ ڈوگ ان لوگوں میں ہے جنہوں نے انسان کو زندہ رہنے کا جواز فراہم کیا ہے۔ فرانٹز اگرچہ ڈوگ کا استاد بھی ہے اور جدید عمیق نفسیات کا بانی بھی ہے مگر اس کے رویے میں ایک درد انگیز مایوسی کا عنصر نمایاں ہے۔ شاید اسی لئے لوگ اس کے بارے میں بار بار کہتے ہیں کہ وہ فرسودہ ہو چکا ہے۔ وہ اس کے بارے میں شدید رویے کا اظہار بھی کرتے ہیں اور یہ بھی کہی اس کے حلقے میں ہونے والے جلسوں کو بھی ناگہیب بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ڈوگ کی کچھ کہیں، کچھ اخلاقی مشکلات اور کچھ سمجھ میں نہ آنے والے رویے، اس کی موت کے بعد بہت نمایاں کئے گئے ہیں مگر اس سے ڈوگ کو زیادہ فرق نہیں پڑا۔ وہ بہتر مستقبل کی خبر دینے والا نفسیات دان ہے، جو چاہتا ہے کہ انسان اپنے خفیہ گوشے دریافت کرے اور اس دریافت سے اس کے لئے زندگی میں آسائیاں پیدا ہوں۔ وہ اقبال کی طرح زندگی کو ایک کھلا امکان سمجھتا ہے اور اب تو سائنس بھی نیوٹن کے زمانے کی طرح میکانیکی نہیں رہی، اس نے بھی اصولی لائق دریافت کر لیا ہے اور روایتی مطلق کی وہ زنجیریں توڑ دی ہیں جو اس کی پرواز کے راستے میں حائل تھیں۔

ایک بار پھر عرض کردوں کہ یہ کتاب ڈوگ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرتی اور نہ ہی شاید کوئی ایک کتاب ایسا کر سکتی ہے، مگر یہ کتاب ایک ایسا دروازہ ضرور ہے جو ڈوگ کے امکان کے اندر کھلتا ہے۔

BIBLIOGRAPHY AND FUTHER READINGS

- | | | | |
|-----|----------------------|---|---|
| 1. | ADLER ALFRED | <i>UNDERSTANDING
HUMAN NATURE</i> | PERMA BOOKS
NEWYORK 1946 |
| 2. | ALDER ALFRED | <i>WHAT LIFE SHOULD
MEAN TO YOU?</i> | GEORGE ALLENS
UNWIN LONDON 1980 |
| 3. | BRILL A.A | <i>BASIC PRINCIPLES OF
PSYSHO-ANALYSIS</i> | WASHINGTON'
SQUARE PRESS INC.
NEW YORK 1960 |
| 4. | BROWN
VINCENT. | <i>JUNG: MAN AND MYTH</i> | GRANDA PUBLISHING
LTD UK 1978 |
| 5. | BROWN J.A.C: | <i>FRUED AND POST
FRUEDIANIS</i> | PENGUIN BOOKS UK
1964 |
| 6. | BUDGE
WALLACE E.A | <i>THE BOOK OF DEAD
(EGYPTIAN)</i> | |
| 7. | CAMPBELL
JOSEPH | <i>MYTHS, DREAMS AND
RELIGION</i> | DUTTON PAPER
BACKS NEWYORK
1970 |
| 8. | CAMPBELL
JOSEPH | <i>THE PORTABLE JUNG</i> | PANGUINE BOOKS
1980 |
| 9. | CAMPBELL
JOSEPH | <i>THE; MASKS OF GOD
PRIMITIVE
MYTHOLOGY</i>

<i>Vol : 1</i> | PANGUINE BOOKS
1982 |
| 10. | CAMPBELL
JOSEPH | <i>THE; MASKS OF GOD
ORINETAL
MYTHOLOGY</i>

<i>Vol : 2</i> | PANGUINE BOOKS
1982 |
| 11. | CAMPBELL
JOSEPH | <i>THE MASKS OF GOD;
OCCIDENTAL
MYTHOLOGY</i>

<i>Vol : 3</i> | PANGUINE BOOKS
1982 |

- | | | | |
|-----|----------------------------------|---|---|
| 12. | CAMPBELL
JOSEPH | <i>THE MASKS OF GOO;
CREATIVE
MYTHOLOGY</i> | PANGUINE BOOKS
1962 |
| | | Vol : 4 | |
| 13. | CHUCHAIS
WITH
WINBERG CHAI | <i>THE STUDY OF
CHINESE
PHILOSOPHY</i> | WASHINGTON
SQUARE PRESS INC
NEWYORK 1961 |
| 14. | CASTUKDEJO
CLAREMONT
DE | <i>KNOWING WOMEN</i> | HARPER COLOPHON
BOOKS NEWYORK
1974 |
| 15. | CAVENDHISH
RICHARD | <i>ENCYCLOPEDIA OF
THE UNEXPLAINED</i> | ROUTLEDGE AND
KEGAN PAUL
LONDON 1974 |
| 16. | DAVID- NEAL
ALEXANDRA | <i>MAGIC AND MYSTRY
IN TIBET</i> | SOUVENIR PRESS
LONDON 1967 |
| 17. | ERNEST
JONES | <i>LIFE AND WORKS OF
SIGMUND FREUD</i> | PENGUIN BOOKS UK
1964 |
| 18. | EINSTEIN
ALBERT | <i>IDEALS AND
OPINIONS</i> | RUPA AND CO NEW
DELHI 1979 |
| 19. | EVENS-WENTZ
W.Y | <i>BOROO THODOL,
BOOK OF THE DEAO</i> | CAJ SEWAY BOOKS
NEW YORK 1973 |
| 20. | FORDHAM
FRIEDA | <i>AN INTROOUCTION TO
JUNG'S PSYCHOLOGY</i> | PENGUIN BOOKS
LONDON 1964 |
| 21. | FRUED
SIGMUND | <i>CIVILIZATION AND IT'S
DISCONTENTS</i> | THE HOGARTH PRESS
AND THE INSTITUTE
OF PHYCHO ANALYSIS
LONDON 1953 |
| 22. | FRUED
SIGMUND | <i>ON SEXUALITY</i> | PENGUIN BOOKS VOL-
7 1977 |
| 23. | FRUED
SIGMUND | <i>INTROOUCTORY
LECTURES ON
PSYCHO-ANALYSIS</i> | THE HOGARTH PRESS
LONDON 1949 |
| 24. | FRUED
SIGMUND | <i>NEW INTROOUCTORY
LECTURES ON
PSYCHO ANALYSIS</i> | THE HOGARTH PRESS
LONDON 1949 |
| 25. | FRUED
SIGMUND | <i>TOTEM AND TABOO</i> | ROUTLEDGE AND
KEGAN PAUL LONDON
1950 |
| 26. | FRUED
SIGMUND | <i>FUTURE OF AN
ILLUSION</i> | THE HOGARTH PRESS
NO 15 LONDON 1949 |

- | | | | |
|-----|--|--|--|
| 27 | FRUED
SIGMUND | <i>THE INTERPRETATION
OF DREAMS</i> | GEORGE ALLEN AND
UNWIN LTD LONDON
1950 |
| 28. | FROMM ERIC | <i>THE CRISIS OF
PSYCHO-ANALYSIS</i> | FAWEET-PREMIER USA
970 |
| 29. | FROMM ERIC | <i>THE GREATNESS AND
LIMITATIONS OF
FRUEDS THOUGHT</i> | MENTOR BOOKS
NEWYORK 1981 |
| 30. | FODOR
NANDOR | <i>AN ENCYLOPEIDA OF
PSYCHIC SCIENCES</i> | CITADEL USA 1974 |
| 31 | FREMANTLE
FRANCES | <i>THE TIBETAN BOOKS
OF OUR TIME</i> | SHAMBHALA, BERKLY
AND LONDON 1975 |
| 32 | GAY PETER | <i>FRUED- A LIFE OF
OUR TIME</i> | PAPER MAC LONDON
1988 |
| 33. | GREYGORY
RICHARD | <i>THE OXFORD
COMPANION TO THE
MIND</i> | OXFORD UNIVERSITY
PRESS NEWYORK
1988 |
| 34. | GUILY
ROSEMARY | <i>ENCHYUCLOPEDIA OF
MYSTICAL AND
PARANORMAL
EXPERIENCE</i> | GRANGE BOOKS
LONDON 1991 |
| 35. | GALLOP
GEORGE JR | <i>ADVENTURES IN THE
IMMORTALITY</i> | CORGI BOOKS 1984 |
| 36. | HAWKING
STEPHEN W | <i>A BRIEF HISTORY OF
TIME</i> | BANLOOM BOOKS
LONDON 1989 |
| 37. | HOYLE FRED
SIR | <i>THE INTELLIGENT
UNIVERSE</i> | MICHEAL JOSEPH
LONDON 1985 |
| 38. | HOYLE FRED
CHANDRA
WICKER-
MASINGHE | <i>EVOLUTION FROM
SPACE</i> | GRANDA LONDON
1983 |
| 39. | HEISENBERG
WERNER | <i>PHYSICS AND
PHILOSOPHY</i> | PENGUIN BOOKS
LONDON 1983 |
| 40 | INGLIS BRAIN | <i>THE PARA NORMAL -
AN ENCLOSEDIA OF
PSHYCHIC
PHENOMENA</i> | GRANDA, NEW YORK
1985 |
| 41 | JACOBI
BLANDE | <i>THE PHYCHOLOGY OF
C.G. JUNG</i> | ROUTLEDGE AND
KEGAN PAUL, 1951 |

- | | | | |
|----|-------------------|---|--|
| 42 | JAYYNES
JULIAN | <i>THE ORIGIN OF
CONCIOUSNESS IN
THE BREAKDOWN OF
BICMERAL MIND</i> | PENGUIN BOOKS 1962 |
| 43 | JUNG C.G. | <i>MEMORIES, DREAMS,
REFLECTIONS</i> | COLLINS FOUNT
PAPER BACKS 1980 |
| 44 | JUNG C.G. | <i>MAN AND HIS
SYMBOLS</i> | DELL PUBLISHING CO
NEWYORK 1977 |
| 45 | JUNG C.G. | <i>COLLECTED WORKS</i> | ROUTLEDGE & KEGAN
PAUL, LONDON 1981 |

- | | | |
|--------|-----|--|
| VOLUME | 1: | PSYCHIATRIC STUDIES |
| VOLUME | 2: | EXPERIMENTAL
RESEARCHES |
| VOLUME | 3: | THE PSYCHOGENESIS
OF MENTAL DISEASE |
| VOLUME | 4: | FRUED AND PSHYHO
ANALYSIS |
| VOLUME | 5: | SYMBOLS OF
TRANSFORMATION |
| VOLUME | 6: | PSYCHOLOGICAL
TYPES |
| VOLUME | 7: | TWO ESSAYS ON
ANALYTICAL
PSYCHOLOGY |
| VOLUME | 8: | THE STRUCTURE AND
DYNAMICS OF THE
PSYCHE |
| VOLUME | 9: | THE ARCHETYPES AND
THE COLLECTIVE
UNCONGIOUS |
| VOLUME | 10: | CIVILIZATION IN
TRANSITION |
| VOLUME | 11: | PSYCHOLOGY AND
RELIGION : WEST AND
EAST |
| VOLUME | 12: | PSYCHOLOGY AND
ALCHEMY |
| VOLUME | 13: | ALCHEMICAL STUDIES |

VOLUME	14:	MYSTERIUM CONIUNCTIONS
VOLUME	15:	THE SPIRIT IN MAN, ART AND LITERATURE
VOLUME	16:	THE PRACTICES OF PSYCHOTHERAPY
VOLUME	17:	THE DEVELOPMENT OF PARANALITY
VOLUME	18:	THE SYMBOLIC LIFE MISC WRITINGS
VOLUME	19:	GENERAL BIBLIOGRAPHY OF C.G. JUNG
VOLUME	20:	GENERAL INDEX

- | | | | |
|-----|--|---|---|
| 46. | KOESTLER
ARTHOR | THE ROOTS OF
COINCIDENCE | VINTAGE BOOKS
BOOKS NEW YORK
1973 |
| 47. | KOESTLER
ARTHOR | BRICKS TO BABEL | PICADOR LONDON
1981 |
| 48. | KRAFT EBING,
RICHARD VON | EXISTANTIALISM
RELIGION, AND DEATH | NEW AMERICAN
LIBRARY NEW YORK
1976 |
| 49. | KRYSTAL
LEONARD | THE ABC OF
PSYCHOLOGY | PENGUIN BOOKS
LONDON 1982
BOLLINGEN CARVICE |
| 50. | LUNG AND
GURTAR | ON THE NATURE OF
PSHCHIE HOLLINGIN
SERIES | ROUTLEDGE AND
KAGAN PAUL LTD 1973 |
| 51. | LEVITAS. GB | THE WORKS OF
PSYCHOLOGY (TWO
VOLUMES) | AMBASSADOR BOOKS
TORONTO 1970 |
| 52. | LINGS MARTIN | SYMBOLS AND
ARCHETYPES | QUINTA ESSENTIA
CAMBRIDGE. 1991 |
| 53. | | THE MACMILLAN
ENCYCLOPEDIA | MACMILLAN LTD
LONDON 1986 |
| 54. | MACGUIRE
WILLIAM AND
R.E.C. HULL | C.G. JUNG SPEAKINGS | PAN BOOKS UK 1980 |
| 55. | MOODY A.
RAYMOND M.D. | LIFE AFTER LIFE | BANTOM BOOKS 1975 |

- | | | | |
|-----|------------------------------------|---|---|
| 56. | MOODY A.
RAYMOND | <i>REFLECTIONS ON LIFE
AFTER LIFE</i> | BANTON BOOKS USA
1978 |
| 57. | MAY ROLLO | <i>EXISTANTIAL
PSYCHOLOGY</i> | RANDOM HOUSE NEW
YORK 1969 |
| 58. | MOHAMMAND
IQBAL ALLAMA | <i>THE
RECONSTRUCTION OF
RELIGIOUS THOUGHT
IN ISLAM</i> | INSTITUTE OF ISLAMIC
CULTURE LAHORE
1980 |
| 59. | NEEDLE MAN
JACOB | <i>THE SWORD OF
GNOSIS</i> | ARKANA LONDON,
BOSTON, HENBEY
1986 |
| 60. | NUEMAN
ERICH | <i>THE ART AND THE
CREATIVE
UNCONCIOUS</i> | PRINCETON
UNIVERSITY PRESS,
PRINCETON, 1969 |
| 61. | PARRAGOFF
IRA, PHD | <i>THE DEATH AND
REBIRTH OF
PSYCHOLOGY</i> | THE LUBIAN PRESS
INC NEWYORK 1956 |
| 62. | PARRAGOFF
IRA PHD | <i>JUNG'S PSYCHOLOGY
AND ITS SOCIAL
MEANINGS</i> | GROVE PRESS NEW
YORK 1953 |
| 63. | POST
LAWRANCE
VANDER | <i>JUNG AND THE STORY
OF OUR TIME ZEN
AND</i> | PENGUIN BOOKS 1979 |
| 64. | PIRRING
ROBERT M. | <i>THE ART OF
MOTORCYCLE
MAINTENANCE</i> | BLACK SWAN
LONDON 1989 |
| 65. | LEDGE JAMES
(TRANSLATION
BY) | <i>I CHING, THE BOOK
OF CHANGE</i> | A DROVER EDITION |
| 66. | LAWRANCE
D.H. | <i>FANTASIA OF THE
UNCONCIOUS :
PSYCHO ANALYSIS OF
UNCONCIOUS</i> | PENGUIN BOOKS
LONDON 1978 |
| 67. | RANK OTTO | <i>BEYOND
PSYCHOLOGY</i> | PENGUIN BOOKS
LONDON 1978 |
| 68. | RANK OTTO | <i>THE MYTH OF THE
BIRTH OF THE HERO</i> | VINTAGE BOOKS
NEWYORK 1964 |
| 69. | RIECH
WILHELM | <i>MASS PSYCHOLOGY
OF FASCISM</i> | PANGUIN BOOKS 1978 |
| 70. | REIK
THOEDORE | <i>OF LOVE AND LUST</i> | BANTAN BOOKS NEW
YORK 1967 |

- | | | | |
|-----|---------------------------------|---|--|
| 71. | ROAZEN PAUL | <i>FRUED AND ITS FOLLOWERS</i> | PENGUIN BOOKS
LONDON 1979 |
| 72. | ROBERT
MACHE | <i>THE PSYCHO-ANALYTICAL REVOLUTION</i> | DISCUSS BOOKS NEW
YORK 1968 |
| 73. | SALAM ABDUS | <i>IDEALS AND REALITIES</i> | WORLD SCIENTIFIC
SINGAPORE 1987 |
| 74. | SULLIVAN
JACK | <i>THE PENGUINE ENCYCLOPEDIA OF HORROR AND THE SUPER NORMAL</i> | VIKING USA 1986 |
| 75. | STERN PAUL J. | <i>THE HAUNTED PROFIT</i> | DELL PUBLICATIONS
NEW YORK 1977 |
| 76. | THOMAS
ROBERT | <i>THE PELICAN HISTORY OF PSYCHOLOGY</i> | PENGUIN BOOKS UK
1968 |
| 77. | TAYLOR JOHN | <i>SCIENCE AND THE SUPER NATURAL</i> | GRAND BOOK NEW
YORK 1980 |
| 78. | TALBOT
MICHEAL | <i>MYSTICISM AND THE NEW PHYSICS</i> | ROUNDLEGE AND
KEGAN PAUL
LONDON AND HANLEY
1981 |
| 79. | TOYNBEE
ARNOLD AND
OTHERS | <i>MAN'S CONCERN WITH DEATH</i> | HODDER AND
STOUGHTON 1969 |
| 80. | UNDERWOOD
PETER | <i>DICTIONARY OCCULT & SUPER NATURAL</i> | FANTANA/COLLINS
GLASGOW 1979 |
| 81. | UNDERWOOD
PETER | <i>DEEPER INTO OCCULT</i> | HARRAP LONDON
1975 |
| 82. | WITTEL FRETZ | <i>SINMUND FRUED, HIS PERSONALITY TEACHING, HIS SCHOOL</i> | GEORGE ALLEN
SUNWIN LTD LONDON
1924 |
| 83. | WILSON COLIN | <i>THE MISFITS</i> | GRAFTON BOOKS
LONDON 1989 |
| 84. | WILSON COLIN | <i>THE OCCULT</i> | GRANDA BOOKS
LONDON 1979 |
| 85. | WILSON COLIN | <i>MYSTRIES</i> | GRANDA BOOKS
LONDON 1979 |
| 86. | WILSON COLIN | <i>THE ESSENTIAL COLIN WILSON</i> | GRAFTON BOOKS
LONDON 1987 |
| 87. | WILSON COLIN | <i>AFTER LIFE</i> | GRAFTON BOOKS
LONDON 1987 |

88.	WILSON COLIN	ACCESS TO INNER WORLDS	RIDER LONDON 1983
89.	WILSON COLIN	PSYCHIC DETECTIVE	PAN BOOKS LTD LONDON 1984
90.	WILSON COLIN	ORIGIN OF THE SEXUAL IMPULSE	PANTHER BOOKS LONDON 1988
91.	WILSON COLIN	THE ENCYCLOPEDIA OF UNSOLVED MYSTERIES	HARRAP LONDON 1988
92.	WEALDER ROBERT	PHYCHO-ANALYTICAL AVENUE TO ART	HOGARTH PRESS LONDON 1965
93.	THORNE KIPS	BLACK HOLE AND TIME WARPS	PAPER MAC NEW YORK 1994
94.	ZALESKI CORD	OTHER WORLD JOURNEY	OXFORD UNIVERSITY PRESS NEWYORK 1987

۹۵۔ ڈاکٹر محمد اجمل، تجلیلی نفسیات (ایک تہذیبی نگارشات) لاہور۔

۹۶۔ ڈاکٹر محمد اجمل (ترجمہ شہزاد احمد) نفسی طریق علاج میں مسلمانوں کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

۱۹۸۸ء

۹۷۔ سہیل احمد خان، ڈونگ کے نفسیاتی نظریات، ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۸۷ء

۹۸۔ پروفیسر لطیف اللہ، تصوف اور سہیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۰ء

۹۹۔ خواجہ شاہ محمد عبدالصمد، اصطلاحات صوفیہ، مکہ مکرمہ، لاہور۔

۱۰۰۔ سید محمد لدائی، سردلیہواں، محفل ذوقیہ کراچی ۷۷ء، لاہور۔

۱۰۱۔ ڈاکٹر عبدالسلام (ترجمہ شہزاد احمد) ارباب اور حقیقت، کورا پبلیشرز لاہور ۱۹۹۶ء

۱۰۲۔ شہزاد احمد فراہی کی نفسیات کے دو دور، سبک سہیل پبلیکیشنز لاہور۔ ۱۹۹۳ء

۱۰۳۔ شہزاد احمد، دو سرا رخ، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور۔ ۱۹۹۰ء

۱۰۴۔ شہزاد احمد، تیسری دنیا کے مسائل اور سائنسی انقلاب، سبک سہیل پبلیکیشنز لاہور۔ ۱۹۹۶ء

